سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۷۲)

بزم تیموریہ

یعنی ہندوستان کے تیموری بادشاہون، شہزادون اور
شہزادیون کی علم دوستی، علما نوازی اور اُن کے درباری شعرا
وفضلا، اور دوسرے اصحاب کمال کا تذکرہ

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمن ایم - اے

(رفیق دار المصنفین)

باہتمام

مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈہ مین چھپی،

سنہ ۱۳۶۷ھ
۱۹۴۸ء

فہرست مضامین

بزم تیموریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تیموری سلاطین رزم و بزم دونون میدانون کے مرد تھے، وہ جس درجہ کے فاتح و کشور کشا تھے اسی درجہ کے علم پرور اور ادب نواز بھی، وہ ترکی اور فارسی دونون مین اور آخری دور کے بادشاہ اردو مین بھی کمال اور شعروادب کا نہایت بلند اور ستھرا مذاق رکھتے تھے، اور اس کے نکتہ سنج نقاد تھے، جیسا کہ ان کی نظم و نثر اور تذکرون کے بیانات سے ظاہر ہے۔

ان کے دور مین ہنگامۂ کارزار کے ساتھ علم و ادب کی محفل بھی گرم تھی، انکا دربار ہر فن کے اصحاب کمال اور علماء و شعراء کا مخزن تھا، اور انکی سرپرستی مین بہت سے علمی و ادبی کام انجام پائے، لیکن اس زمانہ مین تاریخ نویسی کا مذاق ایسا تھا کہ مورخین سارا زور قلم فتوحات اور کشور کشائی کی داستان سرائی مین صرف کر دیتے تھے، اور علم و ادب کے حالات کی جانب انکی توجہ کم رہتی تھی، تاہم اس دور کی تاریخین انکے ذکر سے یکسر خالی بھی نہین ہین لیکن رزم کے مقابلہ مین انکے نقوش اسقدر دھندلے اور پراگندہ ہین کہ ان سے انکا پورا مرقع نظر نہین آتا۔

تیموری سلاطین کی رزمیہ داستانین تو بہتون نے سنائی ہین لیکن انکی انجمن آرائی کے دلچسپ افسانے بہت کم لوگون نے سنائے ہین، اور گو ضمناً انکی ادب نوازی کے واقعات اور اس عہد کے شعراء و ادباء کے متفرق حالات لوگون نے لکھے ہین لیکن ابتک پورے استیعاب کے ساتھ اس دور کا ادبی گلدستہ کسی نے تیار نہین کیا ہے اسلیے دار المصنفین مین جب تاریخ ہند کی تدوین کا کام شروع ہوا تو خیال ہوا کہ تیموریون کے سیاسی و تمدنی حالات کے ساتھ انکی علم پروری اور ادب نوازی کا نقشہ بھی دکھایا جائے، تاکہ ان کے کارنامون کا ہر رخ سامنے آجائے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابر

بابر نہ صرف ایک عدیم المثال سپاہی، عظیم المرتبت فاتح اور اولوالعزم بادشاہ تھا، بلکہ ارباب بصیرت نے اس کو ایک بلند پایہ اہل قلم اور قابل قدر شاعر بھی تسلیم کیا ہے، وہ تیمور کی چھٹی نسل میں تھا، ترکہ میں میدانِ کارزار کی پامردی و شجاعت کے علاوہ علم و ثقافت سے شیفتگی و دلدادگی بھی پائی تھی، عام طور سے تیمور کو ایک ظالم اور سفاک فاتح سمجھا جاتا ہے، مگر اس کی یہ تصویر ان مورخوں نے کھینچی ہے جنھوں نے تعصب کی عینک لگا کر اس کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے، ورنہ ملک گیری اور کشور کشائی کی معرکہ آرائی کے ساتھ ساتھ اس نے علم و فن کی انجمن آرائی بھی اسی طرح کی جس طرح ایک تاج و تخت کے مالک کو کرنا چاہیے، چنانچہ ارباب فضل و کمال خلوت و جلوت بلکہ میدان جنگ میں بھی اس کے ساتھ رہے، تزوک تیموری میں خود اس کی زبان سے ہے کہ

"محدثین و ارباب اخبار و قصص کو میں اپنے پاس بلاتا، ان سے انبیاء، اولیاء، اور سلاطین کے قصے سنتا، سلاطین کے عروج و زوال کے واقعات معلوم کرتا، ان سلاطین کے قصے اور ان کی گفتار و کردار سے تجربے حاصل کرتا، اور دنیا کی تواریخ و آثار سے

چنانچہ ہمارے رفیق سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے نے جنکے متعلق تاریخ ہندوستان کے بعض حصے کیے گئے تھے، اس کام کو شروع کیا، اور معارف میں تیموری بادشاہون کے علمی ذوق کے عنوان سے مضمون کا ایک سلسلہ شروع کیا جو اتنا بڑھا کہ ایک کتاب کے بقدر ہوگیا، اسلیے اسکو مستقل کتابی صورت میں شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا، اسکی نظر ثانی میں انھون نے بہت سے اور معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے، اور اب اسکی ضخامت پہلے سے دونی ہوگئی ہے،

تیموریون کے عہد کے علما، وفضلا، اور شعراء وادبا، اور انکے علمی وادبی کارنامون کی فہرست بہت طویل ہے، اسلیے اس کتاب میں صرف ان ہی لوگون کو لیا گیا ہے جو انکے دربار سے متوسل تھے، اور انہی کارنامون کو لکھا گیا ہے جو شاہان تیموری کی سرپرستی میں انجام پائے، ان میں بھی بہت سے شعراء کو طوالت کے خیال سے قلم انداز کر دیا گیا ہے، بعض ممتاز شعراء مثلاً فیضی، طالب آملی، نظیری، کلیم اور صائب وغیرہ پر اسلیے مختصر لکھا گیا ہے کہ انکی شاعری پر مفصل تبصرہ شعر العجم میں موجود ہے، جس پر اضافہ کرنا ممکن نہ تھا، اور ان ہی کو دہرانا تحصیل حاصل تھا، بعض شعراء کے کلام کے انتخاب میں قصداً اختصار سے کام لیا گیا ہے، البتہ کہین کہین طویل قصائد اسلیے نقل کر دیے گئے ہین کہ اس دور کی قصیدہ نگاری کا اندازہ ہو سکے،

اردو زبان کی ترقی میں تیموریون کا بڑا حصہ ہے لیکن یہ ایک وسیع موضوع تھا، اسلیے اس کتاب میں اس سے بحث نہیں کی گئی لیکن محمد شاہ، شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر کی شاعری پر تبصرہ سے اسکا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا،

بہر حال تیموری سلاطین کی علم پروری اور ادب نوازی کا یہ مرقع اصحاب نظر کی خدمت میں پیش ہے، اور ان کے نقص و کمال کا فیصلہ وہی کر سکتے ہین.

افسوس ہے کہ صحت کے اہتمام کے باوجود کتاب میں کتابت وطباعت کی غلطیان رہ گئی ہین جن کی صحت کے لیے آخر میں غلطنامہ لگا دیا گیا ہے، ناظرین تصحیح فرمالین.

ہیچمدان
سید سلیمان ندوی
۲۰ اگست ۱۹۴۴ء

"صاحبقران کے ساتھ سفر اور حضر میں برابر سادات، علما، فقہا، اہل فضل و دانش بخشیان الیغور اور دبیران فارس رہتے تھے، فرمان شاہی کے مطابق وہ روزمرہ کے واقعات قلمبند کرتے، صاحبقران کے افعال و اقوال، ملک و ملت کے احوال اور ارکان دولت کے کوائف بڑی تحقیق کے ساتھ حیطۂ تحریر میں لائے جاتے، سخت حکم تھا کہ ہر واقعہ بغیر کسی تصرف اور اضافہ کے لکھا جائے، خصوصاً ذاتی اصالت و نجابت کے بیان میں کسی قسم کی رعایت یا مداہنت نہ ہو حتیٰ کہ صاحبقران کی شہامت و شجاعت کے ذکر میں بھی مبالغہ نہ ہو، چنانچہ اس حکم کو سامنے رکھکر اصحاب قلم و بلاغت واقعات کو نظم و نثر میں مرتب کرتے، یہ تحریریں صاحبقران کے سامنے پڑھی جاتیں اور دوثوق کے ساتھ ان کی تصحیح ہوتی، اسی طرح ترکی اور فارسی میں واقعات نثر اور نظم میں تالیف ہوتے، دربار کے بعض وابستگان واقعات کی تفتیش و تحقیق میں پوری کوشش کرتے[1]......

تیمور ہندوستان میں محمود تغلق کے خلاف صف آرا ہوا تو شرف الدین یزدی کا بیان ہے کہ میدان جنگ میں ارباب کمال اور اصحاب علم اس کے جلو میں تھے،

"در وقت تعیین مواضع سرداران و اعیان مرحمت حضرت صاحبقران کہ در ہمہ حال شامل احوال اہل علم و کمال بودی از جمع علما، رفیع مقدار کہ ظفر کردار ملازم رکاب نصرت آثار بودند مثل خواجہ افضل پسر مولانا شیخ الاسلام سعید جلال الحق والدین کشی و مولانا عبدالجبار پسر قاضی القضاۃ مولانا نعمان الدین خوارزمی......"[2]

ہر لڑائی کے بعد فتح و نصرت کی خوشی میں تیمور علما، و سادات کو انعام و اکرام سے مالامال کرتا تھا[3]، حبیلہ کے ایک جید عالم مولانا نظام الدین شامی نے تیمور کی فرمائش پر سادہ

---

[1] ظفر نامہ ج ۱ ص ۲۵ و ۲۲ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۱ [3] ملفوظات تیموری، الیٹ ج ۳ ص ۴۷۵،

مطلع ہوتا، مشائخ، صوفیہ اور عارفانِ خدا سے بھی ملتا، اور ان کی صحبت سے اخروی فوائد حاصل کرتا، معرفت کی باتیں سنتا، ان کے خوارق عادت و کرامات کا مشاہدہ کرتا، اور ان کی صحبت سے سرور حاصل کرتا تھا۔ . . . .

میرا حکم تھا کہ جو لوگ سادات و علماء میں سے ہیں ان کا اعزاز و احترام کیا جائے، ان کی ہر ضرورت کو پورا کیا جائے، ان کے ساتھ پوری رعایت ہو[1]

ملفوظات تیموری میں ہے:۔

"جب میں تولمبہ پہونچا تو دریا کے ساحل پر خیمہ زن ہوا، تولمبہ ملتان سے قریب ۷۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے . . . . میرے وزراء نے تولمبہ کے باشندوں پر دو لاکھ روپے کا تاوان عائد کیا تھا، اس کی وصولی کے لیے عمال بھی مقرر ہو گئے تھے، ان باشندوں میں سادات بھی تھے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے تھے علماءِ اسلام بھی تھے، جو وارث پیمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کہلاتے ہیں، سادات و علماء میرے دربار میں ہمیشہ تعظیم و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، اس لیے میں نے حکم دیا کہ ان سے تاوان نہ لیا جائے بلکہ میں نے بلا کر خلعت اور عربی گھوڑے عطا کیے[2]

ملفوظات تیموری میں تیمور کی کشور کشائی اور جہانبانی کی کہانی خود اس کی زبانی ہے جو اس کے دربار کے ارباب علم و دانش نے قلمبند کی ہے **تزوک تیموری** میں ملکی و حربی نظم و نسق کے ضوابط و قوانین ہیں، جو خود تیمور کی زبان سے ادا کیے گئے ہیں ممکن ہے کہ مندرجۂ بالا اقتباسات دربار کے اہل قلم کی حاشیہ آرائی سمجھی جائے، لیکن شرف الدین یزدی نے ظفر نامہ تیمور کی وفات کے تیس ۳۰ سال بعد لکھی، اس میں مرقوم ہے:

[1] تزوک تیموری، مطبع فتح الکریم بمبئی، ص ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲ [2] ملفوظات تیموری الیٹ ج ۳ ص ۴۱۰

اپنے نانا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"خان (یعنی یونس خان) مولانا شرف الدین علی یزدی کے ساتھ بارہ سال رہے، اور فضائل کا کسب کیا، ان کے ایسا خان ان سے پہلے اور بعد میں نہیں پیدا ہوا، جب مولانا کا انتقال ہو گیا تو خان یزد سے عراق، فارس اور آذربائیجان کی طرف چلے گئے، شیراز میں فضلاء کی مجلسوں میں شریک رہے، یہاں وہ استاذ یونس کے نام سے مشہور ہوئے ...... ان میں بہت سے فضائل تھے، قرآن کی قرات خوب کرتے تھے، موزوں طبیعت بھی رکھتے تھے، موسیقی اور مصوری میں بھی ماہر تھے ....[1]

اوپر کی سطروں سے ظاہر ہو گا کہ بابر کے باپ اور ماں دونوں کا خاندان علمی حیثیت سے بھی متمول تھا، اس لیے اس کی ابتدائی تعلیم بلند پیمانہ پر ہوئی، عہد طفولیت سے عنفوان شباب کے زمانہ تک اس کے جو اتالیق اور اساتذہ مقرر ہوئے، ان کے نام شیخ مزید بیگ، بابا قلی علی خدائی بیری بیگ، اور خواجہ مولانا قاضی عبد اللہ تھے، شیخ مزید بیگ کا ذکر بابر اپنی تزک میں اس طرح کرتا ہے :۔

"شیخ مزید بیگ میرے پہلے اتالیق تھے، ان کے قاعدے اور قرینے بہت اچھے تھے، وہ بابر مرزا ابن بایسنغر میرزا ابن شاہرخ میرزا ابن امیر تیمور کی خدمت میں بھی رہے تھے، عمر شیخ کی سرکار میں ان سے بڑا کوئی دوسرا امیر نہ تھا"[2]

بابر اپنے استاد اور پیر خواجہ مولانا قاضی عبد اللہ کے بارے میں لکھتا ہے :۔

"خواجہ مولانا قاضی کا نام عبد اللہ تھا، اور عرف خواجہ مولانا تھا، باپ کی طرف سے ان کا نسب شیخ برہان الدین قلیچ تک پہنچتا ہے اور ماں کی جانب سے سلطان ایلیک ماضی تک

---

[1] تاریخ رشیدی ترجمہ ان، ایس و ای، ڈی، راس ص ۱۵۵ و ۱۵۴، [2] تزک بابری ص ۱۳ و ۱۴،

اور سلیس فارسی میں اس عہد کی ایک تاریخ لکھی، اس کا نام بھی ظفر نامہ ہے، تیمور کی وفات سے ایک سال پہلے یہ تالیف ختم ہوئی[1]، افسوس ہے کہ یہ ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی ہے،

تیمور کی یہ علم نوازی اور علم پروری اس کی نسل میں برابر منتقل ہوتی رہی، تیمور کے پوتے الغ بیگ کی ہیئت دانی مشہور ہے، الغ بیگ کے دو لڑکے ممتاز شاعر اور نثر نگار تھے، بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کو بھی یہ ثقافتی دولت میراث میں ملی، بابر نے اپنی تزک میں باپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

"ان کے اخلاق و اطوار یہ تھے، حنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے، پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے، قضائے عمری سب ادا کر دی تھی، بیشتر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مرید تھے، اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، حضرت خواجہ بھی ان کو فرزند کہا کرتے تھے، وہ خاصے پڑھے لکھے تھے، خمسین (یعنی خمسۂ نظامی و خمسہ خسرو)، مثنوی (یعنی مثنوی جلال الدین رومی) اور تاریخ کی کتابیں ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں شاہنامہ بہت دیکھا کرتے تھے، اگرچہ موزوں طبیعت رکھتے تھے، مگر شعر گوئی پر توجہ نہ کرتے تھے[2]"

عمر شیخ مرزا نے تاشکند کے مشہور چغتائی خان یونس خان کی لڑکی قتلق نگار خانم سے بھی شادی کی، اس کی ایک بڑی وجہ یونس خان کی علم دوستی بھی تھی، بابر قتلق نگار خانم ہی کے بطن سے تھا، یونس خاں کی ایک اور لڑکی خوب نگار خانم محمد حسین گورگان دغلت کے حبالۂ عقد میں آئی، اس سے ایک لڑکا حیدر میرزا دغلت تھا، جو تاریخ رشیدی کا مصنف ہے حیدر مرزا دغلت

[1] برٹش میوزیم کیٹلاگ (فارسی) ج ۱ ص ۱۷۰۔ [2] اردو تزک بابری مترجمہ میرزا نصیر الدین حیدر گورگانی ص ۷،

تھے، اور جوشِ عقیدت میں ان کے مزار کی زیارت کو بھی گیا،

بابر شیخ الاسلام سیف الدین احمد سے بھی متاثر تھا، وہ ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے تھے، ترکستان سے آکر خراسان کے شیخ الاسلام ہوئے، ان کے بارے میں بابر لکھتا ہے کہ نہایت سمجھدار تھے، علم معقول و منقول سے خوب واقفیت رکھتے تھے، بڑے پرہیزگار اور متدین عالم تھے، شافعی تھے، مگر ہر مذہب کی رعایت کرتے تھے، ستر برس تک انھوں نے جماعت کی نماز ایک روز بھی ناغہ نہیں کی، بابر ملا شیخ حسن کے علم کلام کا بھی قائل تھا، اس کی رائے میں وہ حکمت، معقول اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے، تھوڑے لفظوں میں بڑے بڑے مضامین کا بیان کرنا ان کے اختراعات میں سے تھا، ان کا ثانی کوئی نہ تھا، اجتہاد کے مرتبہ پر پہنچ گئے تھے، مگر اجتہاد نہ کرتے تھے، علم حدیث میں بابر میر جمال الدین محدث کا قدردان تھا، ان کے بارے میں وہ رقمطراز ہے کہ "خراسان میں علم حدیث کا جاننے والا ان جیسا کوئی نہ تھا" عربی ادب میں بابر میر عطاء اللہ مشہدی کا معترف تھا جس نے علم قافیہ میں ایک فارسی رسالہ لکھا تھا، اس کا ایک رسالہ صنایع بدایع بھی تھا جس میں شعر کے صنائع پر بحث ہے، بابر کو یہ رسالہ بہت پسند تھا، علم فقہ میں بابر قاضی اختیار کا قائل تھا، جنھوں نے فقہ میں ایک "عمدہ" رسالہ بھی تصنیف کیا تھا،

بابر نے اپنے ہم عصر شعراء سے بھی براہ راست یا غائبانہ مراسم رکھے، اور ان کے کلام کا مطالعہ عمیق نظروں سے کیا، ان شعراء پر اس نے جو نقد و تبصرہ کیا ہے اس سے اس کی سخن سنجی اور سخن فہمی کے بلند ذوق کا اندازہ ہوگا، مثلاً علی شیر بیگ نوائی کے بارے میں لکھتا ہے:-

علی شیر بیگ بے نظیر آدمی تھا، ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا اور ایسا کہتا تھا کہ دوسرا کیا کہے گا، اس نے چھ مثنویاں لکھی پنج توخمسہ کے جواب میں ہیں اور ایک منطق الطیر کے وزن پر لسان الطیر لکھی ہے، غزلوں کے چار دیوان مدون کئے ہیں، جن کے نام یہ ہیں

ملک فرغانہ میں اس خاندان کے لوگ پیشوا، شیخ الاسلام اور قاضی رہے ہیں، خواجہ مولانا حضرت خواجہ عبید اللہ کے مرید تھے، ان ہی سے تربیت پائی تھی، مجھ کو خواجہ قاضی کے ولی ہونے میں کچھ شک نہیں ہے ،....... مولانائے مرحوم عجیب شخص تھے، ڈر اور خوف تو ان میں نام کو نہ تھا، ایسا دلیر آدمی دیکھا نہ سنا، یہ صفت بھی ولایت کی دلیل ہے، دنیا دار کیسے ہی بہادر ہوں مگر کچھ دھڑکا اور اندیشہ رہتا ہے، خواجہ اس سے بالکل پاک تھے"[ؔلہ]

یہ بتانا مشکل ہے کہ ان لائق اتالیق اور اساتذہ کی نگرانی میں بابر کے ابتدائی درس میں کون کونسی کتابیں تھیں، مگر تزک میں اس نے کلام پاک، سعدی کی گلستاں و بوستاں، فردوسی کی شاہ نامہ، نظامی اور خسرو کے خمسے، شرف الدین علی یزدی کی ظفر نامہ، اور ابو عمر منہاج الجوزجانی کی طبقات ناصری کا جا بجا ذکر ہے، اس لیے قیاس بلکہ صحیح قیاس ہے کہ خاندانی روایات کے مطابق یہ کتابیں اس کی ابتدائی تعلیم کے درس میں ضرور رہیں، بابر کی مادری زبان ترکی تھی، مگر اس زبان کے علاوہ اس نے عربی اور فارسی کی بھی پوری تعلیم پائی، جیسا کہ مندرجۂ بالا کتابوں کے نام سے ظاہر ہے،

بابر سن شعور کو پہنچا تو آبائی مملکت کو علوم و فنون کا گہوارہ پایا، سمرقند، فرغانہ، خراسان، اور خصوصاً شہر ہرات ارباب فضل و کمال سے پر تھا، بابر نے ان مقامات کے علماء و شعراء سے بالواسطہ اور بلا واسطہ کسی نہ کسی طرح سے استفادہ ضرور کیا ہے، بچپن کے زمانہ میں اس نے مولانا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمہ کی شہرت سنی تھی، اور جب وہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو مولانا جامی کا وصال ہو چکا تھا، مگر ان کی ذات سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، اپنی تزک میں ان کا ذکر کرنا باعث برکت سمجھتا ہے، اس کا خیال ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن میں اپنا نظیر نہ رکھتے

لہ تزک بابری ص ۷۰۔ ۵، ۵، بابا قلی علی اور خدائی بیردی بیگ کے ذکر کے لیے دیکھو تزک بابری ص ۱۷،۱۸

اس کے اشعار بامعنی اور رنگین ہیں عشق وحال دونوں میں کورا تھا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ اپنا کلام کبھی جمع نہیں کرتا، شاید یہ دعویٰ بناوٹی ہو، کہتے ہیں کہ اس کا کلام انیسی اسفرائی نے جمع کیا ہے، غزل کے علاوہ اور صنف میں شعر کم کہتا تھا، میں جس زمانہ میں خراسان گیا ہوں اس زمانہ میں مجھ سے ملا تھا، ایک بنائی تھا، ہری کا رہنے والا، اس کے باپ کا نام استاد محمد بنا (معمار) تھا، اسی مناسبت سے اس نے اپنا یہ تخلص رکھا تھا، اس کی غزلوں میں رنگ اور حال دونوں باتیں ہیں، اس نے دیوان مرتب کرلیا ہے، مثنویاں بھی کہی ہیں، ایک مثنوی میوہ کے تلازمہ میں لکھی ہے، جس کی بحر تقارب ہے، لغو مثنوی ہے، ایک مختصر مثنوی بحر خفیف میں ہے، ایک اس سے بڑی مثنوی ہے بحر خفیف ہی میں، اس مثنوی کو آخر عمر میں پورا کیا ہے، .... ایک شاعر صیفی بخاری تھا .... ایک دیوان تو اس نے معمولی طرز سے لکھا ہے اور دوسرا تمام اہل حرفت کے واسطے ہے، اس میں مثالیں بہت باندھی ہیں، اس کی کوئی مثنوی نہیں ہے، اپنے اس قطعہ میں وہ کہتا ہے:

مثنوی گرچہ سنت شعر است — من غزل فرض عین می دانم

پنج بیتے کہ دل پذیر بود — بہتر از خمستین می دانم

ایک رسالہ عروض کا فارسی میں بھی لکھا ہے، اشعار اس کے کم ہیں، مگر ایک طرح وہ پرگو ہے، کم تو اس سبب سے کہ کوئی کام کی بات نہیں لکھی، اور پرگو اس لحاظ سے کہ چکتے ہوئے فقرے، کھلے الفاظ اور اعراب کے ساتھ لکھے ہیں، .... ایک شاعر عبداللہ مثنوی گو جام کا رہنے والا ملا کا بھانجا تھا، ہاتفی اس کا تخلص تھا، خمسہ کے مقابلہ میں اس نے مثنویاں لکھی ہیں، ہفت پیکر کے جواب میں تیمور نامہ لکھا ہے، اس کی مثنویوں میں سے لیلیٰ مجنوں بہت مشہور مثنوی ہے، مگر جیسی شہرت ہے ویسی عمدہ نہیں ہے، ایک میر حسین معمائی

غرائب الصغر، فوائد الشباب، بدیع الوسط، فوائد الکبر، ان کے علاوہ اور تصانیف بھی ہیں جو ان سے کمتر درجہ کی ہیں، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے طرز پر ایک انشا بھی لکھی ہے، جو خطوط جن کے نام لکھے تھے، وہ جمع کر لیے ہیں، ایک کتاب میزان الاوزان نام فن عروض میں لکھی ہے، اس میں گھڑت بہت کی ہے، رباعی کے چوبیس وزن میں سے چار وزن غلط لکھے ہیں، بعض بحروں کے اوزان میں بھی غلطی کی ہے، جو شخص اس کو دیکھے گا جان جائے گا، ایک دیوان فارسی میں بھی لکھا ہے، فارسی میں فانی تخلص ہے، اس کے بعض اشعار برے نہیں ہیں، مگر اکثر گرے ہوئے ہیں، فن موسیقی میں بھی اچھی چیزیں لکھی ہیں، عمدہ نقش اور پیشرو بنائے ہیں، اہل فضل اور اہل ہنر کا قدر دان و مربی علی شیر بیگ جیسا دوسرا آدمی پیدا ہونا دشوار ہے"۔

ایک اور شاعر شیخم بیگ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

اس نے اپنا تخلص سہیلی رکھا تھا، اس لیے شیخ سہیل مشہور ہو گیا، اس قسم کا شعر کہتا تھا جس میں ڈراونے الفاظ اور معانی ہوں، اس کے اشعار میں سے ایک شعر ہے :

شب غم گرد باد آہم زجا مے برد گردوں را
فرو برد از دہائے سیل اشکم ربع مسکوں را

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شعر کو مولانا عبدالرحمٰن جامی کے سامنے پڑھا، مولانا نے سن کر فرمایا کہ صاحب آپ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں، اس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا، اور مثنویاں بھی لکھی ہیں،

اختصار و ایجاز اور جامعیت کے ساتھ بابر نے اور شعراء پر جو تنقیدیں کی ہیں ان کے نمونے بھی ملاحظہ ہوں،

شاعروں میں ایک آصفی تھا وزیرزادہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنا تخلص آصفی رکھا،

دیوان بھی ہے"[1]

تزک بابری بابر نے اسی طرح اور دوسرے شعراء پر بھی اپنی وقیع رائے کا اظہار کیا ہے، جس کو ہم یہاں پر طوالت کی خاطر نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں، اس کے علمی ذوق میں مذکورۂ بالا فضلا کی صحبت اور شعراء کے مطالعۂ کلام سے جو جلا ہوئی اسی کا نتیجہ اس کی **تزک بابری** ہے[2] جس کا شمار آج بھی دنیا کے بہترین علمی اور تاریخی سرمایہ میں کیا جاتا ہے، اور ہر ملک کے ارباب کمال نے بڑے ذوق وشوق سے اپنی اپنی زبانوں میں اسکے ترجمے کئے ہیں، یہ کتاب بابر نے اپنی مادری زبان ترکی میں لکھی تھی، گو ترکی کسی زمانہ میں اعلیٰ قسم کی علمی زبان نہیں رہی، لیکن بابر نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے اس زبان میں بھی ایسا سلیس، لطیف اور شگفتہ طرز بیان اختیار کیا کہ اس کی کتاب ارباب علم وفن کے لیے جاذب توجہ ہو گئی اور اس کے ترجمے میں پڑھنے والے کو وہی لذت محسوس ہوتی ہے، جو ترکی جاننے والوں کو اصل کتاب میں ملتی ہوگی، ابوالفضل مؤلف اکبر نامہ بلا شبہہ دنیا کے اعلیٰ انشا پردازوں میں ہے، وہ تزک بابری کی فصاحت اور بلاغت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے،

"واقعات خود را از ابتداء سلطنت خود تا حالِ ارتحال از قرارِ واقع بعبارت فصیح و بلیغ نوشتہ اند۔

پھر اس کتاب کی گوناگوں خوبیوں میں رطب اللسان ہوتا ہے۔

دستور العملیست بجہت فرمانروایان عالم، و قانونیست در آموختن اندیشہای درست و فکرہای صحیح برائے تجربت پذیراں و دانش آموزانِ روزگار، و آں دستور العمل دولت و اقبال را بموجب حکم جہاں مطاع شہنشاہی بتاریخ سی و چہار الٰہی وقتیکہ رایات عالیات

---

[1] تزک بابری ص ۹۰، ۱۴۲، ۱۸۰، ۱۷۵، [2] تزک بابری کے نام واقعات بابری اور بابر نامہ بھی ہیں،

تھا، غالباً اس جیسا معما کسی نے نہ کہا ہو، اس کی عمر معما ہی کہنے میں گزری، عجیب فقیر مزاج، نامراد اور بے بدل آدمی تھا، ایک ملا محمد بدخشی تھا، اشکمش کا رہنے والا، جو داخل بدخشاں نہیں ہے، مگر تعجب ہے کہ تخلص بدخشی تھا، اس کے اشعار مذکورۂ بالا شعراء کے اشعار کے برابر نہ تھے، فن معما میں اس نے رسالہ لکھا ہے، اس کا معما عمدہ نہیں ہے، البتہ خوش صحبت آدمی تھا، سمرقند میں مجھ سے ملا تھا، ایک یوسف بدیعی فرغانہ کا رہنے والا تھا، قصیدہ خاصہ کہتا تھا، ایک آہی تھا، غزل اچھی کہتا تھا، صاحب دیوان تھا، ایک محمد صالح تھا، اس کی غزلوں میں چاشنی ہوتی تھی، مگر بندش اس چاشنی کے برابر نہ ہوتی تھی، ترکی میں بھی شعر کہتا تھا، اور برا نہ کہتا تھا، آخر میں شیبانی خان کے پاس آگیا تھا، وہاں تھوڑی بہت قدر ہوگئی تھی، ترکی زبان میں شیبانی خان کے نام پر ایک مثنوی لکھی ہے، لیلی مجنون وزن رمل مسدس میں جو وزن سبحہ ہے۔ یہ مثنوی سست اور گری ہوئی ہے۔ . . . . . ایک شاعر شاہ حسین کامی تھا، اس کے اشعار برے نہیں ہیں، غزل گو تھا، غالباً اس کا دیوان بھی ہو، ایک مثنوی بھی اس نے لکھی ہے، ایک ہلالی تھا، دیوان کے علاوہ اس کی ایک مثنوی بھی ہے۔ اگرچہ اس کے اور اشعار ایک انداز کے ہیں، مگر اس مثنوی کا مضمون اور بندش دونوں خراب ہیں، پچھلے شاعروں نے جو عشقیہ مثنویاں لکھی ہیں ان میں عاشق کو مرد اور معشوق کو عورت باندھا ہے، اس نے ایک فقیر کو عاشق بنایا ہے، اور بادشاہ کو معشوق، جو اشعار بادشاہ کے اقوال اور افعال کے لکھے ہیں، ان میں سراسر فحش ہے، اپنی مثنوی لکھنے کے لیے ایک بادشاہ کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ فواحش کی نسبت بھی نہیں لکھا جاتا، اس کا حافظہ بہت قوی تھا، چالیس ہزار شعر یاد تھے۔ کہتے ہیں کہ اکثر خمستین کے اشعار یاد کر لیے تھے، علم عروض و قافیہ میں اس کی بڑی شہرت تھی، اس کے اشعار برے نہیں ہیں صاحب

دیکھا اور پایا اس کو پچیس صفحوں میں تحریر کیا ہے، اس ملک کے نہ صرف حدود اربعہ، آبادی، آمدنی، ذرائع آمدنی وغیرہ کا صحیح صحیح حال لکھا ہے، بلکہ یہاں کے پھلوں، پھولوں، درختوں، پرندوں، چوپایوں، اور آبی جانوروں کے عادات و خصوصیات سے متعلق اتنے مفید معلومات فراہم کئے ہیں کہ موجودہ دور کے ماہرین نباتات و حیوانات بھی ان سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ان چیزوں کے متعلق اپنے مشاہدات کا ذکر کرتا ہے، اور پھر دوسروں سے جو کچھ سنا تھا اس کا بھی تجزیہ کرتا ہے، آخر میں ان چیزوں کی ترقی کے لیے اپنے ذاتی مشورے بھی پیش کرتا ہے........[1]

سوانح بابر مولفہ ولیم ارسکن میں اس کتاب کی خوبیاں ان الفاظ میں بتائی گئی ہیں،

بابر کی تزک اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب ہے، جن حالات میں اس نے یہ لکھی وہ اور تعجب خیز ہے، اس میں ایک تاتاری فرمانروا کی زندگی کی جزوی تفصیلات ہیں، اس کی رائے اور اس کے جذبات بالکل فطری طور پر نظر آتے ہیں، ان میں کوئی تصنع اور تکلف نہیں، ہر چیز صفائی اور سچائی سے لکھی گئی ہے، طرز تحریر سادہ اور مردانہ ہے، اسی کے ساتھ شگفتہ اور دلآویز بھی ہے، یہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو غیر معمولی ذہانت اور مشاہدہ کی قوت رکھتا ہے، وہ اپنے ہموطنوں اور معاصروں کے خد و خال، عادات و اطوار، افعال و اعمال کی تصویر ایسی صفائی کے ساتھ کھینچتا ہے جیسے کوئی کچھ آئینے میں دیکھ رہا ہے اس لحاظ سے یہ کتاب ایشیا کی تاریخی تالیفات میں اپنی مثال آپ ہے، ایشیا کے عام مورخین اکابر کے اعمال و حرکات کا ذکر تو پرشکوہ طریقہ پر کرتے ہیں، لیکن ان کے عادات و اطوار کو نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ اور دوسرے لوگوں کا ذکر مطلق نہیں کرتے

---

[1] تاریخ ہند، ہنری ایلیٹ ج ۴ ص ۲۲۰، ۲۱۸

از گلگشت بہارستان کشمیر و کابل مراجعت فرمودہ بود میرزا خان خانخانان بن بیرم خاں بفارسی ترجمہ نمود تا فیض خاص الخاص آن بعموم تشنہ لبانِ رشحات سعادت فائز شود، و گنج پنہاں او در نظر تہی دستانِ دانش آشکارا گردد،[1]

ممکن ہے کہ تزک بابری کی یہ مدح سرائی بابر کے پوتے کے ایک درباری مورخ کی محض خوشامد پر محمول کی جائے، مگر موجودہ دور کے یورپین مبصرین اور ناقدین نے اور بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کتاب کی تعریف و توصیف کی ہے، حالانکہ وہ مسلمانوں کے کسی علمی اور تاریخی کارنامہ کے لیے اچھے الفاظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے ہیں، ہنری ایلیٹ لکھتا ہے :-

بابر کی تزک ان سوانح عمریوں میں ہے جو سب سے اچھی اور سب سے سچی کہی جا سکتی ہیں......

.... یہ کسی طرح سے (expedition of xenophon) سے کمتر درجہ کی نہیں (Commentaries of Caesar) سے کچھ ہی کم ہو سکتی ہے"

یہی انگریز اہل قلم آگے چل کر تحریر کرتا ہے :

یہ کتاب نہ صرف تاریخی واقعات کے لیے اہم ہے، بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ (یعنی بابر) کس قدر غیر معمولی دماغ کا آدمی تھا، اور اسکا مشاہدہ کتنا قوی تھا، موجودہ دور کے سیاحوں نے اعتراف کیا ہے کہ بابر نے کابل، فرغانہ، اور ہندوکش کے شمالی علاقوں سے متعلق جو بیانات قلمبند کیے ہیں وہ اپنی صداقت اور تفصیلات کے لحاظ سے آج بھی دلچسپی سے پڑھنے کے لائق ہیں، اور ان میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا، ہندوستان کی جو تصویر اس نے کھینچی ہے وہ بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے اس ملک میں ۱۵۲۵ء میں وہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا، اس نے یہاں جو کچھ

---

[1] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸

میں ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے جیسے وہ ان کے ارد گرد بیٹھا ہو۔[1]

تزک بابری کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ تمام اہم زبانوں میں اسکے ترجمے ہوئے، اکبر کے حکم سے عبدالرحیم خاں خانخاناں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، ایک فرانسیسی اہل قلم M. pavel de. Courteille نے اس کو فرانسیسی میں منتقل کیا، Erskine اور Leyden دونوں نے مل کر اور پھر Mrs. A. D. Beveridge نے اس کو انگریزی جامہ پہنایا، موخرالذکر نے اپنے ترجمہ میں اتنے مفید حواشی اور ضمیموں کا اضافہ کیا ہے کہ بہت کم کتابوں کو یہ خوبیاں میسر ہوئی ہونگی، روس کی اورنٹیل اکیڈمی نے روسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے، اردو قالب میں اس کو مرزا نصیرالدین حیدر گورگانی المتخلص بہ فانی نے تبدیل کیا،

بابر کی شاعری بابر ایک اعلیٰ قسم کا ادیب ہونے کے ساتھ ترکی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، مرزا حیدر دوغلت مؤلف تاریخ رشیدی کا بیان ہے کہ میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد ترکی شاعروں میں کوئی اور بابر کا مدمقابل اور ہمسر نہ تھا، فرشتہ رقمطراز ہے کہ

"در علم موسیقی و شعر و انشا، و املا نظیر نداشت"[2]

اکبر نامہ میں ہے:

"آں حضرت را در نظم و نثر پایۂ عالی بود، خصوصاً در نظم ترکی، و دیوان ترکی آں حضرت در نہایت فصاحت و عذوبت واقع شدہ، و مضامین تازہ در آں مندرجست"[3]

بابر کا ایک دیوان شاہی کتب خانہ رامپور میں موجود ہے، اس دیوان کے علاوہ اس نے

---

[1] الفنسٹن، تاریخ ہندوستان ج ۲ ص ۱۱۹-۱۱۷

[2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۱۱ [3] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸

ہیں، لیکن بابر ہر فرد کی شکل وصورت، پوشاک، طور اور طریقے اس خوبی اور سچائی کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہم اپنے کو ان اشخاص کے درمیان کھڑا پاتے ہیں، اور ان کی تمام سیرت نظروں کے سامنے آجاتی ہے"۔[1]

ایس۔ ایم۔ اڈورڈس نے بابرنامہ کو St. Augustine اور روسو کی Confession اور گبن اور نیوٹن کی Memoirs کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ کتاب شروع سے آخر تک حق، صداقت اور راستبازی پر مشتمل ہے، اس عہد کے مشرقی اہل قلم زیادہ تر مرصع، مسجع اور پر تکلف عبارت لکھنے کے عادی تھے، لیکن بابر نے اپنی سادہ فطرت کے لحاظ سے سادہ طرز تحریر بھی اختیار کیا، اس کا ذہنی کمال یہ ہے کہ وہ چند الفاظ میں کسی شخص کی سیرت کا مکمل نقشہ کھینچ دیتا ہے، ہرات کے سلطان حسین مرزا، پھر سلطان احمد مرزا، اور اپنے باپ کے درباری امرا کی جو قلمی تصویر پیش کی ہے وہ بہت ہی خوب اور قابل تحسین ہے۔[2]

ایک اور انگریز اہل قلم لکھتا ہے کہ بابرنامہ پڑھنے کے بعد غیر ارادی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ بابر کا سینہ محبت، شفقت اور اُنس سے لبریز تھا، اس کی زندگی میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے اس نے عسرت میں بھی دن گذارے، اور شان وشوکت کے ساتھ شاہی تخت پر جلوہ افروز بھی ہوا، مگر اس کے طبعی ذوق میں تبدیلی کسی حال میں نہیں ہوئی، دربار کی پرشکوہ آرایش میں بھی اپنے بچپن کے ساتھیوں کو نہیں بھولا، ان میں سے بعض کو یاد کرکے اشکبار بھی ہوا، ان کی باتوں کا حوالہ اکثر دیا کرتا تھا، ان کے ساتھ بچپن میں جو کھیل کھیلتا تھا، یا جو پر لطف مجلسیں ہوتی تھیں، ان کو بار بار اپنی تحریروں میں دہراتا ہے، وہ اپنی ماں اور گھر کی عورتوں سے دور رہنے کے باوجود اپنی تزک

[1] Life of Baber by W. Erskine ص ۵۲۲
[2] Baber: Diarist and Despot by S. M. Edwardes باب چہارم

بابر نے رسائل عروض کے نام سے ترکی شاعری کے عروض پر بھی ایک کتاب لکھی[۱]۔ اسکا سنہ تالیف شاید ۹۳۳ھ ہے[۲]،

بابر نے اپنے تاثرات کا اظہار فارسی اشعار میں بھی کیا ہے، مگر ان کی تعداد بہت کم ہے پھر بھی جو کچھ ہیں ان کو اساتذۂ فن نے نگاہ تحسین سے دیکھا ہے، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے، کہ "ہمچنیں بزبان فارسی نیز اشعار دلپذیر دارند" (جلد اول ص ۱۱۸)، تزک بابری اور دوسری کتابوں میں جو اس کے فارسی اشعار ملے ہیں ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

۹۱۵ھ میں بابر نے اپنے ہم جلیس خواجہ کلاں کو بجور کے قلعہ کی نگرانی کے لیے بھیجدیا، اسکی جدائی سے پریشان ہوا تو اس کے جانے کے دو ایک روز بعد یہ قطعہ لکھ کر اس کے پاس بھیجا،

قرار عہد بیارا این چنیں نبود مرا | گزید ہجر و مرا کرد بے قرار آخر
بہ عشوہا ے زمانہ چہ چارہ ساز د کس | بجور کرد جدا یار راز یار آخر

قلعہ بجور کے نام کی رعایت سے آخر شعر میں لفظ بہ جور نے قطعہ کو پر لطف بنادیا ہے،

پانی پت کی لڑائی کے موقع پر بابر غیر ملکی ماحول سے پریشان تھا، اجنبی حریف کی اجنبی زبان سے اس کے ساتھی بھی کچھ بد دل تھے، گھبرا کر اس نے ایک شعر کہا

گرفتار قومے و قومے عجائب | شدہ جمعے و بود جمعے پریشاں

بیانہ کے قلعہ کی تسخیر کے موقع پر بابر نے اس کے حاکم نظام خان کو وعدۂ وعید کے فرمان بھیجے، اور اس فرمان پر فی البدیہ یہ قطعہ بھی لکھ بھیجا جس میں بیانہ اور بیان کی رعایت لفظی ملاحظہ ہو،

باترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ | چالاکی و مردانگیٔ ترک عیان است
گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش | آنجا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است

---

[۱] طبقات اکبری ج ۲ ص ۲۷، [۲] بابر نامہ ترجمہ مسز بیورج ضمیمہ جات ص × ل ج ۲،

۹۲۸ھ میں ترکی کی زبان میں ایک مثنوی مبین بھی اپنے لڑکے کامران کے لیے لکھی جس میں مذہبی، فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں، اسی لیے یہ درفقہ مبین اور فقہ بابری کے نام سے بھی موسوم ہے، اس کی ایک شرح بھی شیخ زین نے لکھی تھی[1]، بابر کی منظوم تالیفات میں ایک رسالہ **والدیہ** بھی ہے، یہ رسالہ اس کے استاد اور مرشد خواجہ عبید اللہ احراری کی تصنیف ہے، بابر نے ترکی میں اس کا منظوم ترجمہ کیا، جن حالات میں اس نے یہ رسالہ ہندوستان کے قیام کے زمانہ ۹۳۵ھ میں ترجمہ کیا ہے وہ خود اس کی زبان سے سننے کے لائق ہیں

جمعہ کے دن تئیسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی، ظہر کے بعد احتیاطاً کتب خانہ میں گیا بہت دیر تک بیٹھتی رہی، دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا، کچھ جاڑا بھی چڑھا، سہ شنبہ ستائیسویں صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں، حضرت خواجہ کی روح سے ملتجی ہوا، اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت کو مقبول ہو، اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ مقبول ہوا، اور اس کا کہنے والا مرض فالج سے اچھا ہوگیا، اسی طرح میں بھی تندرست ہو جاؤں، اسی نیت سے وزن رمل، مسدس مخبون و ضرب کبھی ابتر کبھی مخبون محذوف میں جس میں مولانا عبد الرحمن جامی کا سبحہ بھی ہے، رسالہ نظم کرنا شروع کیا، اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے، بطریق الزام ہر روز دس بیتوں سے کم نہ لکھیں، شاید کوئی دن ناغہ ہوا ہو، اگلے سال بھی اور کئی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک رہا ہے، خدا کی عنایت اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن انتیسویں کو ذرا افاقہ ہوگیا، اور پھر صحت ہوگئی، ہفتہ کے دن ربیع الاول کی اٹھارہویں تاریخ نظم تمام ہوگئی، ایک دن باون شعر ہوئے[2]

[1] بابر نامہ ترجمہ مسز اے۔ ایس بیورج ص ۴۳۸، [2] تزک بابری اردو ص ۳۳۶

دور است گوی شاہی از درویشے   شاہیم ولے بندۂ درویشانیم[۵]

درویشوں سے بابر کی یہ عقیدت اس ذوق و تصوف کی بنا پر تھی جو اس نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عبید اللہ کی صحبت میں حاصل کیا، چنانچہ شیخ کے وصال کے بعد شیخ کا تصور کر کے کہتا ہے :-

درہوائے نفس گمرہ عمر ضایع کردہ ایم   پیش اہل اللہ ز افعال خود شرمندہ ایم

یک نظر با مخلصانِ خستہ دل فرما کہ ما   خواجگی را ماندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم

حسب ذیل دو شعر میں بابر یا تو اپنے مرشد کی طرف سے مذکورۂ بالا اشعار کا جواب دیتا ہے یا اپنے شیخ کو پھر مخاطب کرتا ہے،

اخلاص و عقیدۂ تو روشن شدہ است   حالات و طریقہ ات مبرہن شدہ است

حایل چو نماند ز دو بر خیز و بیا   دل خواہ تو تربیت معین شدہ است

تذکرۂ مراۃ الخیال (ص ۹۰) میں بابر کی یہ غزل منقول ہے

در دور ماز کہنہ سواران یکے مے است   واں کو دم از قبول نفس می زند نے است

ایں سلطنت کہ ماز گدا ایش یافتم   دارا نداشت ہر گز و کاؤس را کے است

دانی کمان ابروے جانان سیہ چرا است   کز گوشہاش دود دل خلق در پے است

دارد بزلف او دل زنار بند ما   سودائے کفر و کافری و ہر چہ در وے است

بابر رسید نالۂ زارت بگوش یار   مجنوں وقوف یافت کہ لیلی درین مے است

بابر نے اپنی ایک بزم ادب کی بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز تصویر کھینچی ہے،

نماز سے پہلے یدہ سرا میں آئے، آفتاب نکلے لشکر والے سیر کرتے ہوئے آنے شروع

---

[۵] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۱۸،

۹۳۴ھ میں بابر نے چندیری فتح کیا، تو اس فتح کی تاریخ کا مادہ "فتح د ... " نکلا، بابر نے اسکو یوں موزوں کیا،

بود چندے مقام چندیری   پُر زکفار و دار حربی ضرب

فتح کردم بحرب قلعۂ او   گشت تاریخ فتح دار الحرب [1]
۹۳۴

تزک بابری میں جا بجا ایسے فارسی اشعار ہیں جن پر گمان ہوتا ہے کہ وہ بابر ہی کے ہیں، مگر ان پر کامل وثوق نہیں، اس لیے ان کو یہاں نقل کرنے سے ہم گریز کرتے ہیں، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ بابر نے کابل میں ایک مرغزار میں پتھر کا ایک حوض کھدوایا تھا، یہاں اپنے خوش طبع دوستوں کے ساتھ عیش و عشرت کی بزم منعقد کرتا تھا، اسی مناسبت سے ایک شعر کہکر حوض پر کندہ کرایا تھا، وہ شعر یہ ہے:

نوروز و نو بہار مے و دلبرے خوش است

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست [2]

یہ شعر آج بھی پر کیف مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے، تاریخ فرشتہ میں بابر کا یہ شعر بھی منقول ہے:

باز اے ہمائے کہ بے طوطی خطت   نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان من

ابو الفضل کو بابر کے یہ دو مطلع بہت پسند تھے،

ہلاک میکندم فرقت تو دانستم (۱) وگرنہ رفتن ازیں شہر می توانستم

تا بزلف سیہش دل بستم (۲) از پریشانی عالم رستم

اکبر نامہ میں بابر کی یہ رباعی بھی منقول ہے،

درویشاں را گرچہ نہ از خویشانیم   لیک از دل و جاں معتقد ایشانیم

---

[1] تزک بابری اردو ترجمہ ص ۳۲۳، ۲۹۴، ۳۴۴، ۲۲۰، ۲۲۲، [2] فرشتہ ج ۱ ص ۲۰۱،

شکل تھی، اسی خط میں ایک کلام مجید لکھکر مکہ معظمہ بھیجا منتخب التواریخ میں ہے:۔

واز جملۂ غرایب و اختراعات آن شاہ مغفرت پناہی خط بابریست کہ مصحفی بدان خط نوشتہ و بمکۂ معظمہ فرستادہ[۱]

تزک بابری میں اس خط کا جا بجا ذکر ضرور ہے، مگر کہیں اس کی تفصیل نہیں، بابر نے اس خط کو ۹۱۰ھ میں ایجاد کیا، مگر اس کا لکھنا آسان نہ تھا، اس لیے مقبول نہ ہوا، ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ عہد اکبری میں یہ خط مفقود ہو چکا تھا، مگر خوشنویسی کے اساتذہ اس خط میں لکھنا کمال فن سمجھتے تھے، اکبر کے دور حکومت میں میر عبد الحیٔ مشہدی اس خط کا باکمال استاد تھا۔

بابر کے دربار کے فضلا، وشعرا

بابر نے جن ارباب علم سے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادہ کیا، ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، ان کے علاوہ اس کے دربار میں ممتاز فضلا، وشعرا، کی بھی ایک جماعت تھی، جو برابر اس کی معیت میں رہتی تھی، ان میں سے بعض کے مختصر حالات ہم یہاں پر درج کرتے ہیں،

شیخ زین الدین۔ "صدر" کے عہدہ پر فائز تھے، معقولات و منقولات میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے، ادیب بھی تھے اور شاعر بھی، واقعات بابری کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، بابر ان کی فارسی انشا پردازی کا معترف تھا، اس نے جب رانا سانگا پر فتح پائی تو اس خوشی میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا، اس کے لیے شیخ زین ہی نے فرمان لکھا، جو تمام قلمرو میں بھیجا گیا، اس فتح پر بابر نے شیخ زین سے ایک فتحنامہ بھی لکھایا، اس سے بابر کی فوج کی کیفیت، ہندوؤں کے لشکر کی حالت، اور دونوں کی صف آرائی اور معرکہ آرائی کے طریقے مفصل طور سے معلوم ہوتے ہیں، بابر نے دونوں فرامین کو اپنی تزک میں شامل کر دیا ہے،[۲] شیخ زین نے بابر کی مثنوی مبین

[۱] منتخب التواریخ مؤلفہ عبد القادر بدایونی جلد اول ص ۳۴۳، [۲] ایضاً جلد سوم ص ۲۷۳،

ہوئے یہ لوگ دور دراز سے فریق اریق میں ٹھیرے ہوئے تھے، مگر ہم کو نہ دکھائی دیے، جلسہ میں اکثر وہ لوگ تھے جو شعر کہتے تھے، جیسے شیخ ابو الوحید، شیخ زین ملا علی خاں، تردی بیگ اور خاکسار وغیرہ، اثنائے صحبت میں محمد صالح کا یہ شعر پڑھا گیا،

محبوبی ہر عشوہ گرے را چہ کند کس　　　جائیکہ تو باشی دگرے را چہ کند کس

فرمایش کی کہ اس زمین میں کچھ شعر کہو، شاعر اور موزوں طبع فکر کرنے لگے، ملا علی خاں سے بہت ہنسی کھلی ہوتی تھی، ہنسی سے میں نے فی البدیہ یہ شعر کہا ؎

مانند تو مدہوش گرے را چہ کند کس　　　نر گاو کسے مادہ خرے را چہ کند کس

پہلے اس سے جو کچھ اچھا برا کہتے یا ہزل نظم کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا جاتا تھا، جب سے مبین کو نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ نکلیں حیف ہے کہ اس سے بیہودہ لفظ بھی نکلیں، اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین کھلیں، افسوس ہے کہ اس میں ایسے ناپاک خیال بھی پیدا ہوں، اسی دن سے ہزل کہنا ترک کر دیا تھا، اس شعر کے کہتے وقت اصلاً خیال نہ رہا، دو ایک روز کے بعد بکرام میں آکر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا، کھانسی بھی ہوگئی، اور کھنکار میں خون آنے لگا، اب میں سمجھا کہ یہ تنبیہ کس طرف سے ہے اور یہ تکلیف کیوں ہے، فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا .... میں نے بار دگر توبہ کی اور اس نالائق طرز سے دل ہٹا لیا، سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہے، جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے، جو بندہ اس طرح متنبہ ہو جائے وہ اس کو سعادت عظمیٰ سمجھے، (ص ۵۲، ۲۵۳)

خط بابری | بابر نے اپنی جودت طبع سے ایک خاص قسم کا خط اختراع کیا، جو شاید خط نسخ کی ایک

یہ تمام ارباب کمال بابر کی علم نوازی کا حال سنکر خراسان، ہرات اور دوسری جگہوں سے ہندوستان آئے تھے، بابر بھی ان کی پذیرائی اور سرپرستی پورے شاہانہ انداز سے کرتا تھا، ۹۳۵ھ میں گوالیار کی مہم میں سخت بیمار ہوگیا، بیماری سے شفا پائی تو ایک جشن عشرت منعقد کیا، اس جشن میں تمام ایلچی قزلباش، اوزبک اور ہندو بھی شریک ہوئے، بابر نے ان سب کو ترازو کے پلڑے بھر بھر کر چاندی اور سونا دیا، اس موقع پر بھی سادات اور علما، کو فراموش نہ کیا، اس جشن کا ذکر کرتے ہوئے فرشتہ لکھتا ہے:۔

دوسرے حقداروں اور سادات کو بھی اپنی بخشش سے فیض پہنچایا، اخوندمیر مؤلف حبیب السیر اور مولانا شہاب الدین معمائی اور مرزا ابراہیم قانونی جو اپنے فن کے بے نظیر استاد تھے، اور ہرات سے ہندوستان میں تازہ وارد ہوئے تھے، اس جشن عشرت میں بادشاہ کی ملازمت سے سرفراز ہوکر شاہی نوازشوں سے مالامال کئے گئے، اور جملہ مقربوں میں داخل ہوئے، (ج ۱ ص ۲۱۰)

اخوندمیر کا ذکر آگے آئے گا،

کتب خانہ بابر سفر اور حضر دونوں میں کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا، ۹۳۰ھ[۱] میں بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا، تو لاہور کے پاس غازی خاں سے متصادم ہوا، غازی خاں کو شکست ہوئی، تو بابر اس کے قلعہ میں داخل ہوا، جہاں اس کو بے شمار دولت ملی، لیکن بابر کے لیے سب سے قیمتی سرمایہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا، غازی خاں بڑا علم دوست تھا، جید عالم ہونے کے علاوہ شاعری کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتا تھا، اس نے ہر قسم کی عمدہ اور خوش خط لکھی ہوئی کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر رکھی تھیں، بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لیے مخصوص کرلیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں اور کچھ شہزادہ کامران کے لیے کابل روانہ کیں،[۲]

[۱] تزک بابری اردو صفحہ ۳۰۰
[۲] تاریخ فرشتہ ج ۱ صفحہ ۲۰۰

کی ایک شرح بھی لکھی، بابر کی فتح ہندوستان کے متعلق ایک تاریخ بھی قلمبند کی، وفائی تخلص رکھتے تھے، منتخب التواریخ میں ان کے اشعار درج ہیں، جن میں دو رباعیاں یہ ہیں،

آزمیدی برقیبان و رمیدی از ما (۱) ما چہ کردیم و چہ دیدی چہ شنیدی از ما
بر حال بردن ما حاجت بیداد نبود می سپردیم اگر می طلبیدی از ما
غم گریبان گیر شد سر در گریبان چون کشم (۲) شوق دامنگیر آمد پا بداماں چوں کشم
اے گریبانم ز شوقت پارہ دامن چاک چاک بے تو پا در دامن و سر در گریبان چوں کشم

بابر کی وفات سے تین سال پہلے ۹۴۲ھ میں بمقام اکبرآباد عالم جاودانی کو سدھارے، وہاں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اسی کے احاطہ میں دفن کیے گئے، ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ

صاحب کمالات صوری و معنوی بود و در معما و تاریخ و در بدیہہ یافتن و شعر و سائر جزئیات نظم و نثر و انشاء بے قرینہ زمان خود بود[۱]

بابر کے دربار کے ممتاز فضلاء میں مولانا **بقائی** بھی تھے، ایک مثنوی مخزن کی زمین میں لکھکر بابر کی خدمت میں پیش کی،

مولانا **شہاب الدین** علم و فضل، شعرگوئی خصوصاً معماگوئی میں بلند پایہ رکھتے تھے، کلام پاک اور حدیث پر ان کی نظر وسیع تھی، شاعر بھی تھے، تخلص حقیر تھا، شاعری کے کچھ نمونے منتخب التواریخ (مولفہ عبد القادر بدایونی) کی جلد اول (ص ۳۴۲) میں ملیں گے، ۹۴۲ھ میں وفات پائی، میر اخوند نے "شہاب الثاقب" سے تاریخ وفات نکالی ہے،

شاعروں میں شیخ ابوالوجد فارغی، سلطان محمد کوسہ، سرخ و داعی شیخ جمالی کہنہ مشق تھے، اطباء میں میر ابوالبقا، مولانا یوسفی اور خواجہ نظام الدین علی خلیفہ اپنے علم کے لیے مشہور تھے،[۲]

---

[۱] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۱۱۴، ۳۴۳، ۴۴۳، نیز دیکھو صبح گلشن مولفہ نواب سید علی حسن خان ص ۹۶ [۲] اکبرنامہ ج ۱ ص ۱۱۹،

بابر نامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کی تالیفات اس کی اولاد کے زیر مطالعہ رہیں، ذکر آچکا ہے کہ بابر نے اپنی مثنوی مبین کامران کی تعلیم کی غرض سے لکھی تھی، بہ ظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ ہمایوں کو بھی جو کامران سے صرف ایک یا دو سال عمر میں بڑا تھا، اس مثنوی کے ذریعہ سے مذہب و اخلاق کا درس نہ دیا گیا ہو، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی، وہ صوم و صلوٰۃ کا سخت پابند تھا، کبھی وہ قسم نہ کھاتا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا، کسی سے بہت خشمگیں ہوتا تو صرف لفظ سفیہ کہہ دیتا، معمولی احکام شرعی پر اس سختی سے عمل کرتا کہ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاؤں اندر نہ رکھا، اور حسن ادب یہاں تک تھا کہ بے وضو خدائے عزوجل کا نام کبھی نہیں لیا،[1] ممکن ہے کہ یہ مذہبی اور اخلاقی جلا باپ ہی کی تربیت اور اس کی تالیف کردہ مثنوی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہو،

بادشاہ بنکر ہمایوں نے علمی مذاق کا ثبوت دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم ویسی ہی ہوئی تھی جو ایک شہزادہ کے لیے ضروری ہوتی ہے، تمام معاصر مورخین اس کو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی و ہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں،

ہمایوں کی سخن سنجی و سخن فہمی اس کے اعلیٰ علمی مذاق کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اس کی تمام زندگی جنگ و جدل میں گذری، پھر بھی فرصت کے اوقات میں شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا، گو اس کی مادری زبان ترکی تھی، مگر اس نے اشعار فارسی ہی میں موزوں کئے، اس کے ذوق شعر و شاعری کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہمایوں جب شیر خاں سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے لاہور پہنچا، تو مرزا کامران نے بہ ظاہر موافقت اور درپردہ مخالفت کی، شیر خان آگے بڑھتا چلا آرہا تھا،

---

[1] بدایونی ج ۱ ص ۴۶۸،

ہمایوں

ہمایوں ۹۱۳ھ ماہ ذیقعدہ میں کابل میں پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر اپنی قوت واقتدار کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشان حال پھر رہا تھا، کبھی باپ کی متروکہ مملکت سے محروم ہو کر پہاڑوں کی برفانی چٹانوں پر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا نظر آتا ہے، کبھی برف کاٹ کر فوج کے لیے راستہ بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کبھی اپنی جودت جہانگیری سے کابل کا بادشاہ بن بیٹھتا ہے، تو کبھی عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیوں سے اسی شہر کی گلیوں میں برہنہ پا پھرتا دکھائی دیتا ہے،

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اپنی اولاد کی تعلیم خاطر خواہ نہ دلا سکا ہوگا، پھر بھی یہ عجیب بات نظر آتی ہے، کہ اس کی تمام اولاد علم و ہنر سے مالا مال تھی، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا،

ہمایوں کی تعلیم و تربیت

ہمایوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی مستقل بیان موجود نہیں، اس کی پیدائش کے تھوڑے دنوں کے بعد تزک بابری کی تحریر کچھ عرصہ تک بند رہتی ہے، جو ہمایوں کی طفولیت اور تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، اس لیے بابر اس کے متعلق لکھنے سے قاصر رہا، تاریخوں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں جب چار سال چار مہینہ اور چار روز کا ہوا تو رسم مکتب کی تقریب ادا کی گئی، اس کے اتالیق خواجہ کلاں اور شیخ زین الدین رہے، جو بابر کے درباری امرا میں سے تھے، اس کی تعلیم کے تفصیلی حالات تو کہیں نہیں ملتے مگر

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد　　ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

جب وہ اس شعر پر پہنچا،

ز رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم　　کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی، اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے،[۱]

ہمایوں نے جب ۹۵۰ھ میں ایران کی طرف رخ کیا تو شاہ طہماسپ صفوی کو ایک رقعہ لکھا، جس میں یہ اشعار سپردِ قلم کئے۔

خسروا عمریست تا عنقای عالی ہمتم　　قلۂ قافِ قناعت را نشیمن کردہ است

روزگار سفلۂ گندم نمای جو فروش　　طوطی طبع مرا قانع بارزن کردہ است[۲]

دشمنم شیریست اما پشت بر من کردہ بود　　این زماں از ضعف طالع زی بر من کردہ است[۳]

التماس از شاہ آن دارم کہ با من آن کند[۳]　　انچہ با سلمان علی در دشت ارزن کردہ است[۴]

اس کے ساتھ یہ رباعی بھی تھی

اے شاہ جہاں کہ نہ فلک پایۂ تست　　در دست ولایت ہمہ سرمایۂ تست

شاہان جہاں جملہ ہمای طلبند　　بنگر ہما چگونہ در سایۂ تست

شاہ ایران نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا،[۵]

ہمای اوج سعادت بدام ما افتد　　اگر ترا گذرے بر مقام ما افتد

---

[۱] مآثر رحیمی ج ا ص ۵۰۰، کلکتہ، اکبر نامہ ج ا ص ۱۹۳، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، [۲] روز روشن (مولفہ نواب صدیق حسن) میں یہ مصرع اس طرح درج ہے، این زماں از ناخلفی زی بر من کردہ است [۳] مخزن الغرائب ج، دارم استدعا ز شاہنشہ کہ با من آن کند، [۴] مخزن الغرائب ا ر جن، بدایونی، ج ا، ص ۴۴، [۵] اکبر نامہ ج ا، ص ۲۰۵،

کامران نے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اس سے سازش کرلی، کہ شیر خان پنجاب لیکر اسے کابل، قندھار، اور غزنی کا تنہا مالک بناکر چھوڑ دے، اور ظاہراً ہمایوں سے شیر خاں کے خلاف جنگ کرنے کی تدبیروں کے متعلق مشورے کرتا رہا، یہانتک کہ شیر خاں بہت ہی قریب پہنچ گیا، اور ہمایوں کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا، مرزا کامران نے شیر شاہ کے قاصد کا پرجوش استقبال کیا، اور اس کی آمد میں بڑا جشن منایا، ہمایوں نے اس موقع پر ایک رباعی کہی،

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد	پیوستہ ز خویشتن جدائی باشد
خود را بنمائی غیر دیدن عجب است	ایں بوالعجبی کار خدائی باشد

اور اس کو مرزا کامران کے پاس بھیجدیا، گلبدن بیگم کا خیال ہے کہ ہمایوں نے کامران کے پاس رباعی نہیں بھیجی، بلکہ قاصد کے ذریعہ سے شیر خان کے پاس ارسال کی،[۵]

ہمایوں شیر خان سے ہزیمت اٹھانے کے بعد پریشان حال پھر رہا تھا، کہ اپنی پسماندہ فوج کے ساتھ جیسلمیر پہنچا، وہاں کے بیابان میں پانی کی کمی کی وجہ سے لشکری پیاس سے مرنے لگے، بمشکل ایک کنواں نظر آیا، مگر اس کنوئیں پر پانی کے لیے لشکریوں میں ایسا جھگڑا ہوا کہ بہت سے فوجی کنوئیں میں گر کر ہلاک ہوگئے، ہمایوں نے اسی وقت یہ شعر کہا

چناں زد چاک‌ها گردوں لباس دردمنداں را[۶]	کہ نے دست آستیں می یابد و نے سر گریباں را

ہمایوں ایسے موقعوں پر بہت متاثر ہو کر اشعار کہتا تھا، اور جب کبھی اپنے حال کے موافق کوئی شعر سنتا تو بے اختیار ہو جاتا تھا، جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جارہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا، اور خاص طور پر جشن شاہانہ مرتب کیا، صابر قاق نے جو خراسان کا مشہور گویا تھا، ایک غزل گانا شروع کیا، جس کا مطلع یہ تھا،

---

[۵] ہمایوں نامہ، گلبدن بیگم، ص ۴۰ [۶] بدایونی ج ۱ ص ۳۹۴،

ہمایوں کی قسمت نے جب ایک بار پھر ساتھ دیا تو وہ ازسرِنو فوج ترتیب دے کر کامران کے خلاف قندھار پر حملہ آور ہوا، اس وقت ہمایوں کا رفیق بیرم خان قلعہ قندھار کے محاصرہ میں ساتھ تھا، قلعہ قندھار بہت ہی مستحکم تھا، اس کی دیوار کا عرض سات گز تھا، اس کو تسخیر کرنا آسان نہ تھا، لیکن بیرم خاں کی سپہگری اور جوانمردی سے آخر میں یہ فتح ہوا، ہمایوں نے اس مسرت میں ایک نظم کہی اور بیرم خاں کے پاس بھیجدی، وہ نظم حسب ذیل ہے،[1]

باز فتحے زغیب روئے نمود | کہ دلِ دوستاں ازاں بکشود
شکر اللہ کہ باز شادانیم | بر رخ یار و دوست خندانیم
دوستاں را بکام دل دیدیم | میوۂ باغ فتح را چیدیم
روزِ نوروز بیرم است امروز | دل احباب بے غم است امروز
شاد بادا ہمیشہ خاطر یار | غم نگردد بگرد یار و دیار
ہمہ اسباب عیش آمادہ است | دل بفکر و خیالت افتادہ است
گوش خرم شود زگفتارت | دیدہ روشن شود ز دیدارت
در حریم حضور شاد بہم | بنشینم خرم و بے غم
بعد ازیں فکر کار ہند کنیم | عزم تسخیر ملک سند کنیم

ہمایوں نے اس مثنوی کے حاشیہ پر حسب ذیل رباعی بھی لکھی،

اے آنکہ انیس خاطر محزونی | چوں طبع لطیف خویشتن موزونی
بے یاد تو من نیم زمانے ہرگز | اما تو بیاد من محزوں چونی

بیرم خاں نے اس کے جواب میں یہ لکھ بھیجا،

[1] خافی خان حصہ اوّل ص ۱۲۵

ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ ہمایوں جب ایران پہنچا تو اس نے شاہ ایران کو ایک رباعی پھر لکھ بھیجی جس کا ایک شعر شاید شاہ ایران کے مذکورۂ بالا شعر کا جواب تھا،

شاہاں ہمہ سایۂ ہمای خواہند　　　　بنگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو[1]

شاہ طہماسپ نے ہمایوں کا پرجوش خیر مقدم کیا اور بھائی بنا کر اپنے یہاں رکھا، مگر امیروں اور درباریوں کو یہ بات ناگوار گذری، اور رفتہ رفتہ شاہ کے کان بھر کے ہمایوں کو اس سے برگشتہ کر دیا، ہمایوں مصیبت کا مارا تھا، بیرم خاں کی صلاح کے موافق احتیاط کو مد نظر رکھا، اسی دوران میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم اور قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نور الدین ایسے حاشیہ نشینوں نے باہم یک رائے ہو کر یہ کوشش شروع کی کہ شاہ کے دل سے غبار کدورت دور ہو جائے، چنانچہ ایک روز سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی یہ رباعی پڑھ کر سنائی،

ہستیم زجاں بندۂ اولاد علی　　　　ہستیم ہمیشہ شاد بایاد علی

چوں سر ولایت زعلی ظاہر شد　　　　کردیم ہمیشہ وردخود ناد علی

شاہ طہماسپ اس رباعی کو سن کر بے حد خوش ہوا، اور ہمایوں کی جانب سے اس کے دل کی کدورت جاتی رہی،[2]

اسی غریب الوطنی کے زمانہ میں ہمایوں نے تبریز کی سیر کی، عہد ماضی کے آثار قدیمہ اور سیر گاہیں دیکھیں، ان کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا، اور اس وقت یہ رباعی پڑھی[3]،

افسوس کہ سرمایہ بکف بیروں شد　　　　در دست اجل بے جگرہا خوں شد

کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو　　　　کاحوال مسافران عالم چوں شد

---

[1] بدایونی ج ۱ ص ۴۵۵، [2] فرشتہ ص ۲۱۵، [3] اکبر نامہ ص ۲۲۰،

برابر گرم رہتیں، ہمایوں کی نکتہ سنجی، دقتِ نظر اور معانی آفرینی کی جلا ان صحبتوں میں خوب ہوئی، جس کے باعث وہ اکثر اساتذہ کے کلام میں بلا تکلف اصلاحیں دیتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اس کے سامنے یہ شعر پڑھا،

ہمچو پروانہ بشمعے سروکار است مرا | پس اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرعہ میں یہ اصلاح دی،

می روم پیش اگر بال و پرم می سوزد

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوئے،[۱]

جاہی تیمان نے شاہ محمد خاں شاپوروالی کابل سے ناراض ہوکر اس کی ہجو کہی، ہمایوں کے سامنے وہ ہجو پڑھی گئی:-

شاعر شاہ ہمایونم و خاک درگہ | می زند کو کبۂ شاعریم طعنہ بمہ
خسروشوم و ابیات خوشم خیل و سپہ | دیدم از قحبہ زنی ظلم نہ جرم و نہ گنہ
پارۂ کاغذ اگر از ہذیاں گشتہ سیہ | سوئے ہجوش اگر اندیشہ شود درد بہ رہ
غرض آنست کہ ایں خرصفتان ابلہ | عزت و حرمت ایں طائفہ وا ز ندنگہ
وائے آنست کہ بخیلِ شعرا بستیزد | ہر کہ با ما بستیزد بہ بلا بستیزد

آخری مصرعہ کو سنکر ہمایوں نے فی البدیہہ کہا کہ اس کو اس طرح پڑھو،

ہر کہ با ما بستیزد بخدا بستیزد

ابوالفضل نے اکبر نامہ میں ہمایوں کی شاعری کے ذوق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے،

و توجہ عالی بہ شعر و شعرا نیز داشتند و از انجا کہ طبع موزوں از خصائص فطرت سلیم است[۱]

---

[۱] مآثر رحیمی ص ۶۱۲ ج ۱، و اکبر نامہ ج ۱ ص ۲۲۱

اے آنکہ بذات سایۂ بیچونی — از ہرچہ ترا وصف کنم افزونی

چوں میدانی کہ بے توچوں میگذرد — چوں می پرسی کہ در فراقم چونی[1]

بیرم خاں کے ایک خط کے جواب میں ہمایوں نے یہ رباعی کہی تھی،

اے یار لطیف طبع پاکیزہ گہر — وی عمدہ اہل فضل و ارباب ہنر[2]

بکشای نظر امید کز نور حضور — می آرمت از تیرگی ہجر بدر

مقیم نامی ایک شخص کے متعلق اس نے حسب ذیل شعر کہا،

مقیم شد غم تو در دلم چہ چارہ کنم — عجب غنیمت اگر دل ز سنگ خارہ کنم[3]

ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے تو ایک دن اس نے کہا کہ آج صبح کی نماز کے بعد ملہم غیبی نے یہ رباعی سنائی،

یارب بکمال لطف خاصم گردان — واقف بحقائق خواصم گردان

از عقل جفا کار دل افگار شدم — دیوانۂ خود خوان و خلاصم گردان

اور اس کو پڑھ کر رونے لگا، ان دنوں ہمیشہ وہ کہتا کہ عالم فانی سے بوئے موت آتی ہے،

چنانچہ محل کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع نہایت خوشخط لکھا یا تھا،

شنیدہ ام کہ بریں طارم زراندود است — خطے کہ عاقبت کار جملہ محمود است[4]

ظاہر ہے کہ ہمایوں کے شعروسخن کے ذوق کے سبب اس زمانہ کے شعرا شاہی جودوکرم سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہے ہوں گے، بدایونی کا بیان ہے،

"شعرائے بسیار نادرۂ روزگار از دامن او برخاستہ اند،"[5]

ہمایوں ان شعرا کو اپنی علم پرور صحبتوں میں ہمیشہ شریک رکھتا، اور شعروشاعری کی مجلسیں

---

[1] مآثر الامراء ج ۱، ص ۳۰۲ [2] ریاض الشعراء قلمی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ [3] لطائف نامہ فخری ص ۳۴ شائع کردہ اورنٹیل کالج، لاہور، [4] اکبرنامہ ص ۳۶۳ و ۳۶۲ [5] بدایونی ص ۴۶۹ ج ۱،

درشرحِ غنچۂ او ہرگز نگفتہ حرفے — لب را دراں حکایت پیوستہ بستہ بودم
حقا کہ چوں ہمایوںؔ درحالِ وصل بیخود — بادوست درحکایت ازخویش رفتہ بودم

ولہٗ

داغِ عشقِ تو بر جبین تن ست — خاتم لعلِ تو نگینِ من ست
تانشستم چوں خاک بر در تو — پشتِ بامِ فلک زمینِ من ست
ہرکجا شاہ و شہریاری بود — ایں زماں بندۂ کمینِ من ست
خط مشکیں بصفحۂ گلفام — آیتِ رحمتِ مبینِ من ست

ولہٗ

من اشک رواں چو گنج قاروں دارم — گلگوں دروں کیسہ ز افیوں دارم

مختلف دور کے تذکرہ نگاروں نے ہمایوںؔ کی سخن گستری کی داد دی ہے، اور اُس کے پسندیدہ اشعار سے اپنے تذکروں کے صفحات مزین کئے ہیں، مرزا علاء الدولہ قزوینی نے نفائس المآثر (۹۷۳-۸۲ھ) میں ہمایوںؔ کی حسب ذیل غزلیں اور ایک رباعی نقل کی ہے،

کارِ من باخموشے افتادہ است (۱) — در درونم آتشے افتادہ است
خانہ ام روشن شد از روئے حبیب — پرتوے زخورشیدے افتادہ است
دل مرا اے جان بہر سوی کشد — تا دلم با دلکشے افتادہ است
کام دل خواہم گرفتن ایں زماں — چوں بدستم سرخوشے افتادہ است
عقل و ہوش از من مجوئید ایں زماں — چوں ہمایوں بیہشے افتادہ است

وصفِ لعلِ تو بر زبانِ منست (۲) — آتشے در میانِ جانِ منست

در خلالِ اوقات واردات قدسی را (چہ از حقیقت وچہ از مجاز) در سلک نظم می کشیدند و دیوان شعر آنحضرت در کتابخانہ عالی موجود است۔" (ج ا ص ۳۶۸)

ابو الفضل کو ہمایوں کی حسب ذیل رباعیاں پسند تھیں، اسی لیے اس نے اکبر نامہ میں ان کو نقل بھی کیا ہے،

(۱)
اے دل مکن اضطراب در پیش رقیب — حال دل خود مگوئے با ہیچ طبیب
کاریکہ ترا باآں جفا کار افتاد — بس قصہ مشکل است وبس امر عجیب

(۲)
اے دل ز حضور یار فیروزی کن — در خدمت او بصدق دلسوزی کن
ہر شب بخیال دوست خرم بنشیں — ہر روز بوصل یار نو روزی کن

(۳)
اے آنکہ جفای تو بعالم علم است — روزیکہ ستم نہ بینم از تو ستم است
ہر غم کہ رسد از ستم چرخ بدل — مارا چو غم عشق تو باشد چہ غم است

فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں ہمایوں کے دیوان سے اپنی پسند کی چند غزلوں کے یہ اشعار نقل کیے ہیں، (ص ۲۳۴ ج ۱)

گذشت از دل سر گشتہ ناوک ستمش — نماند بر من دلدادہ لذت المش
بقصد کشتن عشاق گر کند میلے — عجب نباشد از اخلاق وشیوہ کرمش
کرا ست زہرۂ قرب حریم حرمت او — کہ جبرئیل امیں نیست محرم حرمش
اگر بپرسش عشاق می نہد قدمے — ہزار جان گرامی فدائے ہر قدمش

ولہ

خوش آنکہ با خیالت عمری نشستہ بودم — وز شوق سر و قدت از جائے جستہ بودم
عیبم مکن کہ گفتم موئے ترا پریشاں — در شرح جعد زلفت پیوستہ بستہ بودم

مخزن الغرائب میں بہت سے اشعار منقول ہیں، ان میں سے دو شعر یہ ہیں،

دریا دلیم و دیدۂ ما معدن درست　　　کردست ماتہی است ولے چشم ما پر است

این نہ سرو است کہ در باغ قدافراختہ است　　　شمع سبز لیست کہ پروانہ او فاختہ است

اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہمایوں صاحب دیوان بھی تھا، یہ دیوان کتب خانوں میں گم رہا، مگر اب یہ امر باعث مسرت ہے کہ استاذی المحترم جناب سید حسن عسکری صاحب زاد لطفہ (پروفیسر تاریخ، پٹنہ کالج، پٹنہ) نے اپنی مساعی جمیلہ سے یہ دیوان اپنے وطن مالوف کھجوا (ضلع سارن) کے کتب خانہ سے ڈھونڈ نکالا ہے، اس پر استاذی المکرم جناب حافظ شمس الدین صاحب (شعبۂ فارسی، پٹنہ کالج) نے ایک سیر حاصل مقالہ لکھکر معاصر (۳۹ء) پٹنہ میں شائع کیا تھا، راقم الحروف کی نظر سے بھی یہ دیوان گذرا ہے، خیال تھا کہ جناب حافظ صاحب موصوف اس دیوان کو طبع کرا کے دلدادگانِ علم و ادب کو ممنون فرمائینگے مگر ابھی تک یہ زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکا، اس میں سے بعض چیزیں ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

ایک حمد ملاحظہ ہو:۔

اے حسن تو دیباچہ مجموعۂ معنی　　　لامع شدہ از روے تو انوار تجلی

حاشا کہ جدا از تو تواں زیست ولیکن　　　دارم بخیالے زجمال تو تسلی

در مملکت حسن توئی شاہ ولایت　　　کردم بولاے تو کنوں روے تولی

تا حسن تو در جلوہ گری گشت ازاں رو　　　وامق پے عذرا شد و مجنوں پے لیلی

حقانیت سے لبریز بہت سی رباعیاں ہیں، مثلاً

اے وادی لامکاں مکانت　　　دور ازل و ابد زمانت

ہر کہ باشد بمجلس رندان — بے خود از نعرہ و فغانِ منست

انچہ در وصف حسن او گویند — جملہ در شرح و در بیانِ منست

رباعی

اے آنکہ زیاد تو دلم باشد شاد — بے یاد تو خاطرم دمے شاد مباد

روزیکہ زیاد تو کنم صد فریاد — آیا ز من غمزدہ است آید یاد[1]

سفینہ خوشگو مولفہ بندرا بن میں یہ رباعی مرقوم ہے،

یارب کہ رضائے دل درویشان دہ — ایں ریش دل شکستہ را درمان دہ

حدنیست کہ گویم ایں مدہ یا این دہ — چیزے کہ رضائے تو دراً نست آن دہ

ریاض الشعرا (۱۱۶۱ھ) میں علی قلی داغستانی نے منجملہ اور اشعار کے ایک رباعی یہ بھی لکھی ہے :-

اینہ دکہ فلک بقبضۂ قدرت اوست — دادہ است ترا او چیزکان ہر دو نکوست

ہم سیرت ہم آنکہ دوست داری کس را — ہم صورت آنکہ ترا دارد دوست

روز روشن میں نواب صدیق حسن نے ہمایوں کی شاعری کا ذکر تین صفحوں میں کیا ہے، احمد علی سندیلوی مخزن الغرائب میں رقمطراز ہیں،

بادشاہ بود ملکی ملکات و بجمیع فضائل و کمالات صوری و معنوی آراستہ و در علوم ہیات و نجوم و سائر علوم غریبہ بے نظیر و مربی اہل فضل و کمال و مرجع اہل تقوی و صلاح و بشعر و شعرا مائل و خود شعر نیکو گفتے،

---

[1] A History of persian Literature and language at The mughul court by A. Ghani.

اے آنکہ طلبگار رہ حقیقی — در شیوۂ صدق و راستی صدیقی
زنہار کہ غیر حق نہ بینی ہرگز — چوں بینی تو کافر و زندیقی

خواہی کہ جہاں بطبع تو راست شود — آں چیز کہ خواستی ہماں خواست شود
باید کہ تو با طبع جہاں راست شوی — تا ہرچہ خدا خواستہ آں خواستہ شود

ہمایوں کی مزید ایک دو غزلوں کی سادگی اور خیالات کی برجستگی سے بھی ناظرین محظوظ ہوں،

حجابست از نور در پیش ما — ازاں گشتہ بیگانہ ایں خویش ما
ترا شاہی وحسن و صد سلطنت — بلائیست برجان درویش ما
ملاحت نمودی زجاں سوختی — نمک ریختی تازہ بر ریش ما
وفا می کنی وجفا می کشیم — نباشد جز ایں شیوہ در کیش ما
ہمایوں بروئے تو چوں بنگرد — حجابست از نور در پیش ما

سراسر شادی عالم بیکدم غم نمی ارزد — بنزدم عمر صد سالہ بیک ماتم نمی ارزد
غنیمت داں جوانی را کہ ایام خوش است اما — ولے با عالم پیری و پشت خم نمی ارزد
کو آں تخت سلیمان و کو آں احوال مورانش — چہل خانہ زرقار دل بیک جو ہم نمی ارزد
بنودی جنت الماوی بنودی ایں ہمایوں را — کہ جنت با سر گردانی آدم نمی ارزد

دربار کے شعراء

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہمایوں کے دامن دولت سے بہت سے شعراء منسلک تھے، ہم ان میں سے بعض ارباب کمال کا اجمالی ذکر کرتے ہیں،

جنوبی۔ مولانا جنوبی بدخشاں کے بہت ہی ممتاز اور بلند پایہ شاعر تھے، ہمایوں نے جب شہزادگی کے زمانہ میں اس جگہ کو تسخیر کیا، تو وہ ہمایوں سے وابستہ ہو گئے، بدخشاں کی

اے ہستی بے نشان مطلق | شد ہستی بے نشاں نشانت
اے آنکہ مقید زمان و زمینی | کس را نبود لائق ذاتت سخنی
جانے کہ بنی حق ثنای تو بگفت | کے شرح صفات تو کند ہیچ منی
اے خالق جملہ خلائق | تو مصدر کل و خلق مطلق
حالتے روی نمود از لاریب | کاندر آں نہ شہادتست نہ غیب

صوفیانہ رنگ کی بھی رباعیاں ہیں مثلاً

اے آنکہ در دخول بر خود بستی | با توبہ و زہد عافیت بنشستی
ہرگز نکند فائدہ ایں طور ترا | از خود چو گذشتی بخدا پیوستی
مائیم صفات حی مختار ودود | ظاہر شدہ از آئینۂ نور شہود
چوں یک شجریم در باغ وجود | ما فرع وجودیم و خدا اصل وجود

حمد و نعت سے ملے جلے مطالب کی بھی رباعی ملاحظہ ہو:-

من ہیچ نیم ہیچ نمیدارم نام | بر فضل تو مانیم شب و روز دوام
آنگاہ بحق حرمت مہتر لام | بر بندہ ہمایوں برساں فیض تمام

کچھ خالص نعتیہ رباعیاں بھی ہیں، مثلاً

اے سرور کائنات در اصل وجود | حقا کہ توئی حبیب حی معبود
برخیز نما جمال عالم آرا | زیرا کہ توئی ز خلق عالم مقصود
سلطان سریر انبیائی تو | خورشید سپہر اولیائی تو
مردم ہمہ پیرو طریق تواند | رہ شرع بخلق رہ نمائی تو

پند و موعظت پر بھی رباعیاں ہیں، مثلاً

از دانش او دانش اصحاب بصیرت — وز بینش او بینش ارباب بصائر
مبنی چو حرام است در احکام شریعت — اقبال نماید بمراعات اوامر
ہر نکتۂ حکمت کہ لب لعل تو فرمود — مشہور جہاں شد چو حدیث متواتر
مبنی است کہ شرح کتب فن ریاضیات — تصنیف متین تو از ایجاز دوایر
احصاے کمالات تو کردن نتوانم — کا نزد ہمہ فہما شدہ کامل و ماہر

مولانا نادری کا انتقال ۹۶۶ھ میں ہوا، میر امانی کابلی نے اس مصرع سے تاریخ وفات نکالی

گفتا خرد کہ رفت یکے از سخن وراں[1]

فارغی۔ مولانا شیخ ابو الوا ہد فارغی بن شیخ وجیہ الدین ہرات کے رہنے والے تھے شیخ زین الدین کے رشتہ دار تھے، دونوں حسرت تنگ آکر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے جہاں وہ بابر اور ہمایوں کے جود و کرم سے سیراب ہوئے شیخ زین الدین کا ذکر بابر کے سلسلہ میں آچکا ہے، شیخ فارغی بہت ہی خوش طبع، شیریں زبان اور بذلہ سنج تھے ہمایوں اور بیرم خان خانخاناں کی شاہانہ اور فیاضانہ توجہ سے آسودہ زندگی بسر کرنے کے لائق ہو گئے تھے، مگر درویشانہ صفت کے حامل تھے، اس لیے شعر و شاعری میں وہی رنگ جھلکتا ہے۔

رشتۂ جمعیت اے یاران بہم گسلید — در پریشانی پریشانیست از ہم گسلید
چو تیر خود کشی از سینہ ام بگذار پیکاں را — مرا دل دہ کہ تا مردانہ در راہت دہم جاں را

۹۴۰ھ میں بمقام آگرہ انتقال ہوا، اور شیخ زین الدین وفائی کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

---

[1] منتخب التواریخ ج ا ص ۴۷۵، [2] ایضاً ص ۴۷۶، صبح گلشن ص ۳۰۶، ۳۰۵،

فتح پر ہمایوں کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا جس میں ذوالفقار شروانی اور سلمان ساؤجی کے قصائد کی طرح بہت سی صنعتوں کو ملحوظ رکھا، اس قصیدہ کی تشبیب یہ تھی:۔

شہنشاہا رخ تو لالہ و نسریں لب تو جاں　　ہمی بینم لب تو غنچہ رنگیں شدہ خنداں
نمی گویم خط تو سبزہ و ریحاں خد تو گل　　شود ظاہر قد تو فتنۂ دوراں دم جولاں

ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ صنعت توشیح سے مصرعوں کے مجموعے سے یہ مطلع ہو جاتا ہے،

شہنشاہ دیں پادشاہ زماں　　زبخت ہمایوں شدہ کامراں

اور اگر ہر مصرع کے خط کشیدہ الفاظ کو ترتیب دیا جائے تو یہ مطلع ہو جائے گا.

رخ تو لالہ و نسریں خط تو سبزہ و ریحاں　　لب تو غنچۂ رنگیں قد تو فتنۂ دوراں

اور اگر صنعت عکس کے ساتھ یہ شعر پڑھا جائے تو مطلع کی تشکیل اس طرح ہو جائے گی،

خط تو سبزہ و ریحاں، رخ تو لالہ و نسریں　　قد تو فتنۂ دوراں لب تو غنچۂ رنگیں

اسی طرح قصیدہ میں معما، اظہار مضمر اور تاریخ گوئی کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

نادری۔ مولانا نادری سمرقند سے آگرہ آئے، ہمایوں کی قدردانی سے ان کی غربت امارت میں بدل گئی، ملا عبدالقادر بدایونی کے قول کے مطابق وہ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر بلکہ جید علماء کامل فضلاء اور نوادر روزگار میں سے تھے، نظمیں، رباعیاں، اور قصائد کہنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ہمایوں کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے جس میں اس کی شریعت نوازی، علم پروری اور ریاضی دانی کی داد دی ہے، اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:۔

المنۃ للہ کہ بجمعیت خاطر　　باعیش نشستند حریفان معاصر
خاقان معظم شہ جم قدر، ہمایوں　　کش ہست قوی دست دل از قدرت قادر

حاصل نہ تھا، ہمایوں نے اس کی طبیعت کی کجروی کے سدباب کے لیے شاہی بیگمات میں سے ایک کو اس کے حبالۂ عقد میں بھی دیا، مگر طبیعت اصلاح کی طرف مائل نہ ہوئی، ہمایوں نے بالآخر حج کعبہ کے لیے روانہ کیا، مگر اس سعادت سے بھی وہ محروم رہا، اور راستہ سے لوٹ کر سلطان بہادر گجراتی کا وظیفہ خوار ہوگیا، جس نے اس کی مزاج داری بھی کی، شاعری میں تخلص کبھی ایوب اور کبھی فراقی کرتا تھا، ایک غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

اے شاخ گل کہ ہمچو سہی قد کشیدۂ — برگرد لب خطی ز زمرد کشیدۂ

قدت برآمدہ چو الف مد ز خطہ — وز ابرواں فراز الف مد کشیدۂ

بر حرف دیگراں زدۂ قرعۂ قبول — بر حرف عاشقاں قلم رد کشیدۂ

تشویش میکشی مکش اے نقشبند چین — ناید چو چشم و زلفش اگر صد کشیدۂ

از دولت وصال فراقی طمع مبر — جور و جفائے یار چو بے حد کشیدۂ

کاہی۔ قاسم کاہی عرف میاں کالے، کابل سے ہمایوں کے عہد میں ہندوستان آیا، مختلف علوم و فنون مثلاً تفسیر، کلام، تصوف، ہیئت، موسیقی اور شاعری میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا، ہمایوں کی نظر میں بڑی محبوبیت حاصل کی تھی، چنانچہ اس نے ہمایوں کی شان میں بہت سے قصائد اور قطعات کہے ہیں، ایک قصیدہ میں ہمایوں کے ذوق ہیئت کی بھی ترجمانی کی ہے، فن شاعری میں معما اور تاریخ گوئی میں بڑی مہارت حاصل کی تھی، وہ اپنے عہد کے شعرا میں اسلیے ممتاز تھا کہ اس کی شاعری میں سادگی کے ساتھ بڑی موسیقی تھی، ہمایوں کی وفات شیر شاہی قلعہ کے اندر زینے سے گر کر ہوئی تو اس نے یہ قطعہ کہکر تاریخ نکالی،

ہمایوں بادشاہ آں آفتابی — کہ فیض شامل او عام افتاد

بنائے دولتش چوں یافت رفعت — اساس عمرش از انجام افتاد

طاہر دکنی۔ شاہ طاہر خواندی دکنی عراق کے رہنے والے تھے، اپنے کو شاہ طہماسپ کا عزیز کہتے تھے، ہندوستان آکر ہمایوں کے دربار سے وابستہ ہوئے، علم نجوم کے بھی ماہر تھے، چنانچہ ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کے مطابق انوری کے تتبع میں ایک قصیدہ کہا ہے، جس کے دو شعر یہ ہیں:-

حمل مہر چو آید بہ شبستان حمل | لالہ فانوس برافروزد و نرگس مشعل
کوہ از در دسر بہمن و دی اکنوں | شوید از ناصیہ اش ابر بہاری صندل

شاہ طاہر اہل بیت سے تعلق رکھتے تھے، ہمایوں کے دربار کے علماء سے مناظرہ میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی تو اپنے چھوٹے بھائی شاہ جعفر کے پاس دکن چلے گئے، جہاں برہان نظام شاہ اول والی احمد نگر نے ان کی بڑی پذیرائی کی، اور جملۃ الملک کے عہدہ پر مقرر کیا، برہان نظام شاہ نے شاہ طاہر سے متاثر ہو کر ان ہی کا مذہب اختیار کر لیا، شاہ طاہر کا شمار دکن کے برگزیدہ بزرگوں میں کیا جاتا ہے، ۹۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، تاریخ وفات "تابع اہل بیت بودہ" سے نکلتی ہے، فن شعر و شاعری میں ان کا کمال بدرجۂ اتم تک پہنچ گیا تھا، منقبت، قصائد، اور مثنوی کہنے میں اپنی شاعری کا جوہر دکھاتے تھے[۱]

ایوب۔ خواجہ ایوب ماوراء النہر سے ہندوستان آیا، باپ کا نام خواجہ ابوالبرکات فراقی تھا، جو فضیلت اور علمی پایہ کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، وہ سلمان ساوجی کی تقلید میں قصائد کہتے تھے، بابر کے زمانہ میں ہندوستان آئے، اور اس کے خوان کرم سے متمتع رہے، ہمایوں نے بھی ان کی قدر دانی کی اور ان کے لڑکے خواجہ ایوب کو ندیم خاص بنایا، خواجہ ایوب میں فن شاعری کے تمام کمالات موجود تھے، مگر وہ اوصاف حمیدہ کا

۱؎ منتخب التواریخ ج ۱ ص ۴۸۳،

ضمیری۔ مولانا ضمیری بلگرامی بھی دربار کے ممتاز شاعر تھے، مثنوی اور قصائد لکھنے میں بڑی شہرت حاصل کی تھی،

موجی۔ قاسم خاں بدخشی المتخلص بہ موجی ہمایوں کے امراء میں سے تھا، یوسف زلیخا کے تتبع میں ایک مثنوی لکھی جس میں چھ ہزار اشعار تھے[1]۔

فضلاء ہمایوں کے دربار کے فضلاء کی تعداد بھی شعراء سے کم نہیں، وہ ان سے برابر اختلاط رکھتا تھا، طبقات اکبری میں ہے:۔

در صحبت آں مقتدائے جہاں ہمہ وقت فضلاء و علماء و اکابر بودند و ہمہ از اول شب تا صبح بصحبت می گذشت، و نہایت آداب درمجلس آنحضرت مرعی می بود، ہمہ وقت بحث علمی مذکور مجلس بہشت آئیں می گشت، ارباب فضل و ہنر در عہدش رونق تمام پدید آمد (ج ۲ ص ۸۸،۸۵)

ہم اختصار کے ساتھ ان ارباب علم کا ذکر خیر کر کے ان کی یاد کو تازہ کرتے ہیں، اس صف میں سب سے پہلے غیاث الدین محمد المعروف بہ **خواند امیر** پر نظر پڑتی ہے، یہ روضۃ الصفا کے مصنف میر خواند کا نواسہ تھا، باپ خواجہ ہمام الدین محمد، بدخشاں کے والی سلطان محمود کا وزیر تھا، خواند امیر ہرات میں پیدا ہوا، جو اس وقت علوم و فنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا، اسی مدینۃ العلم میں خواند امیر نے ہوش سنبھالا، ہرات کے سلطان غازی حسین بن منصور کا دربار شعراء اور علماء کا مرجع تھا، اس کے وزیر میر علی شیر کی علم نوازی اور معارف پروری سے یہ دربار اور بھی جگمگا اٹھا تھا، خواند امیر کی علمی صلاحیت و لیاقت کی شہرت سن کر میر علی شیر نے اس کو دربار کے زمرۂ فضلاء میں شریک ہونے کی دعوت دی، جس کو اس نے قبول کیا، یہاں رہ کر اس نے فن تاریخ نویسی کا گہرا مطالعہ کیا، اور اپنے علمی مشاغل بھی جاری رکھے، میر علی شیر کی علمی صحبتوں میں اس کی ذہنی جلا اچھی طرح ہوئی، اور اس شہریار علم

[1] منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۲۵،

چو خورشید جہاں تاب از بلندی | بیاباں در نماز شام افتاد
جہاں تاریک شد در چشم مردم | خلل در کار خاص و عام افتاد
پے تاریخ او کاہی رقم زد | ہمایوں بادشاہ از بام افتاد

یہ قطعہ بہت مقبول ہوا، اکبری دور میں کاہی فتنۂ دین الٰہی سے ملوث ہوگیا تھا، اس لیے ملا عبدالقادر بدایونی اس کے مذہبی عقائد کو مطلق پسند نہ کرتے تھے، اور اپنی منتخب التواریخ (جلد سوم ص ۱۷۵) میں اس کے لیے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، پھر بھی وہ معترف ہیں کہ شعر و سخن کی وادی میں اس کا کوئی شریک نہ تھا، اور رقمطراز ہیں کہ اس کی دو غزلیں اہل سلوک، اور بزم ملوک میں بڑی مقبول تھیں، ان دونوں غزلوں کا مطلع یہ ہے:-

آتش سودائے لیلیٰ بر سر او تیز کرد | مرغ تا بر فرق مجنون پر زدن انگیز کرد
گر دراں آئینہ طوطی بنگرد بلبل شود | چوں ز عکس عارضش آئینہ پر گل شود

اس کا دیوان عام طور سے پسند کیا جاتا تھا، بوستاں کے جواب میں ایک مثنوی گل افشاں بھی لکھی،[1]

امان اللہ۔ شیخ امان اللہ پانی پتی عالم بھی تھے، صوفی بھی اور شاعر بھی، ہمایوں کے دربار کے ممتاز شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا، تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا،[2]

جلالی۔ مولانا جلالی ہندی، فارسی اور ہندی دونوں میں اشعار کہتے تھے،[3]

میر ویسی۔ ہمایوں کے درباری امراء میں سے تھا، سخن سنج بھی تھا، اور شعراء کا سرپرست بھی، اس کے دولتکدہ پر شعر و سخن کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں،[4]

حیدر۔ حیدر تونیائی شعر و شاعری کے علاوہ نغمہ و موسیقی کے لیے بھی مشہور تھا،[5]

---

[1] منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۷۵، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۸۰۔

بنایا، وہ بنگال کی مہم پر گیا، تو خواند امیر بھی اس کی معیت میں تھا، بابر کی وفات کے بعد ہمایوں نے بھی اس سے وہی عقیدت قائم رکھی، اور اس سے عزت و احترام سے پیش آتا تھا، تاریخ عالم پر جو اس کو قدرت حاصل تھی، اس سے متاثر ہو کر ہمایوں نے اس کو امیر مورخ کا خطاب دیا، خواند امیر کو بھی ہمایوں سے گہرا لگاؤ اور اخلاص پیدا ہو گیا تھا، جس کا اظہار اس نے مختلف قصائد قطعات اور مثنوی میں بھی کیا ہے، ان قصائد سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، ہمایوں کی فرمایش پر اس نے **قانون ہمایونی** لکھی جس میں ہمایوں کے "مبدعات اور اختراعات" کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب ہمایوں کے دور کے تمدن اور مصنوعات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بہت مفید سمجھی جاتی ہے، اس کے کچھ حصے ابو الفضل نے اپنی تاریخ اکبر نامہ میں بھی نقل کئے ہیں، (دیکھو جلد اول ص ۷۰ - ۳۵۹)، یہ کتاب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہو گئی ہے، شروع میں جناب محمد ہدایت حسین صاحب کا پر از معلومات مقدمہ ہے،

خواند امیر ۹۴۱ھ میں ہمایوں کے ساتھ بہادر شاہ والی گجرات کے خلاف مہم میں بھی شریک ہوا، وہاں کی آب و ہوا اس کو موافق نہیں آئی، علیل ہو کر دہلی واپس آیا تو ۹۴۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور خواجہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ میں سپرد خاک کیا گیا، اس کے ایک لڑکے سید عبد اللہ خاں کی تربیت اکبر نے کی، اور اس کی شاہانہ نوازشوں سے وہ منصب ہفت صدی سے بھی سرفراز ہوا،

یوسف بن محمد ہروی ہرات سے آکر اکبر کے دربار سے منسلک ہوا طبیب بھی تھا اور شاعر بھی، ایک قصیدہ بعنوان قصیدہ فی حفظ صحت لکھکر بابر کی علالت کے زمانہ میں ۹۳۶ھ میں پیش کیا، بابر کی وفات کے بعد ہمایوں نے اس کی سرپرستی کی، چنانچہ یوسف نے طب میں ایک کتاب ریاض الادویہ ۹۴۱ھ میں ہمایوں کے لیے تحریر کی، فن طب میں یوسف کی تین اور تالیفات

کی ہمت افزائی سے اس نے اپنی پہلی کتاب مآثر الملوک لکھی، جس میں ملوک و اولیا کے اقوال، پند و نصائح کے علاوہ خلفائے بنی امیہ و بنو عباس کے ساتھ ساتھ طاہریوں، سامانیوں اور غزنویوں کی تاریخ بھی ہے، میر علی شیر کے نام سے اس نے اپنی ایک دوسری کتاب خلاصۃ الاخبار فی بیان احوال الاخیار معنون کی جو روضۃ الصفا کی تلخیص ہے، میر علی شیر کی سوانح حیات بھی مکارم الاخلاق کے نام سے لکھی، سلطان حسین کے ایک دوسرے وزیر خواجہ کمال الدین محمود کے نام سے دستور الوزراء معنون کی، اس میں آغاز اسلام سے لیکر ۹۱۵ھ تک کے ممتاز وزراء اور سلاطین کے حالات ہیں، یہ کتاب ۹۱۵ھ میں تیار ہوئی، اسی زمانہ میں خواند امیر نے اخبار الاخیار، جواہر الاخبار اور غرائب الاسرار قلمبند کیں، جن میں شاید صوفیانہ مسائل پر مباحث اور اولیاے عظام کے کوائف ہیں، روضۃ الصفا کی تکمیل کے لیے خواند امیر نے اس کی ساتویں جلد ۹۲۹ھ میں ختم کی جس کی اہمیت آج بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتی ہے، اسی سال اس نے فن انشا پر نامۂ نامی تحریر کی، سیاسی انقلابات سے ہرات جب ایران کے حکمراں شاہ اسمٰعیل کے زیر نگیں ہوگیا، تو خواند امیر اس علم دوست بادشاہ کے متوسلین میں سے ہوگیا، خواند امیر اس بادشاہ کے الطاف و اکرام کا معترف ہے، وہ کچھ دنوں جرجان اور غرجستان کے والی مرزا محمد زمان کی فیاضیوں اور زرپاشیوں سے بھی سیراب ہوتا رہا، شاہ اسمٰعیل صفوی کے وزیر کریم الدین حبیب اللہ کی سرپرستی میں اس نے حبیب السیر فی اخبار افراد البشر تین جلدوں میں ترتیب دی جو ابتداے عالم سے ۹۳۰ھ تک تاریخی واقعات پر مشتمل ہے، اور اب تک اہم تاریخوں میں شمار کی جاتی ہے، اس کتاب کے ختم ہونے سے پہلے حبیب اللہ کا انتقال ہوگیا، جس کے بعد خواند امیر کے دن اچھے نہیں رہے، اسی لیے ۹۳۳ھ میں وہ ہرات سے قندھار چلا آیا، قندھار سے آگرہ ۹۳۵ھ میں بابر کے پاس پہنچا، بابر اس کی علمی شہرت سے واقف ہوچکا تھا، اس لیے بڑی گرم جوشی اور عقیدت سے اس کا استقبال کیا، اور اپنا ندیم خاص

ہمایوں اور علم ہیئت | ہمایوں علم ہیئت و نجوم سے خاص شغف رکھتا تھا، اور اس فن میں بہت اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی، بدایونی لکھتا ہے،

"در علوم نجوم و ہیئت و سائر علوم غریبہ بے نظیر"[1]

اکبر نامہ میں ہے:۔

"توجہ اقدس باصطرلاب و کرہ و سائر آلات رصدی درجۂ کمال داشت"[2]

طبقات اکبری جلد دوم (ص ۱۰۴) کا مصنف رقمطراز ہے:۔

"و در علم نجوم و ریاضی بے بدل بود"

ہمایوں نے ہیئت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا، جو ہیئت کے تمام فنون اور رصدبندی میں ماہر تھے، وہ ہمایوں کو اس قدر عزیز تھے کہ ان سے کسی حال میں جدا ہونا گوارا نہ کرتا تھا، چنانچہ جب تخت و تاج کھو کر ہندوستان سے دور عراق و ایران میں غریب الوطن پھر رہا تھا تو اس مصیبت اور پریشان حالی میں بھی علامۂ موصوف سے ہیئت و نجوم کا درس لیتا تھا، اس سفر میں شیخ ابوالقاسم جرجانی بھی ساتھ تھے، یہ دونوں عالم ہمایوں کو قطب شیرازی کی کتاب درۃ التاج کا سبق دینے میں مشغول رہتے، اکبر نامہ میں ہے:۔

"و از ہمیں حدود مولانا نورالدین محمد ترخاں بجہت طلب شیخ ابوالقاسم جرجانی و مولانا الیاس اردبیلی کہ بفضائل صوری و کمالات معنوی آراستگی داشتند، فرستادند و در کابل آمدہ بشرف ملازمت مشرف شدند و از آمدن ایں دو عزیز بسیار ضبط و منشرح گشتند و مذاکرہ کتاب درۃ التاج درمیان آوردند"[3]

آوارۂ غربت ہونے کے باوجود اس فن سے ہمایوں کی دلچسپی برابر قائم رہی، اور جب کبھی وہ

---

[1] منتخب التواریخ بدایونی ج ا ص ۴۶۸، [2] اکبر نامہ ص ۲۲۰، [3] اکبر نامہ ص ۲۲۱،

ہیں جن کے نام جامع الفوائد اور فوائد الاخیار ہیں. فن انشا پر ایک تصنیف بدایع الانشا بھی اسی کے نام سے منسوب کی جاتی ہے[1]

محمد بن اشرف الحسینی الرستمداری بابر اور ہمایوں دونوں کے ساتھ وابستہ رہا، بابر کو ہندوستان کی تسخیر کے سلسلے میں جتنے جواہرات ملے ان کے اقسام پر محمد نے ایک کتاب جواہر نامۂ ہمایونی لکھی، اس میں جواہرات سے متعلق مفید معلومات اور مباحث ہیں[2]

ہمایوں کے عہد میں، اور شاید اسی علم دوست بادشاہ کے لیے مولانا محمد بن علی بن محمد المسکن القاضی السمرقندی نے ایک ضخیم کتاب جواہر العلوم ہمایونی لکھی، یہ مختلف علوم وفنون کی قاموس ہے. جو ایک ہزار چھ سو اٹھائیس صفحے پر مشتمل ہے[3]

جوہر۔ ہمایوں کا آفتابچی تھا، خلوت اور جلوت میں برابر بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا، کچھ دنوں کے لیے ہیبت پور کا محاصل اور پھر سرکار پنجاب وملتان کا خزانچی بھی مقرر ہوا، ہمایوں کی وفات کے بعد ۹۹۵ھ میں **تذکرۃ الواقعات** لکھنی شروع کی، جس میں ہمایونی عہد کے سیاسی واقعات ہیں، یہ کتاب تصنع اور تکلف سے پاک ہے، اس لیے ایک مفید تاریخی لٹریچر سمجھا جاتا ہے، میجر چارلس اسٹوارٹ نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے،

ہمایوں کے ایک دوسرے ہم جلیس **بایزید** نے ۹۹۹ھ میں اکبر کی فرمایش سے **تاریخ ہمایوں** لکھی، جس میں سیاسی حالات کے علاوہ ہمایوں کے عہد کے فضلاء وشعراء کا بھی ذکر ہے. میری نظر سے یہ کتاب نہیں گزری، (دیکھو مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری نمبر ۹۵ جلد اول)

---

[1] برٹش میوزیم مخطوطات فارسی ص ۵۰۴ و ۵۲۹، [2] ایضاً ص ۹۶ و ۹۵، [3] اس کتاب کے کچھ اقتباسات کے لیے نقل در بار میں فارسی ادب" از عبدالغنی دیکھو،

ہمایوں کو اس فن میں اس قدر انہماک تھا کہ اس نے اپنی عزیز جان تک اسی فن کی خدمت میں گنوا دی، پرانی دہلی میں قلعہ کے اندر شیر شاہ نے شیر منڈل کے نام سے ایک بہت بلند سہ منزلہ عمارت بنوائی تھی، ہمایوں نے اس عمارت کی برجی کو بلندی کے سبب سے رصدخانہ بنا دیا تھا، ایک شام کو ستارۂ زہرہ کے طلوع ہونے کا گمان کیا جا رہا تھا، بادشاہ ریاضی دانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسی برجی میں بیٹھ کر مباحث میں مصروف تھا، اور زہرہ کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی، بادشاہ اذان سنکر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینہ سے پھسل کر گرا، اور سخت زخمی ہوا، اور پھر اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا،[1]

بادشاہ کو جو شغف ریاضیات و فلکیات سے تھا اس کے اثر سے ملک میں بھی علم ہیئت کا ذوق پیدا ہوا اور ملک میں عام طور پر آلات فلکی بننے لگے،

کرے اور اصطرلاب جو عموماً مدارس میں آج نظر آتے ہیں، ان کا ابتداءً رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا، اس نے خود ایک خاص قسم کا اصطرلاب ایجاد کیا تھا، جو "اصطرلاب ہمایونی" کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ اس کے عہد کے اکثر اصطرلاب اور کرات اب تک مختلف مقامات میں محفوظ ہیں،[2]

ہمایوں کا سپہ سالار بیرم خان خانخاناں فارسی و ترکی کا ایک اچھا شاعر اور صاحب دیوان تھا،[3] اس نے ہمایوں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا، اس میں اصطرلاب سے تشبیب کی ہے، جو ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کا بین ثبوت ہے، کہتا ہے:-

آں چرخ چیست کا مدہ بر محورش مدار   آں مدرکز میانہ شہابش کند گذار

---

[1] اکبر نامہ ص ۳۶۳، [2] دیکھو مضمون "لاہور کا ایک فلکی آلات ساز"، از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف جلد ۳ نمبر ۲ ص ۸۰، [3] بیرم خاں نے نظری سمرقندی سے شاہنامہ کے طرز پر ایک مثنوی شاہنامہ ہمایونی لکھانے کی کوشش کی مگر وہ مکمل نہ ہو سکی،

کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا ہیئت اور نجوم کے آلات تلاش کرتا تھا، اکبر نامہ میں ایک دلچسپ لطیفہ لکھا ہے، کہ جب وہ تبریز پہنچا تو آپ نے ملازم بیگ محمد آختہ بیگی کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو، فارسی میں کرہ گھوڑے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، خوش فہم نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند بچھڑے لے کر خدمت شاہی میں حاضر ہوا، بادشاہ اس غول بیابانی کو دیکھ کر ہنس پڑا۔[1]

ہمایوں کی مہارت فن کی ایک دلیل یہ بھی ہے، کہ وہ علما کی طرح ہیئت و ریاضی کا درس دیتا تھا، نورالدین ترخاں نوری سفیدونی نے جو ریاضی، نجوم اور حکمت کے ممتاز عالم تھے، ہمایوں ہی سے درس حاصل کیا تھا، مآثر الامرا میں مولانا مذکور کے حال میں ہے،

> مولانا بفضل وکمال وشجاعت وسخاوت اتصاف داشت و بہیئت وہندسہ و اصطرلاب شوق مند بود......... وصحبتش باجنت آشیانی (ہمایوں) کوک گشتہ، واز جملہ ندیمان ومجلس نشینان بزم ہمایونی گردید......... گاہے بادشاہ از و استفادۂ علوم می کرد، وگاہے او از علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب ہمایونی کہ دریں فن مہارت تمام داشت استفاضہ می نمود،،[2]

ہمایوں نہ صرف خود ان علوم میں مہارت حاصل کرتا رہا، بلکہ ملک کے نجومیوں کی واقفیت میں بھی اضافہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، اس نے کئی جگہ رصد خانے بنانے کا ارادہ کیا اور بہت سے آلات رصد ترتیب دیے،[3] سلطان سلیمان خان کے ترکی امیر البحر کو جو علم ہیئت کا بہت بڑا عالم تھا، کئی مہینے اپنے دربار میں روک رکھا تاکہ وہ چاند اور سورج کے گرہنوں کا حساب تیار کرے، اور ہندوستان کے نجومیوں کو آفتاب کی گردش اور خط استوا کے نکات پڑھنے میں مدد دے، ترکی امیر البحر کئی مہینے کام میں مصروف رہا، اور نجومی مشاہدات ختم کیے،[4]

---

[1] اکبر نامہ ص ۲۲۲ [2] مآثر الامرا، ج ۳ ص ۴۷۸ [3] اکبر نامہ ص ۳۶۰ [4] ترجمہ مرآۃ الممالک پروفیسر دیمبری باب ہشتم، بحوالہ معارف ج ۲۲ ص ۵۸

ذریعہ سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے، بقیہ لوگوں کو اہل مراد سے موسوم کیا،

اسی فلکیاتی اصول پر ہفتہ کے دنوں کو بھی ان جماعتوں سے منسوب کیا، روز شنبہ و پنجشنبہ کو اہل سعادت سے متعلق کیا، ان دونوں دنوں میں وہ علم و عبادت کے ناظموں کے ساتھ وقت گذارتا تھا، اہل سعادت کے ساتھ ان دنوں کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ تھی کہ شنبہ زحل کے ساتھ منسوب ہے، اور زحل مشائخ کا قدیم مربی سمجھا جاتا ہے، پنجشنبہ مشتری سے متعلق ہے، وہ علماء کا ستارہ ہے، یکشنبہ و سہ شنبہ اہل دولت سے متعلق تھے، ان میں امور سلطنت انجام پاتے تھے، یہ دن اس لیے مقرر کیے گئے تھے کہ یکشنبہ آفتاب سے متعلق ہے، اس کی تربیت کے پرتو سے سلطنت و فرمانروائی ہوتی ہے۔ سہ شنبہ متعلق ہے مریخ سے اور مریخ سپاہی کا مربی ہے، ہمایوں نے جمعہ کا مبارک دن اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا، بقیہ دو دن اہل مراد کے لیے وقف تھے۔

ہمایوں نے دو خرگاہ بنائے تھے، جن کی ساخت خالص ہیئت کے اصول پر تھی۔ ایک خرگاہ کو آسمان کے برجوں کی طرح بارہ حصوں میں تقسیم کیا تھا، اور ہر برج میں ایک نجوم آویزاں تھا، جس کے سوراخوں سے کواکب دولت کے انوار چمکتے تھے، دوسرا خرگاہ یونانی ہیئت کے نو دن آسمانوں کی پوری نقل تھی، ہر آسمان میں جو ستارے ہیں ان کے نمونے اس میں بنے تھے۔

ہمایوں کی سب سے دلچسپ نجومی اختراع بساط نشاط تھی، اس بساط میں فلکی دوائر و کرات عناصر بنائے تھے، پہلا دائرہ جو فلک اطلس سے منسوب تھا سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ، چوتھا مشتری کے لحاظ سے صندلی، پانچواں مریخ کے تعلق سے سرخ، چھٹا نیر اعظم یعنی آفتاب کی مناسبت سے زریں، ساتواں زہرہ کے سبب سے سبز، آٹھواں عطارد کے لحاظ سے سوسنی، نواں ماہتاب کے تعلق سے سفید، ماہتاب کے دائرہ کے بعد آگ اور ہوا کے کرے بالترتیب

با آنکہ می کند بہ وخور برابری — آمد بجاں ز حلقہ بگوشانِ شہریار
تا در بچشم کوکبۂ آفتاب را — چوں ہجۂ لوائے شہنشاہ نامدار
پیوستہ آسمان وزمیں زیر حکم اوست — ہمچو نگین خاتم شاہِ جسم اقتدار
برکف نہادہ خوانِ زری پر ز اشرفی — تا بر قدوم اشرف شاہاں کند نثار
شاہ بلند قدر ہمایوں کہ از شرف — بر درگہش سپہر نہد روئے افتقار[1]

ہمایوں کے تمام خانگی، ملکی اور سیاسی کاموں میں ہیئت اور نجوم کے اصول کا لحاظ رکھا جاتا تھا، ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ جب ہمایوں کی شادی حمیدہ بانو سے قرار پائی تو ہمایوں نے خود اصطرلاب اٹھا کر ستاروں کی گردش معلوم کر کے تاریخ مقرر کی،[2] اکبر جب امر کوٹ کے صحرا میں پیدا ہوا تو ہمایوں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ماہتاب برج اسد میں ثابت ہے، اس نے اسی وقت پیشنگوئی کی کہ اکبر صاحب اقبال اور دراز عمر ہوگا، جو مستقبل میں حقیقت ثابت ہوئی،[3]

ہمایوں اپنے فلکیاتی ذوق کے سبب سعد اور نحس کا اس قدر قائل تھا کہ وہ ملک کے تمام کاموں کو اسی اصول کے ذریعہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا تھا جس زمانہ میں کابل کا انتظام اس کے سپرد تھا، اس نے ایک روز ان تین آدمیوں کے نام فال لیے جو ایک مقررہ دن اس کو راہ میں ملے، ان تین آدمیوں کے نام مراد خواجہ، سعادت خواجہ اور دولت خواجہ تھے، ہمایوں نے اپنی سلطنت کی اساس انہی ناموں پر رکھی، ممالک محروسہ اور ملازموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا، دولت، سعادت، مراد، کل سپاہیوں کا نام اہل دولت رکھا، کیونکہ انہی کی مساعدت پر دولت و اقبال کا انحصار ہے، حکماء و علماء و مشائخ اور شعراء کو اہل سعادت کہا، کیونکہ ان کے

---

[1] بدایونی ج ۳ ص ۱۹۱، [2] ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۵۲ [3] ایضاً ص ۵۵

کیا ہوگا، چنانچہ جب وہ ہندوستان کے تخت وتاج کا ازسرنو مالک ہوا، اور اس کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو دہلی کے شیر شاہی قلعہ میں شیر منڈل کے نام سے جو سہ منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی اس کی تیسری منزل پر اس نے اپنا کتب خانہ قائم کیا، یہ اپنی بلندی کے سبب سے کسی قدر رصد خانہ کا کام بھی دیتی تھی، یہاں بیٹھکر اہل علم سے اکثر علمی مباحثہ کرتا تھا، شاہی کتبخانہ کا مہتمم نظام المعروف بہ بازبہادر تھا،[1]

کتابوں سے ہمایوں کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتبخانہ اپنے ساتھ رکھتا، چنانچہ جب وہ کھمبایت کا محاصرہ کررہا تھا تو اس کے ساتھ منجملہ اور کتابوں کے تاریخ تیمور کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے اپنے کمال فن سے مصور کیا تھا، اس محاصرہ میں ایک جنگلی قبیلہ نے شاہی خیمہ پر شبخوں مارا تو لوٹ کے مال میں یہ نادر نسخہ بھی جاتا رہا، لیکن پھر فوراً ہی واپس مل گیا،[2]

جب ہمایوں بے تخت وتاج عراق، ایران اور افغانستان میں پھر رہا تھا تو اس وقت بھی چیدہ چیدہ کتابیں اس کے ساتھ تھیں۔ اور اس کے کتب خانہ کا مہتمم اس کے ہم کاب تھا،[3]

ہمایوں اور تعلیمی ادارے ہمایوں کا زمانہ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گذرا، اس لیے اس کو عام طور پر تعلیمی مدارس اور ادارے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا، پھر بھی دہلی میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے،[4] پھر اسی عہد میں شیخ زین الدین خوافی جو نظم و نثر کے بہت بڑے عالم تھے، آگرہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا،[5]

---

[1] تزک جہانگیری، [2] اکبرنامہ ج ۱ ص ۱۳۷، [3] اکبرنامہ دفتر اول، [4] آئین اکبری، [5] منتخب التواریخ بدایونی ص ۱،۴،

بنے ہوئے تھے، اس کے بعد کرۂ خاک و آب تھا، کرۂ خاک میں ساتوں اقلیموں کے نقشے بنے ہوئے تھے، ہر دائرہ مختلف قسم کی جماعت کے لیے مخصوص تھا، مثلاً امرائے ہندی کو دائرہ زحل میں اور سادات و علماء کو دائرۂ مشتری میں بیٹھنے کا حکم تھا، ہمایوں نے اپنی ذات کے لیے دائرۂ زریں اختیار کیا تھا، اسی طرح نجوم کے قاعدہ سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ ہوتا اس دن وہی رنگ پورے دربار کا ہوتا تھا، مثلاً یکشنبہ کو آفتاب کے رنگ کے لحاظ سے زرد لباس اور دوشنبہ کو ماہتاب کے رنگ کی مناسبت سے سبز لباس پہنا جاتا۔[1]

ہمایوں اور علم ریاضی نجوم و ہیئت کے لیے علم ریاضی ایک لازمی چیز ہے، اس لیے ہمایوں اس علم میں بھی بڑی اچھی استعداد رکھتا تھا، اس کے عہد کے تمام ممتاز ریاضی دان اس کے حضور میں حاضر رہتے، اکبر نامہ میں ہے:۔

"در اقسام خاصہ ریاضی در زمان خود نظیر و سہیم نہ داشتند"،

ایک دوسری جگہ ہے:۔

"در اقسام علوم ریاضی آنحضرت را پایہ بلند بود و ہموارہ با ارباب حکمت صحبت می داشتند
و ممتازان علم ریاضی در پایۂ سریر والا کامیاب سعادت بودند"[2]

فرشتہ لکھتا ہے:۔

"در علم ریاضی علم مہارت می نزاشت، مدار صحبتش با علماء و فضلا بودہ، ہمہ وقت در مجلس او
مسائل علمی مذکور می شد"[3]

ہمایوں اور کتبخانہ کا ذوق ظاہر ہے کہ ہمایوں نے اپنے علمی ذوق کے سبب کتابوں کا ذخیرہ جمع

---

[1] ان تفصیلات کیلئے دیکھو قانون ہمایونی (بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، اور ایلیٹ جلد پنجم ص ۱۲۰، ۱۲۶)

[2] اکبر نامہ ص ۳۶۸، [3] فرشتہ جلد اول مقالہ دوم ص ۲۴۳

واسطرلاب دانانِ وقت شناس ساعتے خاص برائے افتتاح تعلیم آن حضرت تعین فرمودہ بودند کہ دما و دار و اعمار ہمم نتواند رسید، چون ساعت مختار رسید آن محبوب با آداب الٰہی بہ لباس بازی در آمدہ در پردہ احتجاب مختفی شدند، و بآن ہمہ توجہ و اہتمام بادشاہی ہر چند تکاپوئے فرمودند پے بآن حضرت نبردند. و آنگاہ دلان روشن ضمیر ازین سر بدیع دریافتند کہ مقصود ازین آنست کہ آن خداوند خرد والا کہ مخصوص بہ تعلیم ایزدی ست بعلوم رسمی روزگار مشوب و منسوب نشود تا در ہنگام ظہور این خدیو نکتہ شناس بر زمانیان ظاہر شود کہ دانشوری این پادشاہ دانشوران از قسم موہبتے ست، نہ از جنس مکتسبی و با وجود این معنی بر ضمیر اقدس آنحضرت نقوش حرفی و علوم رسمی چہ از انچہ رقم زدۂ قلم اہل فنون شدہ و چہ از ان نکات اسرار کہ از مبدء فیاض بے توسط تعلیم و تعلم بر باطن انور رفائز گشتہ جلوہ ظہور دارد، و لہذا ارباب حکمت و اصحاب ریاضت و صاحبان علوم ظاہری و دانشان صنائع کلی و جزوی چون در بساط حضور اقدس میرسند، از شناسائی خود سر خجالت بگریبان تامل فرو بردہ، حیران می مانند، القصہ چون چندگاہ پیش آن افادات انتساب بخواندنی زبون تر از ناخواندن اشتغال داشتند اہل ظاہر بر عدم کوشش آخون حمل کردہ در تغییر آن اہتمام نمودند. و آن بیچارہ را معزول ساختہ خدمت او را بمولانا بایزید مقرر ساختند و ندانستند کہ کارفرمایان ابداع اہتمام دارند کہ ضمیر الہام آن نور پرور دایزدی محل انعکاس نقوش مداوی و مورد انطباع سواد علوم ظاہری نگردد،"[1]

ملا عصام الدین ابراہیم اور مولانا بایزید کے علاوہ اکبر کے استادوں میں مولانا پیر محمد خان

---

[1] اکبر نامہ ج ا ص ۲۷۱، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، یہ طویل اقتباس اس لیے بھی درج کیا گیا ہے کہ اکبر نامہ کے طرز انشا، کا نمونہ پیش نظر ہے۔ آگے چل کر اس کتاب کی خصوصیات کا ذکر آئے گا۔

اکبر

ہمایوں کی زندگی جس طرح آوارہ گردی اور پریشان حالی میں گذری وہ سب کو معلوم ہے شہزادہ اکبر کو چند سال بھی اپنے بزرگ باپ کے ساتھ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا، اور اکثر ظالم چچا کے پنجہ میں گرفتار رہا، اور ابھی تیرہ ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور سلطنت کا بار عظیم اس کے کندھوں پر رکھدیا گیا، اس حالت میں اس کی تعلیم کہانتک ہو سکتی، تاہم ہمایوں کی علم دوستی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے لڑکے کی تعلیم سے غافل نہ رہے، چنانچہ ان ہنگامہ پرور واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ اکبر کی تعلیم کی سخت نگرانی رکھتا تھا، وہ جب ۴ سال ۴ مہینے اور ۴ روز کا ہوا، تو اس نے مکتب کی رسم ادا کی،

ابوالفضل رسم مکتب کی تقریب کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:۔

"در ہفتم شوال ایں سال کہ از عمر ابد پیوند، حضرت شاہنشاہی چہار سال و چہار ماہ و چہار روز شدہ بود، بآئین رسم و عادت آن آموختہ درسگاہ الٰہی و رموزدان بستان ربانی را در مکتب بشری در آوردند و ملازادہ ملا عصام الدین ابراہیم را باین خدمت گرامی شرف اختصاص بخشیدند، اگرچہ در نظر ظاہر بینان بآموزش فرستادند، اما در دیدہ دوربینان بارگاہ ظہور آن حضرت را بپایۂ والائے آموزگاری بردند، از غرائب آنکہ حضرت جہانبانی کہ از علوم آسمانی آگاہ بودند، و بدقائق نجوم می رسیدند، باتفاق ستارہ شماران بلاریکت بین

بہرحال اکبر کے امی محض ہونے کا دعوی شک و شبہہ سے خالی نہیں، لیکن یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ اس کم سوادی اور علمی کم مایگی کے باوجود اس کے دل میں علوم و فنون کا شوق اور ان کی قدردانی کا جوش اتنا تھا کہ جو کسی عالم بادشاہ کو بھی نہیں ہوا، اس کے ذاتی شوق کا یہ عالم تھا کہ فارسی کی مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اس کے سامنے پڑھی نہ گئی ہو، اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوسنامہ، مکتوبات شرف منیری، گلستاں، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جم، بوستاں، شاہنامہ، خمسۂ شیخ نظامی، خسرو اور مولانا جامی کے کلیات، خاقانی اور انوری کے دیوان اور ہر قوم کی تاریخیں اس کے سامنے بلاناغہ پڑھی جاتی تھیں، پڑھنے والے ہر روز جہاں ختم کرتے تھے، وہاں اکبر اپنے ہاتھ سے نشان (شاید صفحہ یا تاریخ کا) بنا دیتا تھا[۱]، اور جب کتاب ختم ہو جاتی، تو پڑھنے والے کو جیب خاص سے انعام دیتا، اسی وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا، کہ کوئی تاریخی سرگذشت یا فقہی مسئلہ یا علم و فن اور فلسفہ و حکمت کا نکتہ ایسا نہ تھا جو اس کے علم میں نہ ہو، اور جس پر وہ خود بحث اور گفتگو نہ کر سکتا ہو، دیوان حافظ اور مثنوی مولانا روم کے بہت سے اشعار اس کو یاد تھے[۲]، اس کے علمی مذاق کے متعلق جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے:-

"و بدقائق نظم و نثر چنان می رسیدند کہ، فوقے بر آن متصور نبود" (ص ۵ نولکشور پریس)۔

اکبر کا علمی و ادبی ذوق اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ وہ خود اشعار بھی کہنے لگا تھا، ابوالفضل کا طرز ہے:

"و طبع الہام پذیر آنحضرت بگفتن نظم ہندی و فارسی بغایت موافق افتادہ و در دقائق تخیلات شعری نکتہ سنجی و موشگافی می فرمایند،"[۳]

تاریخ فرشتہ میں ہے

"اگرچہ خط سواد کامل نداشت، اما گاہے شعر گفتے و در علم تاریخ وقوفے تمام داشت"

[۱] آئین اکبری ص ۷۷، [۲] اکبرنامہ ج ۱ ص ۲۷۱، [۳] ایضاً، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

نقیب خاں، مولانا عبد القادر بیرم خان، اور مولانا میر عبد اللطیف قزوینی کے نام بھی لیے جاتے ہیں، میر عبد اللطیف قزوینی اکبر کو دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے۔[1]

اب سوال یہ ہے کہ ہمایوں کی کوشش اور ان مختلف استادوں کی تعلیم کہاں تک بارآور ہوئی، اکبر کے خوشامدی مورخین تو اس کو امی محض بتاتے ہیں، چنانچہ ابھی آپ دیکھ چکے کہ ابو الفضل اسکو امی بتا کر اس کی تشریح یوں کرتا ہے کہ پروردگار کو ثابت کرنا تھا کہ یہ برگزیدۂ الٰہی علوم ظاہری کی تحصیل کے بغیر ہمارے نامتناہی فیوض کا منبع ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ اس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ اہل عالم پر یہ روشن ہو جائے کہ اکبر کی تمام عقل و دانش خداداد یعنی الہامی ہے، کسی بندہ سے حاصل کی ہوئی نہیں، ابو الفضل کی یہ ساری توجیہ ظاہراً اس لیے ہے کہ وہ اکبر کو پیغمبروں کی صف میں لاکر کھڑا کرنا چاہتا ہے،

لیکن اس کو کون مان سکتا ہے، کہ ہمایوں کی اتنی توجہ اور استادوں کی اتنی کوشش کے باوجود اکبر لکھنا پڑھنا کچھ جانتا ہی نہ تھا، حالانکہ اس کے لیے یکے بعد دیگرے کئی استاد مقرر ہوئے، جہاں ایک استاد کی غفلت معلوم ہوئی، وہ فوراً علحدہ کر دیا گیا۔ اور دوسرا مقرر ہوا، اس کے باوجود وہ نوشت و خواند سے اتنا نابلد رہا، کہ اپنا نام تک بھی اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا تھا، ابو الفضل آئین اکبری میں "آئین آموزش" کے عنوان سے یہ لکھتا ہے کہ "گیتی خداوند" کے کہنے سے "حرف آموزی و تعلیم" کا ایک طریقہ نکالا گیا ہے جس سے بچے برسوں کی تعلیم مہینوں میں حاصل کر لیتے ہیں، جو شخص "آئین آموزش" کے اتنے دقیق نکتہ کو اس آسانی سے حل کر لیتا ہے، اس کے متعلق یہ کیونکر کوئی مان سکتا ہے کہ وہ حرف شناسی سے محروم تھا،

---

[1] منتخب التواریخ، بدایونی، ج ۳، ص ۹۰، [2] رائل ایشیاٹک سائٹی میں ظفر نامہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، اسکے سرورق پر اکبر کے دست خاص کا لکھا ہوا لفظ "فرور دین" موجود ہے، اس کے نیچے جہانگیر کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تصدیق ہے کہ یہ لفظ عرش آشیانی کا لکھا ہوا ہے، اور پھر اس کے نیچے شاہجہان کی تحریر ہے۔ (جامعہ بابت ماہ جنوری ۲۹ء)

کمتر باشم ز قیصر و جال امروز   فردا من اگر جدا نسازم سر تو

خان زماں نے پھر لکھ بھیجا،

تا ہست اثر خالصہ در کشور تو   مشکل کہ من جنگ کند لشکر تو

بگذر ز زر و سیم کہ تا نوکر تو   از سر گذر د برائے سیم و زر تو

اکبر کا جواب تھا:۔

با آنکہ بود خاک درم افسر تو   امروز من فردا نیاید سر تو

از دولت من ہست ترا سیم و زری   وز زور زر است قدرت لشکر تو

خان زماں شاہی فوج کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا، بالآخر اس نے سپر ڈال دی، اور معذرت پیش کی،

اے شاہ زمان منم کمین نوکر تو   وز ترس نمی توانم آمد بر تو

از دور تو قصد کشتن من داری   نزدیک چسان توانم آمد بر تو

اکبر نے خان زماں کو معاف کر دیا، اور لکھا،

گفتی تو چو راستی خدایا در تو   صد رحمت حق بر پدر و مادر تو

تغیر مدہ تو سکہ و خطبۂ من   تا من نکنم آرزوے کشور تو[1]

تذکرۂ روز روشن میں اکبر کا ذکر شعراء کے زمرہ میں کیا گیا ہے، اور اس میں اس کے حسب ذیل اشعار منقول ہیں[2]

شبنم مگو کہ بر ورق گل فتادہ است   کان قطرہ ہا ز دیدۂ بلبل فتادہ است

گریہ کردم ز غمت موجب خوشحالی شد   ریختم خون دل از دیدہ دلم خالی شد

---

[1] بیاض اشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔ [2] تذکرہ روز روشن مولفہ نواب صدیق حسن ص ۶۲۰،

وقصص ہندیکو می دانست،[1]

ابوالفضل نے اکبر کے اشعار میں حسب ذیل بیت کو خاص طور سے پسند کیا ہے ۔

نیست زنجیر جنون در گردنِ مجنون را   عشق دست دوستی در گردنش افگندہ است

ریاض الشعراء (مؤلفہ علی قلی والہ داغستانی) میں بھی اکبر کے کچھ اشعار منقول ہیں، عبداللہ خاں اوزبک والی توران کو ایک موقع پر اس نے حسب ذیل مستزاد رباعی لکھ بھیجی:۔

عمرم ہمہ در فراق و ہجران بگذشت   با درد و الم

این عمر گرانمایہ چہ ارزان بگذشت   در رنج و ستم

عمریکہ بشد صرف سمرقند و ہری   با عیش و طرب

افسوس کہ در آگرہ ویران بگذشت   با غصہ و غم

اکبر کی ایک منظوم خط وکتابت کی بھی مثال ملاحظہ ہو، علی قلی خان جس کو خان زمان کا خطاب ملا تھا، ہمایوں کے ممتاز امرا میں سے تھا، جونپور کا حاکم بنا کر بھیجا گیا، اکبر کے عہد میں اس نے علم بغاوت بلند کیا، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اکبر خود مہم میں شریک ہوا، خان زمان علم پرور ہونے کے علاوہ خود بھی شاعر تھا، سلطان تخلص کرتا تھا (مآثر الامراء ج ا ص ۶۳۰) اس نے سخت لب ولہجہ میں اکبر کے پاس یہ اشعار لکھ بھیجے،

اے سد سکندر زمانہ درِ تو   یاجوج بود سپاہی لشکر تو

در دورِ تو آثار قیامت پیداست   دجال توئی خواجہ امینا خر تو

اکبر نے اپنے حریف کو اسی انداز اور درشتی سے جواب دیا

اے خانِ زمان کہ پر بود لشکر تو   شد دولت من باعث کر و فر تو

---

[1] تاریخ فرشتہ

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں بھی کیں، اور نقادانِ فن نے اس کی تنقید کی داد بھی دی،[1] ایک بار محفل نغمہ و سرود میں اس کے سامنے فغانی کا یہ شعر پڑھا گیا

مسیحا یار و خضرش ہم رکاب و ہم عنان عیسے — فغانی آفتاب من بدین اعزاز می آید

اکبر نے دوسرے مصرعہ میں برجستہ اصلاح دی،

فغانی شہسوار من بدین اعزاز می آید

ایک موقع پر ملا طالب صفاہانی کی حسب ذیل رباعی پڑھی گئی جس میں حکیم ابو الفتح گیلانی کی موت پر افسوس، اور اس کے بھائی حکیم ہمام کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا،

عمر دو برادرم کہ دمساز آمد — او شد بہ سفر وین ز سفر باز آمد

او رفت بدنبالہ او عمر برفت — وین آمد و عمر رفتہ ام باز آمد

اکبر نے اس رباعی کو سنا تو کہا کہ دنبالہ کے لفظ سے شعر میں گرانی پیدا ہو گئی ہے، اس لیے یہ مصرعہ اس طرح پڑھا جائے تو بہتر ہے،

او رفت و در رفتنش مرا عمر برفت

اکبر کو علم و فن سے جو خاص طبعی مناسبت تھی، اس کا اندازہ ان صحبتوں سے بھی ہوتا ہے، جو اس کے دربار کا ایک ضروری جزو تھیں، اور جس میں ہر فن کے ارباب کمال جمع ہو کر مختلف مسائل پر بحث و تحقیق کرتے تھے، اور ان میں اکبر خود برابر کا حصہ لیتا تھا، خوش قسمتی سے اس کے دربار میں ایسے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے جو کسی ایک عہد میں کم نظر آتے ہیں، عام طور پر لوگ اکبر ہی عہد کی عظمت صرف سیاسی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشاں نہیں، یوں تو ہندوستان کی مغل حکومت کی تاریخ میں علم پروری اور علم نوازی اس حکومت کی بنیاد کے ساتھ ہی نظر آتی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ علوم و فنون کا عظیم الشان قصر اس کم سواد

[1] منتخب جلد ۲ ص ۱

قطعہ

دوشینہ بکوے می فروشان — پیمانۂ مے بزر خریدم

اکنون ز خمار سر گرانم — زر دادم و درد سر خریدم

رُباعی

از بار گنہ خمیدہ پشتم چکنم — نے راہ بسجدہ نہ کنشتم چکنم

نے وصف کافر نہ مسلمان جایم — نے لائق دوزخ نہ بہشتم چکنم

ایضاً

من یاد دلم کہ خون شد از دوری او — من یار غمم ز دست مجبوری او

در آئینہ چرخ نہ قوس قزح است — عکسی است نمایان شد از جوری او

محمد حسین آزاد دربار اکبری میں مذکورۂ بالا اشعار میں سے دوسرے شعر، قطعہ اور دوسری رباعی کے علاوہ حسب ذیل دو شعر اور نقل کرتے ہیں،

من بنگ[1] نمی خورم مے آرید — من چنگ نمی زنم نے آرید

حاجی بسوئے کعبہ رود از برائے حج — یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوے ما

ان اشعار کو نقل کرتے ہوئے محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ

"اشعار جو اس کے (یعنی اکبر کے) نام پر کتابوں میں لکھے ہیں، اسی کے ہیں، کیونکہ اگر وہ ملک شاعری میں شہرت چاہتا تو شاعر ہزاروں تھے، جلدیں کی جلدیں تیار کر دیتے، لیکن جب یہی چند شعر اس کے نام پر لکھے ہیں تو اپنی ہی طبیعت کی امنگ ہے، جو کبھی کبھی موقع پر ٹپک پڑی ہے، شاید لفظ یا لفظوں میں کسی نے اصلاح بھی کر دی ہو۔"[2]

---

[1] ایک جگہ من بنگ کے بجائے من قہوہ بھی ہے۔ [2] دربار اکبری از محمد حسین آزاد ص ۱۲۱

کیں، ابوالفضل نے اس پر دو جزو کا خطبہ لکھا ہے[1] جس کے آخر میں ۹۹۵ھ درج ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب پانچ سال کی مدت میں ترجمہ ہوئی، یہ ترجمہ اب تک متفرق کتبخانوں میں پایا جاتا ہے[2]۔

۲- راماین۔ ۹۹۵ھ میں عبدالقادر بدایونی نے شاہی حکم کے بموجب راماین کا ترجمہ کرنا شروع کیا، اور ۹۹۹ھ میں تمام کیا، ترجمہ ایک سو بیس جزپر مشتمل تھا، کتاب کے تتمہ پر مندرجۂ ذیل شعر لکھکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا،

ما قصہ نوشتیم بسلطان کہ رساند جان سوختہ کردیم بجانانکہ رساند

اکبر بہت محظوظ ہوا، اور اس نے خواہش ظاہر کی کہ ملا بدایونی اس کتاب کے آغاز میں کوئی فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کردیں، لیکن ملا صاحب نے کفر والحاد کی کتاب پر کچھ لکھنے سے اغماض کیا[3]، اس کتاب کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں (انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۹۷۳، بوڈلین لائبریری نمبر ۱۳۱۵)

۳- سنگھاسن بتیسی۔ ۹۸۲ھ (۷۵-۱۵۷۴) میں ملا عبدالقادر بدایونی نے سنسکرت کی مشہور کتاب سنہاسنہ دوترنسیتی کا فارسی ترجمہ کیا، اس کتاب میں ہندوؤں کے مشہور راجہ بکرماجیت (مالوہ) کے متعلق بتیس قصے ہیں، اکبر کا حکم پا کر بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے ان قصوں کو فارسی جامہ پہنانا شروع کیا، اور اختتام پر کتاب کا تاریخی نام خرد افزا رکھا، اکبر اس کتاب کو بہت پسند کرتا تھا[4]، (بوڈلین لائبریری، کتاب نمبر ۱۳۲۴)

۴- حیوۃ الحیوان۔ دمیری کی شہرۂ آفاق کتاب حیوۃ الحیوان کو شیخ مبارک نے فارسی

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۳۲۱-۳۱۹ [2] فہرست مخطوطات انڈیا آفس و برٹش میوزیم کتب نمبر ۴-۵۶۳۰، بوڈلین لائبریری کتب نمبر ۴-۱۳۰۶، [3] بدایونی ج ۲ ص ۳۶۶ [4] ایضاً ص ۱۸۴،

فرمانروا کے عہد میں تکمیل کو پہنچا، آیندہ سطروں میں ہم ان تراجم اور تالیفات کا ذکر کرتے ہیں جو اکبر کی سرپرستی میں ظہور میں آئیں، اور جس کی وجہ سے اس کا عہد سلطنت علمی حیثیت سے جگمگا اٹھا

تراجم

مہابھارت، سنہ ۹۹۰ھ میں اکبر کی خواہش ہوئی کہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ ہو، اس کام کے لیے پہلے ہندو پنڈتوں کو جمع کیا، جنھوں نے مہابھارت کے نفس موضوع کی تشریح کی، اس کے بعد ترجمہ کا کام نقیب خان کے سپرد کیا، اور اکبر نے خود کئی متواتر راتوں میں نقیب خان کو ترجمہ کی نوعیت کو سمجھایا، ملا عبدالقادر بدایونی بھی جو زبان سنسکرت کے ایک جید عالم تھے، اس کام پر مامور ہوئے، ملا عبدالقادر مہابھارت کو "مزخرفات لاطائل" بتاتے ہیں، اس لیے بطیب خاطر اس کام کو انجام دینا نہیں چاہتے تھے، لیکن شاہی حکم کی نافرمانی بھی نہیں کر سکتے تھے، چار مہینوں کی کوششوں کے بعد ۱۸ باب (ہژدہ فن) کا ترجمہ کر سکے، بقیہ حصوں کو ملا شیری، نقیب خان اور حاجی سلطان تھانیسری[1] نے ختم کیا، شیخ فیضی نے ترجمہ کی زبان کو سلیس اور فصیح بنانے کی کوشش کی، لیکن وہ دو باب سے آگے نہ بڑھ سکا، حاجی سلطان تھانیسری نے اپنے ترجمہ پر نظر ثانی کرنا شروع کیا، اس کام میں مشغول ہی تھا کہ سیاسی اسباب کی بنا پر اس کو دارالسلطنت چھوڑنا، اور بھکر جانا پڑا، ملا عبدالقادر بداونی کا بیان ہے کہ حاجی سلطان تھانیسری جب یہ ترجمہ کر رہا تھا تو کسی نے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو تو جواب دیا کہ "حرف دہ ہزار سالہ را بزبان حال موافق می سازم" یعنی ہزاروں سال کی پرانی بات کو آج کی بات بنا رہا ہوں، (جلد سوم ص ۱۱۹) ملا شیری مہابھارت کے بارہ میں کہتے تھے کہ یہ افسانہ ایک خواب ہے جو کسی نے بخار کی حالت میں دیکھا تھا (بدایونی ج ۲ ص ۲۴۶) اکبر نے مہابھارت کے ترجمہ کا نام **رزم نامہ** رکھا، اور تمام معرکوں کی تصویریں بنا کر اس میں شامل

---

[1] ملا بدایونی حاجی سلطان تھانیسری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "علوم نقلیہ را خوب ورزیدہ"، آخر وقت میں وہ تھانیسر اور کرنال کا کروری مقرر ہوا تھا۔

۹۔ تاجک۔ علوم نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے، مکمل خان گجراتی نے اس کو فارسی کا قالب پہنایا،

۱۰۔ ہربنس۔ کرشن جی کی زندگی کے حالات ہیں، مولانا شیری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا،

۱۱۔ معجم البلدان۔ شہاب الدین عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی (متوفی ۶۲۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب معجم البلدان کا فارسی ترجمہ ملا احمد ٹھٹھ، قاسم بیگ، شیخ منور اور دوسرے فضلائے روزگار نے مل کر کیا،

۱۲۔ تاریخ کشمیر۔ راج ترنگنی مصنفہ کلھانا، سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں زبان سنسکرت لکھی گئی،، اکبر نے کشمیر کے سفر میں اس کتاب کو دیکھا، اس کی خواہش ہوئی کہ اس کا فارسی ترجمہ ہو، چنانچہ مولانا شاہ محمد شاہ آبادی نے اس کام کو انجام دیا، ابو الفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق چار ہزار برس کا حال لکھا ہے[۱] اس کتاب کا فارسی ترجمہ چھپ گیا ہے[۲]، اس ترجمہ کا انتخاب ملا عبد القادر بدایونی نے بھی سلیس زبان میں کیا، جو شاہی کتبخانہ میں داخل ہوا،[۳]

۱۳۔ کلیلہ دمنہ۔ قصہ کے طور پر حکمت عملی کی ایک مشہور سنسکرت کتاب ہے، ملا حسین واعظ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا، لیکن سخت الفاظ و استعارات سے یہ ترجمہ اس قدر پیچیدہ اور مشکل ہو گیا تھا، کہ اس کا سمجھنا آسان نہ تھا، اکبر نے ابو الفضل کو حکم دیا کہ اصل سنسکرت کو سامنے رکھکر ایسی عبارت میں ترجمہ کیا جائے کہ اس کے پند و نصائح آسانی سے سمجھ میں آئیں ۹۹۶ھ میں ابو الفضل نے اس کام کو انجام دیا، کتاب کا نام عیار دانش رکھا گیا[۴] کتاب کے اختتام پر ابو الفضل نے ایک خاتمہ لکھا ہے، جس میں بعض نادر معانی اور نکات بیان کئے گئے ہیں، (انڈیا آفس لائبریری، کتب نمبر ۷۷، ۷۶، بوڈلین لائبریری نمبر ۴۴۴ - ۴۳۰)

---

[۱] آئین اکبری ص ۷۶، [۲] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۲۰۱، [۳] بدایونی جلد دوم ص ۳۷۴، [۴] آئین اکبری ص ۷۷،

میں ترجمہ کیا، اکبر کو نقیب خان پڑھ کر سناتا، اور معنی سمجھاتا جاتا تھا، اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے اکبر نے اس کے فارسی ترجمہ کا حکم دیا، جو شیخ مبارک کے ذریعہ سے ۹۸۳ھ میں تمام ہوا[۵۱]،

۵۔ **اتھربن**۔ اکبر ہندوؤں کے علوم وفنون سے خاص شغف رکھتا تھا، چنانچہ ان کے مذہب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ان کی مقدس کتابوں کو زبان فارسی میں لانا چاہتا تھا، اتھربن کا فارسی ترجمہ اسی خیال سے اس نے کرایا، اول اول یہ کام ملا عبدالقادر بدایونی کے ذمہ کیا گیا، ایک نومسلم برہمن بھاون ان کو مطلب سمجھاتا جاتا تھا، اور وہ فارسی میں لکھتے جاتے تھے، لیکن اس کی عبارت بہت ہی مغلق تھی، اس لیے وہ یہ کام انجام دینے سے قاصر رہے، چنانچہ فیضی سے فرمایش کی گئی، پھر شیخ ابراہیم سرہندی کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوئی، گو شیخ ابراہیم نے یہ خدمت انجام دی، مگر ترجمہ اکبر کے خاطر خواہ نہیں ہوا[۵۲]،

۶۔ **انجیل**۔ نصرانی مبلغین کو شاہی دربار میں کافی رسوخ حاصل ہو گیا تھا، اکبر نے ان سے دین مسیحی کی جزئیات اور تفصیلات سے واقفیت حاصل کی، اور شہزادہ مراد کو اس کی تعلیم بھی دلائی، اسی سلسلہ میں انجیل کے فارسی ترجمہ کی بھی فرمایش کی، اس کام کے لیے ابوالفضل کو مامور کیا، جس نے ۹۸۶ھ میں اس کو انجام دیا[۵۳]، انہی اسباب پر بعض خوش فہم پادریوں کا خیال ہے کہ اکبر نے دین مسیحی قبول کر لیا تھا،

۷۔ **تزک بابری**۔ بابر نے اپنے خیالات اور واقعات ترکی میں قلمبند کئے تھے، اور تزک بابری نام رکھا تھا، اکبر کی فرمایش سے خان خانان عبدالرحیم نے اس کا فارسی ترجمہ ۹۹۸ھ میں کیا، جس کی زبان نہایت سادہ، شستہ اور صاف ہے،

۸۔ **لیلاوتی**۔ فن ریاضی کی ایک مشہور کتاب ہے، اس کا ترجمہ فیضی نے کیا،

---

[۵۱] بدایونی جلد دوم ص ۱۸۲، [۵۲] ایضاً ص ۲۱۲، [۵۳] ایضاً ص ۲۶۰

کوئی مفصل اور مکمل تاریخ ہو، اس کی خواہش کے مطابق نقیب خان، شاہ فتح اللہ، حکیم ہمام، حکیم علی، حاجی ابراہیم سرہندی، نظام الدین احمد، عبد القادر بدایونی، مولانا احمد ٹھٹھوی، جعفر بیگ اور آصف خان نے ملکر اس کام کو انجام دیا۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ختم ہوئی، ملا عبد القادر بدایونی تین جلدوں کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انڈیا آفس لائبریری میں اس کی چار جلدیں موجود ہیں[۱]، تیسری جلد میں ۹۹۷ھ تک کی تاریخ ہے، اور ۱۰۰۱ھ میں ختم کی گئی، پروفیسر ڈاؤسن کا خیال ہے کہ ان چاروں جلدوں کے علاوہ دو اور جلدیں ہونی چاہئیں[۲]۔ اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں مختلف اہل علم نے حصہ لیا، اس کا ذکر ملا عبد القادر بدایونی اس طرح کرتے ہیں :-

> اسی سال یہ حکم ہوا کہ ہجرت سے چونکہ ہزار سال پورے ہو گئے، اور لوگ ہر جگہ ہجری تاریخ لکھتے ہیں، اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی تاریخ مرتب کی جائے جو ان تمام سلاطین کے حالات پر حاوی ہو، جو ابتدا سے ابتک اسلام میں گذرے ہیں، جس کے دوسرے معنے یہ تھے کہ ایسی تاریخ لکھوائی جائے جو دوسری تمام تاریخوں کی ناسخ ہو، اس تاریخ کا بادشاہ نے الفی نام رکھا اور یہ بھی حکم دیا کہ سنین کے ذکر میں ہجرت کے بجائے رحلت لکھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روز وفات سے آج تک کے واقعات کے لکھنے کے لیے سات آدمیوں کو حکم ہوا، پہلے سال کے واقعات کو نقیب خان لکھیں، اور دوسرے کو شاہ فتح اللہ، اور تیسرے کو حکیم ہمام، چوتھے کو حکیم علی، پانچویں کو حاجی ابراہیم سرہندی، چھٹے کو مرزا نظام الدین احمد اور ساتویں کو فقیر قلمبند کرے، اسی طرح ۳۵ سال کی تاریخ مرتب ہو گئی، ایک رات کو ساتویں سال کے متعلق جب کہ فقیر خلیفہ ثانی کے حالات لکھ رہا تھا اور قصر الامارۃ کی بنا و انہدام

---

[۱] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۰۰م۔ [۲] الیٹ ج ۵ ص ۱۵۱،

۱۴۔ **نل دمن** ۔ یہ عشق و محبت کا ایک جگر گداز قصہ ہے ۱۰۰۳ھ میں ملک الشعرا فیضی نے خسرو کی لیلی مجنوں کی بحر میں اس کو نظم کیا، اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں، اور قابل تعجب یہ امر ہے کہ صرف پانچ مہینے کی مدت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام پذیر ہوا، اس کے کمال و خوبی کی داد ملا عبد القادر، جو فیضی کو ہمیشہ سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اس طرح دیتے ہیں:

"والحق مثنوی ست کہ دریں سی صد سال مثل آن بعد از میر خسرو شاید در ہند کسی دیگر نگفتہ باشد۔"[1]

۱۵۔ **جامع رشیدی** ۔ ۹۹۳ھ میں عبد القادر بدایونی نے عربی کی ضخیم کتاب جامع رشیدی کا فارسی ترجمہ کیا، جو خزانہ عامرہ میں داخل ہوا۔[2]

۱۶۔ **بحر الاسمار** ۔ ہندی افسانہ کی ایک کتاب تھی، سلطان زین العابدین نے اس کا تھوڑا سا ترجمہ کرایا تھا، نامکمل تھی، ابو الفضل کی فرمایش سے ملا عبد القادر نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا، چنانچہ ۵ مہینے میں ترجمہ کا کام ختم کیا، جو ساٹھ جز میں تھا، اکبر نے خوش ہو کر دس ہزار ٹنکہ اور ایک گھوڑا انعام میں دیا۔[3]

۱۷۔ اکبر نے شہرزوری کی عربی تالیف تاریخ الحکما کا بھی فارسی ترجمہ مقصود علی تبریزی سے شہزادہ سلیم کی تعلیم کے لیے کرایا، اس کا نام **نزہتہ الارواح و نزہتہ الافراح** رکھا گیا۔

اکبر نے نہ صرف سنسکرت کی کتابیں فارسی میں منتقل کرائیں بلکہ عربی و فارسی کی کتابوں کو سنسکرت کا قالب پہنایا، چنانچہ **زیج مرزائی** کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا، اس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی، ابو الفضل، کشن جوتشی، گنگا دھر، مہیش مہانند شریک تھے۔[4]

تصنیفات **تاریخ الفی** اکبر چاہتا تھا کہ اسلامی عہد کے ابتدائی دور سے اس کے زمانہ تک کی

---

[1] بدایونی ج ۲ ص ۳۹۶ [2] ایضاً ص ۳۰۴ [3] عبد القادر بدایونی ج ۲ ص ۴۰۱ [4] آئین اکبری، ص ۱۰۶،

ابوالفضل نے آغاز کتاب میں ایک مقدمہ لکھا،[۵] اس تالیف کی خوبی کو ایک انگریز مورخ اس طرح بیان کرتا ہے:-

"مولفین اس تالیف کی تیاری میں تمام بہترین ذرائع تصرف میں لائے ہیں، کیونکہ عربی اور فارسی کی ان تمام مشہور، اور مستند تاریخوں کے حوالے جن سے آج موجودہ یورپین اہل علم فیض حاصل کر رہے ہیں، اس تالیف میں مذکور ہیں، انھوں نے بڑی دقت نظر کے ساتھ مستند مواد کا انتخاب کیا ہے، اور ان خرافات کو جو اکثر کتابوں میں پائے جاتے ہیں، نظر انداز کر دیا ہے۔[۲]"

اکبر نامہ۔ تیموریوں کے دربار میں تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کا ایک باضابطہ محکمہ قائم تھا، اکبر نامہ اور آئین اکبری اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہیں، اکبر نامہ ابوالفضل کی محنت و کاوش اور انشا، کا شاہکار ہے، یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں بابر و ہمایوں کے حالات ہیں، دوسری جلد میں اکبری حکومت کے مفصل واقعات ہیں، آئین اکبری کو اس کی تیسری جلد سمجھنا چاہیے، اکبر نامہ کے استناد کو بعض مورخین اس لیے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں کہ یہ اکبر کے ایک درباری مورخ کی نگارش و تحریر ہے، جس میں حد سے زیادہ خوشامد کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ

"اکبر نامہ کی سند یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی نہیں جاتی...... کیونکہ ابوالفضل گو وہ ایک وسیع النظر اور غیر معمولی ذہن کا آدمی ہے پھر بھی وہ ایک وفادار درباری ہے جو اپنے آقا کی نیکیوں کو ہمیشہ اچھالتا ہے، اس کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے،

---

۵ آئین اکبری ص ۷۷، ۲ ایلیٹ ج ۵ ص ۱۵۶، انڈیا آفس کیٹلاگ نمبر ۱۱۸ - ۱۱۰۰۔

ام کلثوم بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما کے نکاح کے معاملہ، اور پانچویں وقت کی نماز
کی تعیین، اور شہر نصیبین کی فتح، اور بڑے بڑے مرغ کے مانند بچھوؤں کے معاملے تک پہنچا
تو سخت مباحثہ ہوا، مرزا جعفر آصف خان ثالث کی بری طرح دگی گئی، برخلاف شیخ ابوالفضل
اور غازی خان بدخشی نے صحیح توجیہات کیں، پھر جب فقیر سے پوچھا کہ ان واقعات کو کیونکر
لکھا تو میں نے کہا کہ جو کچھ کتابوں میں دیکھا، لکھ دیا، میں خود ان واقعات کا موجد نہیں
ہوں، اسی وقت کتاب روضۃ الاحباب اور سیر کی دوسری کتابوں کو خزانہ سے طلب
کر کے نقیب خان کو حکم دیا کہ ان واقعات کی تحقیق کریں، اس نے واقعہ کے مطابق
صحیح نقل کر دیا اور مجھکو ان بے محل اعتراضات سے خدا کے فضل سے رہائی ہوئی، ۳۶ سال
کے متعلق حکم ہوا کہ اب ملا احمد ٹھٹھہ تنہا تاریخ الفی لکھیں اور یہ حکم حکیم ابوالفتح کی سفارش
سے ہوا، اور انھوں نے تعصب کی وجہ سے اپنے اعتقاد کے مطابق جو کچھ چاہا لکھ دیا،
جیسا کہ ظاہر ہے چنگیز خان کے زمانہ تک کے تمام واقعات کو دو جلدوں میں تمام کیا،
یہانتک کہ مرزا فولاد برلاس نے ایک رات اس کو بادشاہ کے طلب کرنے کے بہانہ
سے گھر سے نکالا اور لاہور کی گلی میں اس غلو کی وجہ سے جو وہ مذہب میں رکھتا تھا،
اور اس تکلیف کی وجہ سے جو اس کو اس سے ہوئی تھی، قتل کر دیا اور خود اس کے
قصاص میں قتل ہوا، بقیہ احوال کو حکم کے موافق آصف خان نے نوسوستانوے ۹۹۷ سال
تک لکھا اور سنہ ایکہزار میں فقیر کو لاہور میں حکم دیا کہ اس تاریخ کو ابتدا سے مقابلہ اور
تصحیح کروں، اور وہ سنہ جو آگے پیچھے لکھے گئے ہیں ان کو مرتب کروں، ایک سال
تک اس خدمت میں مشغول رہ کر پہلی دو جلدوں کا مقابلہ کیا، اور تیسری جلد کو آصف
خان کے حوالہ کیا،[1]

[1] بدایونی جلد ۲ ص ۳۱۸ – ۱۹

نقصان پہنچا ہے، مگر اکبرنامہ کا مطالعہ کیا جائے تو الزام بالکل بے بنیاد معلوم ہوتا ہے،
اگر اس کی تصنیف کا ہم مشرق کی دوسری تاریخوں سے مقابلہ کریں، تو پتہ چلے گا کہ وہ
تعریف کرتا ہے، لیکن کم، اور خاص انداز کمال سے جو کوئی دوسرا ہندوستانی مورخ
نہیں کرسکتا ہے، ملکی مورخوں میں سے کوئی اس پر خوشامد کا الزام عائد نہیں کرتا، اور اگر
ہم یہ ذہن نشین کرلیں کہ مشرق کی تمام کتابیں حکمراں کی رائے سے متفق اور تبع ہونا
ضروری قرار دیتی ہیں، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، تو پھر ابوالفضل قابل معافی ہے، وہ
اس لیے تعریف کرتا ہے کہ اس نے حقیقتہً ایک سچا ہیرو پا لیا ہے۔"[۱]

اسی بات کو محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں اس طرح لکھتے ہیں:۔

"جن لوگوں کے دماغوں میں نئی روشنی سے اجالا ہوگیا ہے، وہ اس کی تصنیفات
پڑھ کر یہ لکھتے ہیں، کہ ابوالفضل ایشیائی انشاپردازوں میں سب سے بڑا مبالغہ پرداز مصنف
تھا، اس نے اکبرنامہ اور آئین اکبری کے لکھنے میں فارسی کی پرانی لیاقت کو تازہ کیا ہے،
اس نے خوش بیانی اور یاوہ سرائی کے پردہ میں اکبر کی خوبیاں دکھائی ہیں، اور عیب
اس طرح چھپائے ہیں کہ جس کے پڑھنے سے ممدوح اور مداح دونوں سے نفرت ہوتی
ہے، اور دونوں کی ذات وصفات پر بٹہ لگتا ہے، البتہ بڑا علامہ، عاقل، دانا، مدبر تھا،
دنیا کے کاموں کے لیے جیسی عقل کی ضرورت ہے، وہ اس میں ضرور تھی، آزاد کہتا ہے کہ
جو کچھ الفاظ و عبارت کے پڑھنے والوں نے کہا یہ بھی ہے، لیکن وہ مجبور تھا، کیونکہ فارسی کا
ڈھنگ چھ سو برس سے یہی چلا آتا تھا، اس کی ایجادوں نے بہت اصلاح کی ہے، اور
خرابیوں کو سنبھالا ہے، باوجود اس کے جو زبان کے ماہر ہیں، اور رموز سخن کے تاڑنے والے

[۱] بلاخ من تمہید آئین اکبری۔

اور اس کے اور اس کے ہوا خواہوں کے رتبہ کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔
اس کے سنہ و تاریخ اور واقعات کے عمومی بیانات قابل قدر ہیں لیکن اس کتاب کو پڑھتے وقت اس کی علانیہ طرفداری سے اپنے کو اتنا محفوظ رکھنا نہیں پڑتا، جتنا کہ وہ اپنے ممدوحین کی مدح سرائی کرکے ناظرین کی ہمدردی خواہ مخواہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور پھر بعض موقع پر بے جا اور غیر ایماندارانہ طریقہ پر ایک قصہ لکھکر کسی سے بدظن کر دیتا ہے، حالانکہ وہ شخص بالکل معصوم اور قابل معافی ہوتا ہے، اس کے بیانات گنجلک، غیر موثر عامیانہ خیالات اور دعائیہ فقروں سے لبریز، اور عموماً اپنے ممدوح کی مدح سرائی پر ختم ہوتے ہیں، وہ اکثر واقعات کو نظر انداز کر دیتا ہے، یا اپنے مخصوص انداز سے غلط پیرایہ میں بیان کر جاتا ہے، اور تعریف و توصیف، فتح و کامرانی کے واقعات کا تذکرہ اس غلو سے کرتا ہے کہ ناظرین نہ صرف کتاب سے بلکہ ممدوح سے بھی مکدر خاطر ہو جاتے ہیں، اس بے معنی تعریف و توصیف کے ڈھیر میں اکبر کے حقیقی اوصاف گم ہو جاتے ہیں، اور پھر دوسرے مورخوں سے اس کے افعال کی نوعیت کا، اس کی مشکلات اور ان ذرائع کا جن سے وہ ان مشکلات کو حل کرتا ہے، اصلی حال معلوم ہوتا ہے، کتاب کا خوشامدانہ انداز (جسے ایسے آدمی نے لکھا، جو اکبر کی طبیعت سے خوب اچھی طرح واقف تھا، اور پھر اس کے معائنہ کے لیے پیش کیا) اس (اکبر) کی نخوت و کبریائی کا پتہ دیتا ہے جو حقیقتہً اس کی پسندیدہ سیرت کا تنہا داغ ہے"،

مگر اس کا جواب ایک دوسرا یورپین مورخ اس طرح دیتا ہے :-

"ابوالفضل پر یورپین مصنفین خوشامد پرستی کا الزام عائد کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ اس نے قصداً بعض واقعات کو چھپایا ہے، جس سے اس کے آقا کی شہرت کو کافی

آئین اکبری۔ اکبر نامہ ہی کے مختلف حصے ہین، اس کی خوبیان جتنی بھی زیادہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی، پھر بھی قلم قاصر رہے گا، ابوالفضل نے اسکو جس محنت کاوش، امعان نظر اور دیانتداری سے لکھا ہے، وہ ہر زبان کے لیے ایک قابل فخر علمی کارنامہ ہو سکتا ہے۔ اس کو تیموری دور کے ملکی، حربی، صنعتی، زراعتی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، خانگی، علمی اور مذہبی حالات وواقعات کا آئینہ سمجھنا چاہیے، اگر یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو شاہان مغلیہ کے عہد زرین کے مختلف پہلوون کی تصویرین اتنی واضح اور روشن نظر نہ آتیں، جتنی کہ آج نظر آ رہی ہین، اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہندوستان میں جب برطانوی نظام حکومت قائم ہوا تو اس سلسلہ مین یہ کتاب بے حد معاون ہوئی،

ان تاریخوں کے علاوہ نثر و نظم کی بہت سی کتابیں اکبر کی فرمایش پر لکھی گئیں، ملک الشعراء ابوالفیض فیضی فیاضی نے نظامی کے خمسہ کی زمین میں پانچ مثنویاں لکھیں، خسرو شیریں کے مقابل میں **سلیمان و بلقیس** اور لیلی و مجنون کے طرز پر **نل دمن** لکھی، ان دونوں میں علیحدہ علیحدہ چار ہزار اشعار تھے، ہفت پیکر کے وزن پر **ہفت کشور** اور سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھی، جو پانچ ہزار شعروں پر مشتمل تھیں، مخزن اسرار کے مقابلہ میں **مرکز ادوار** لکھی، جس میں تین ہزار ابیات تھیں،[۱]

فیضی نے کلام مجید کی ایک بے نقط تفسیر **سواطع الالہام** بھی لکھی، جس کے صلہ میں اکبر نے دس ہزار روپئے دیے، اس نے اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب **سوارد الکلام** بھی تالیف کی تھی،[۲]

ارباب کمال اس جماعت میں سب سے پہلے ہماری نظر ابوالفیض **فیضی** فیاضی پر پڑتی ہے جو شیخ مبارک کا خلف اکبر تھا، اس کے علم و فضل کی شہرت نے بیس برس کی عمر میں اسے اکبر کے دربار تک

[۱] مآثر الامراء ج ۲، ص ۵۸۷، [۲] ایضاً ص ۵۸۸،

ہین، اور کلام کے انداز اور اداؤن کو جانتے اور پہچانتے ہیں، اور سمجھتے ہین کہ جو کچھ کہا اور جس پیرایہ مین کہا، کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اصل حقیقت کو لکھ دیا ہے، اور انشا پردازی کا آئینہ اوپر رکھدیا ہے، کہ اسی کا کام تھا، یہ بھی اسی کا کام تھا کہ سب کچھ کہدیا، اور جن سے نہ کہنا تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھے، اور ابتک بھی نہیں سمجھتے، خوشامد کی بات ہم نہیں مانتے، ہر زبان کی تاریخیں موجود ہیں، کونسا مورخ ہے کہ خوشامدِ شاہ، اور حمایت قوم سے پاک ہو، وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا، اسی کے انصاف سے اس کے خاندان کی عزت وآبرو بچی، اسی کی قدر دانی سے رکن سلطنت ہوگیا، اسی کی پرورش سے تصنیفات ہیں، اور انھوں نے بلکہ خود اس نے صدہا سال عمر پائی، خوشامد کیا چیز ہے؟ اس کا دل تو عبادت کرتا ہوگا، اور جان لوٹ لوٹ کر خاکِ راہ ہوئی جاتی ہوگی، اس نے بہت سا ادب ظاہر کیا، شکریہ ادا کیا، لوگوں نے خوشامد نام رکھا"[1]

مؤلف ماثرالامرا، ابوالفضل کے انشا، اور اکبرنامہ کے متعلق لکھتا ہے :۔

تمام چیزون سے قطع نظر کرکے شیخ نے فن انشا مین عجیب سحر نگاری سے کام لیا ہے، باوجودیکہ وہ انشا پردازی کے تمام مصنوعی تکلفات سے پاک ہے، بایںہمہ مفرد الفاظ کی نشست، ان کی متانت، حسن ترکیب وغیرہ کا ایک ایسا حصہ اس میں آگیا ہے کہ دوسرے لوگ بمشکل اس کی تقلید کرسکتے ہیں، اور تاریخ اکبری سے اسکی شہادت مل سکتی ہے، چونکہ اس نے یہ التزام کرلیا ہے کہ (اس میں زیادہ تر فارسی کے الفاظ آئیں) اس لیے لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ نے خمسۂ نظامی کی نثر کردی ہے، اس فن میں اس کی مہارت کا کمال یہ ہے کہ بہت سے مطالب کو جو بداہتہً باطل تھے، بادشاہ کی مداحی کے لیے بظاہر چند ایسی تمہیدوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جبتک غور نہ کیا جائے اصل مقصد معلوم نہیں ہوسکتا۔

---

[1] دربار اکبری، مطبع رفاہ عام لاہور، ص ۵۰۰۔

ہزار قافلۂ شوق می کند شبگیر — کہ بارعیش کشاید بہ خطۂ کشمیر

۹۹۹ھ میں اکبر نے خاندیس کے فرمانروا کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، وہاں سے احمد نگر برہان نظام شاہ کے پاس سفیر ہی کی حیثیت سے پہنچا، یہاں سے اکبر کے پاس جو عرضداشت لکھ کر بھیجی، وہ مختلف قسم کے معلومات سے پر تھی، اس کو سیاسی کاموں سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، وہ اکبر کے قریب رہ کر علمی مشاغل میں زندگی بسر کرنا زیادہ پسند کرتا تھا، شروع سے اخیر تک اکبر کے ساتھ اس کو خاص قلبی لگاؤ تھا، شاہ عباس صفوی نے اکبر کے پاس قیمتی تحائف لے کر اپنے ایک ایلچی کو بھیجا، تو ... مذکر نے ایک مکتوب پڑھا، جس کے سرورق پر یہ رباعی تھی،

زنگی بسپاہ و خیل و لشکر نازد — رومی بسنان و تیغ و خنجر نازد

اکبر بہ خزینۂ پر از زر نازد — عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

جب یہ رباعی پڑھی گئی تو دربار کا ہر شخص چونک اٹھا، اکبر نے فیضی کی طرف دیکھا، فیضی اپنے محبوب شاہی آقا کی سبکی برداشت نہ کر سکا اور فی البدیہہ یہ رباعی لکھکر پڑھی،

فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد — دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد

عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد — کونین بہ ذات پاک اکبر نازد

اس کو سنکر دربار میں مسرت و افتخار کی ایک لہر دوڑ گئی،[۱] فیضی نے ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی، جب بستر مرگ پر تھا تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالم نزع میں ہے آدھی رات گزر چکی تھی، مگر اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لیکر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر پکڑ کر بولا، "شیخ جیو، بولو، حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، بولتے کیوں

---

[۱] بیاض مرزا اسد بیگ ترکمان بحوالہ ہسٹری پرشین لٹریچر اینڈ لینگویج از عبد الغنی جلد سوم ص ۴۶،

پہنچا دیا، جہاں وہ چہار صدی منصب پر فائز ہوا، اور جب تیس برس کا ہوا تو ملک الشعراء کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا، عربی، فارسی اور سنسکرت کا جید عالم تھا، اس نے ایک سو ایک کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کیں، اس کی متعدد تصانیف کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کا علمی شغف اس قدر بڑھا تھا کہ جب وہ مرا تو اپنے کتب خانہ میں ۴۳۰۰ کتابیں چھوڑیں جو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں، شاعری میں یکتائے روزگار تھا، پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص کرتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

زین پیش کہ سکہ ام سخن بود   فیضی رقم نگین من بود

اکنون کہ شدم بعشق مرتاض   فیاضیم از محیط فیاض

فیضی کے قصائد، غزلیں، اور مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں، اس کے کل کلام کی تعداد ۵۰ ہزار کے لگ بھگ ہے، اس کے مجموعہ کا نام طباشیر الصبح ہے، فن طب سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، بو علی سینا کی کتاب القانون کو پڑھانے میں بڑی شہرت حاصل کی تھی، اکبر کا محبوب ترین دوست تھا اس کو ہمیشہ پاس رکھتا تھا، اور اس کی ہمہ گیر قابلیت سے برابر فیضیاب ہوتا رہتا تھا، اکبر کے لڑکوں کی تعلیم اسی کے ذمہ تھی، شہزادہ دانیال کو تھوڑے ہی دنوں میں ضروری مراتب سکھا دیے تھے، دانیال نے برج بھاکا اسی سے سیکھی، ۲۸ھ جلوس میں اکبر نے اظہار عقیدت کے لیے شہزادہ دانیال کو اجمیر بھیجا تو فیضی کو بھی اس کے ساتھ متعین کیا، ۹۹۰ھ میں آگرہ کالپی اور کالنجر کی صدارت اس کو تفویض کی گئی، ۹۹۳ھ میں جب یوسف زئی پٹھانوں کے خلاف اکبر نے فوجیں بھیجیں تو فیضی بھی اس مہم پر مامور کیا گیا، ۹۹۶ھ میں اکبر نے ملک الشعراء کا خطاب عطا کیا، ۹۹۷ھ میں اکبر کشمیر گیا تو فیضی بھی اس کی معیت میں تھا، شاہی جلو میں کشمیر کی حسین وادیوں کو دیکھ کر مست ہو گیا، اور ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا،

اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے، اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے، فیضی کے ہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔"[1]

محمد حسین آزاد گوہر افشاں ہیں:-

"انشاء پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے، اس کے لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، ادائے مطالب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں۔"[2]

فیضی کے بعد یکایک اس کے چھوٹے بھائی علامی فہامی شیخ ابوالفضل پر نظر پڑتی ہے۔ ابوالفضل نے ۱۵ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم پا کر فراغت حاصل کر لی تھی، ۱۷ سال کی عمر میں آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھکر اکبر کی خدمت میں گذرانی فیضی شاہی بارگاہ سے منسلک ہو چکا تھا، اس کے ذریعہ ابوالفضل کی لیاقت اور ذہانت اکبر کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، چنانچہ تخت نشینی کے ۱۹ویں سال ابوالفضل شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا، پھر تو شاہی جود و کرم کی بارش اتنی ہوئی کہ وہ چار ہزاری منصب پر فائز ہوا، اور وزارت عظمیٰ پر مامور کیا گیا، وہ ایک کامیاب سیاست داں، بیدار مغز مدبر اور ہوشیار سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بے مثل ادیب، مورخ اور شاعر تھا، اور علامی کے ممتاز لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا تھا، اس کی قابلیت اور لیاقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلیم کی گئی، مولف مآثر الامراء لکھتا ہے کہ

[1] شعر العجم حصہ سوم ص۔ [2] دربار اکبری ص۔

نہیں ہو" مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جھنجھوڑا لیکن اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایت اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی۔[۱]

فیضی کی لیاقت، قابلیت، دقت نظر اور جودت طبع کے تمام اہل قلم معترف ہیں، ملا عبد القادر بدایونی اس کو عقیدے کے لحاظ سے بہت ہی سخت اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، مگر جہاں اس کی علمی لیاقت کا ذکر آتا ہے اس کی خوبیوں کی دل کھول کر داد دیتے ہیں، اس کی مثنوی نل ومن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب تین سو سال کے اندر نہیں لکھی گئی، ایک جگہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"در فنون جزئیہ از شعر و معما و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشا، عدیل در روزگار نداشت"[۲]

مصنف مآثر الامرا، اس کی قابلیت کے متعلق یوں رقمطراز ہے:-

"بدقت طبع و جودتِ ذہن از جمیع علوم بخشی وافر برداشتہ، در حکمت و عربیت بیشتر تتبع نمودہ و پزشکی و دانش فراپیش گرفتہ رنجوران تہی دست را چارہ می کرد"[۳]

موجودہ دور کے ارباب کمال بھی اس کے کمال کے معترف ہیں، مولانا شبلی لکھتے ہیں:

"فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے، جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، مرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہیں اور مقطع میں کہتے ہیں؛

ایں آن غزل کہ فیضی شیریں کلام گفت | در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ،

..... فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان ہے، جس کا وہ موجد بھی ہے؛

---

[۱] بدایونی جلد اول ص ۔ و مآثر الامرا جلد ۲ ص ۵۸۵ و شعر العجم جلد سوم، [۲] بدایونی جلد ۳ ص ۲۹۹، [۳] مآثر الامرا، ص ۵۸۵،

اس کے مکتوبات تمام مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، اگرچہ ایک مبتدی ان کو پڑھنے میں مشکلوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ انشاء کے مکمل نمونے ہیں، ابوالفضل کی کتابوں سے لطف اٹھانے کے لیے نہ صرف فارسی زبان پر کافی عبور بلکہ خود ابوالفضل کے طرز انشا پر کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا طرز بے مثل ہے اور گو اس کی تحریر ہر جگہ پڑھی جاتی ہے، لیکن اس کا اتباع نہ کیا گیا ہے، اور نہ کیا جا سکتا ہے۔"[1]

ابوالفضل کے مختلف تراجم اور تاریخی شاہکار اکبر نامہ اور آئین اکبری کا ذکر آچکا ہے، انکے علاوہ انشائے ابوالفضل کشکول، اور جامع اللغات بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں، انشاء ابوالفضل اس کے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ابتک مختلف مدرسوں میں فارسی کے درس میں شامل ہے کشکول میں ابوالفضل کے انتخاب کردہ نثر و نظم کے وہ نمونے ہیں جو اس نے یادداشت کے طور پر وقتاً فوقتاً لکھ لیے تھے، جامع اللغات میں وہ الفاظ مع معانی کے درج ہیں، جو ابوالفضل نے شاید طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے۔

ابوالفضل شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا، جب اس حادثہ کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس سانحہ کی خبر اکبر تک پہنچائے، آخرکار ابوالفضل کا وکیل سیاہ لباس پہنکر دست بستہ اکبر کے حضور میں آیا، چغتائی خاندان کے جب کسی شہزادہ کے انتقال کی خبر آتی تو اس کا وکیل باپ تک اسی طرح خبر پہنچاتا تھا، ابوالفضل کے وکیل کو جب اکبر نے دیکھا تو متحیر ہوگیا، خبر جانگاہ سنکر فرط غم سے نڈھال ہوگیا اور بولا

"اگر شاہزادہ را داعیۂ پادشاہی بودے مرا کشتے، و شیخ را نگاہ داشتے"

---

[1] باغ سخن، تمہید آئین اکبری،

"بجودت طبع و رسائی فہم و علو فطرت و طلاقت لسان در کمتر زمانے یگانہ و بے ہمتائی وقت گردید"[۵۱]

اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز جو فارسی کا بھی مسلم الثبوت استاد تھا لکھتا ہے کہ

"شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہو سکتی، یہ نعمت خداداد ہے کہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہر ایک مطلب کو اس خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے، بڑے بڑے انشا پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں اور حسن و جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں، یہ قادر الکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں، اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا حصو قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں، وہ انشا پردازی کا خدا ہے، اپنے لطف خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، لطف یہ ہے کہ جس عالم میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ طبیعت میں تھکن معلوم ہو"[۵۲]

ایک انگریز مورخ اس کے انشا کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:-

"ابوالفضل کے طرز انشا پر کسی قسم کی رائے پیش کرنا بے سود ہے، عبداللہ شاہ بخارا کہا کرتا تھا کہ "وہ اکبر کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابوالفضل کے قلم سے ڈرتا ہے" ہندوستان میں ہر جگہ وہ ایک زبردست منشی تسلیم کیا گیا ہے،

---

۵۱ مآثر الامرا حصہ دوم ص۶۰۸۔ ۵۲ دربار اکبری ص۴۹۳۔

بیرم خان کے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے ہوں، لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت تھی کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا، اس نے اکبر کی دستگیری اور پشت پناہی اُس وقت کی جب وہ مشکلوں میں گھر کر بے پناہ ہو رہا تھا، احسان شناس اکبر نے بیرم خان کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے عبد الرحیم کو اپنی تربیت خاص میں لیا، اور اس کی پرورش اور تعلیم اپنی نگرانی میں کی، جب سن شعور کو پہنچا تو خان مرزا کے خطاب سے سرفراز کیا، تھوڑے دنوں میں وہ سپہ سالار بنکر خانخاناں ہوا[۱]، ہم کو اس وقت اس کی شجاعت، تدبر، فتوحات اور جنگی معرکوں سے کسی قسم کی بحث نہیں، بلکہ ہم کو اس کے تبحر علمی، کمال انشاپردازی، علم دوستی اور ادب پروری پر کچھ روشنی ڈالنا ہے،

علمی حیثیت سے خانخاناں کا درجہ نہایت ہی ممتاز اور بلند تھا، دنیا کی اکثر مروج زبانوں پر مہارت تامہ رکھتا تھا، فارسی اس کی مادری زبان تھی، اس کی فارسی نثر اپنی سادگی، شستگی اور برجستگی کے لحاظ سے اب بھی بہت مقبول ہے، تزک بابری کا فارسی ترجمہ جو اس کے قلم کا رہینِ منت ہے، اب تک انشاء کے لحاظ سے بے مثل چیز سمجھی جاتی ہے، اور ارباب ذوق اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس نے اپنے فارسی کلام کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا، مگر وہ اب نایاب ہے، مآثر رحیمی میں جس کو خانخاناں کی زندگی میں عبد الباقی نہاوندی نے لکھا ہے، اس کے فارسی کلام کے کثرت سے نمونے درج ہیں،

خانخاناں کی سخن سنجی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ اپنے مشہور ہمعصر شعرا نظیری، عرفی، شکیبی، اور نیستی کے مقابلہ میں غزلیں کہتا اور بعض اوقات سب میں ممتاز رہتا تھا، اس کے

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو مآثر الامراء حصہ دوم صفحہ ۶۹۲،

اور پھر یہ شعر پڑھا :-

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ ۔۔۔ ز اشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ[۱]

فیضی اور ابوالفضل کے سلسلہ میں ان کے باپ شیخ مبارک ناگوری کا ذکر بھی ضروری ہے، یہ خاندان ناگور (نزد اجمیر) کا رہنے والا تھا، شیخ مبارک ناگوری نے گجرات میں خطیب ابوالفضل اور مولانا عماد طارمی سے علوم و فنون حاصل کیے، تحصیل تعلیم کے بعد علوم دینیہ کا درس دینے کے لیے آگرہ میں قیام کیا، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ شیخ ناگوری کی ابتدائی زندگی ریاضت، مجاہدہ، صلاح تقویٰ، توکل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابندی کے لیے مشہور تھی، استغنار کا یہ حال تھا کہ بادشاہوں کے درباروں میں جانے سے ہمیشہ پرہیز کیا، اور زیادہ تر اوقات ریاضت یا علمی مشاغل میں بسر کیے، شاطبی شروع سے آخر تک یاد تھی، کلام پاک کو دس قرأت کے ساتھ حفظ کیا، کلام پاک کی ایک تفسیر چار جلدوں میں منبع نفائس العیون کے نام سے لکھی، ملا عبدالقادر بدایونی نے شیخ ناگوری سے آگرہ میں کئی سال تک تعلیم حاصل کی، وہ رقمطراز ہیں کہ

"ملائے بایں ہمہ جامعیت بنظر نیامدہ"

مگر جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ شیخ مبارک عمر کے آخری حصہ میں حب دنیا و حب جاہ کی خاطر جیب اکبر کے دربار سے وابستہ ہوئے تو صراط مستقیم سے ہٹ کر محضر نامہ ترتیب دیا جس کے بعد دین الٰہی کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا[۲]

دربار اکبری کے علم و ادب کے گلدستہ کا گل سرسبد عبدالرحیم خانخانان بن بیرم خان تھا، یہ صاحب قلم اور صاحب سیف دونوں تھا،

---

۱ مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۱۷، ۲ منتخب التواریخ جلد دوم ص ۷۵-۲-۱،

"و در زبان ہندی ید بیضا نمودہ اند، چنداں اشعار متین و ابیات دلنشین کہ ایشان در آن زبان دارند ہیچ یک از فحول شعرائے آن زبان را نیست، دست از ثبت نمودن آنہا باز داشتہ باشعاری کہ بزبان فارسی فرمودہ اند اکتفا نمودہ و تجمل و انعام و احسانی کہ بشعرائے فارسی نمودہ بہ ایشان ہندی زبانان نمودہ باشند و چنداں اشعار کہ آن جماعہ در مدح ایشان گفتہ اند فارسی گویان عشر عشیر نگفتہ اند"[1]

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے برابر مراسلت کرنی ہوتی تھی، اس لیے خانخاناں کو یورپین زبانوں کے سیکھنے کا حکم دیا، جس کو اس نے سیکھا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن زبانوں سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی، بہرحال وہ بہت سی زبانوں پر مہارت رکھتا تھا، مآثر الامراء میں ہے:-

"خانخاناں در قابلیت و استعداد یکتائے روزگار بود، و او عربی و فارسی و ترکی و ہندی روان داشت، شعر خوب می فہمید و می گفت، رحیم تخلص می کرد، گویند کہ با اکثر زبانہا کہ در عالم رائج است حرف می زد"[2]

خانخاناں نے اپنے علمی ذوق کے نشوونما کے لیے ایک بے نظیر کتبخانہ قائم کیا تھا، جس میں زمانہ کے مشہور شعراء نے اپنے دیوان خود لکھکر داخل کئے تھے، دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی دار الحکمت کے تربیت یافتہ تھے، عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری، محتشم کاشی، رسمی، نوعی شیرازی، ثنائی خراسانی، کفوی اور معزی وغیرہ جیسے بلند پایہ شعراء، اس کی دریائے سخاوت سے ہمیشہ فیضیاب ہوا کرتے تھے، اس کی علم پروری اور فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوعی شیرازی

[1] مآثر رحیمی ج ۲ ص ۵۴۳، ہندی میں اس کی تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) دوحاولی (۲) نگر شوبھا (۳) بروے نایکہ بھید (۴) بروے (۵) شرنگار سورٹھا (۶) مدنا شٹک (۷) رحیم کا دیہ (۸) کھیٹ کوتک (۹) ہندوستانی خبری الٰہ آباد

[2] مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۰۹

دربار میں برابر مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے، ایک بار طرح تھی، چنداست پنداست، فرزندست، تمام شعرائے اکبری نے اس زمین پر اپنا اپنا اشہب قلم دوڑایا، مگر میدان خانخاناں کے ہاتھ رہا، حتی کہ نظیری بھی اس کے کلام کی صفائی، شستگی، دلآویزی اور سوز و گداز میں اس سے بازی لے جا سکا۔[۱] ہمارے ناظرین بھی اس غزل سے لطف اٹھائیں،

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چندست
جز این قدر کہ دلم سخت آرزومندست

بہ کیش صدق و صفا حرف عہد بیکارست
نگاہ اہل محبت تمام سوگندست

نہ دام دانم و نہ دانہ این قدر دانم
کہ پای تا بسرش ہر چہ ہست در بندست

مرا فروخت محبت ولے ندانستم
کہ مشتری چہ کس ست و بہای من چندست

ادای حق محبت عنایتے ست از دوست
وگرنہ خاطر عاشق بہیچ خرسندست

ازان خوشم بسخنہای دلکش تو رحیم
کہ اندکے بہ ادا ہای عشق مانندست

خانخاناں عربی میں بھی اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا، نہایت دقیق، مغلق اور مشکل عربی عبارت کے معنی نہایت آسانی سے بیان کر دیتا تھا، ایک بار شریف مکہ نے اکبر کو خط لکھا، عبارت اس قدر مشکل تھی کہ ابوالفضل اور فتح اللہ شیرازی کو مفہوم سمجھنے کے لیے لغت کی ضرورت ہوئی، خانخاناں نے اسے فوراً لیا، خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا جاتا تھا، جس کی داد تمام اہل دربار نے دی،[۲]

ترکی خانخاناں کی مادری زبان سمجھنا چاہیے، اس زبان میں اس کی لیاقت مسلم تھی، ہندی زبان کا پرگو شاعر تھا، اور سب سے زیادہ اسی زبان میں شاعری کی، مآثر رحیمی میں ہے:۔

[۱] شعر العجم جلد سوم ص۱۵ [۲] مآثر رحیمی، جلد دوم ص۵۵۶۔

مآثر رحیمی کے مولف کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اکثر شعرا خصوصاً خواجہ حسین ثنائی خراسانی، مرزا قلی میلی، فیضی، عرفی شیرازی، حیاتی گیلانی، مرزا نورالدین محمد قراری وغیرہ نے ابوالفتح گیلانی ہی کے یہاں تربیت پائی، اور یہ حکیم ہی کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا، کہ ان شعرا نے واقعہ گوئی، معاملہ بندی، خیال بندی، مضمون آفرینی، صنعت ابہام، استعارات، تشبیہات، فلسفیانہ خیالات اور نئی نئی ترکیبوں میں طرح طرح کی جدت پیدا کی، جو اس زمانہ کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے[۱]، حکیم ابوالفتح کی کچھ تصانیف بھی تھیں، فلسفہ و حکمت میں فتاحی اور قیاسیہ اور انشا میں چار باغ اس کی طرف منسوب ہے،

ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا۔ ملا صاحب ۹۸۱ھ میں شاہی دربار میں ملازم ہوئے[۲]، عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر اور تاریخ کے جلیل القدر عالم تھے، اس لیے تصنیف، تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور ہوئے، علاوہ تنخواہ کے وقتاً فوقتاً انعامات و اکرامات سے مالا مال ہوتے رہے، آواز بڑی شیریں اور دلکش پائی تھی، اس لیے شروع میں شاہی امام بھی مقرر ہوئے، ان کے مختلف تراجم اور تاریخ الفی کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں، نجات الرشید[۳]، کتاب الاحادیث[۴] اور منتخب التواریخ،

ملا صاحب کی تمام تصانیف میں منتخب التواریخ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں اکبر کے قبل سلاطین ہند کے کوائف ہیں، دوسرے میں اکبر کے حالات ہیں، تیسرے میں علما، فقرا، اور شعرا کا ذکر ہے، الیٹ اس تاریخ

[۱] مآثر رحیمی ج ۳ ص۱۴۴۳، و شعر العجم حصہ ۳ ص۱۲۔ [۲] بدایونی ج ۲ ص۱۷۲۔ [۳] ایضاً ص۳۵۴۔ اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں موجود ہے [۴] ایضاً ج ۱ ص۲،

کو سونے میں تلوا دیا[1]، نظیری نے ایک بار کہا کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، خانخانان نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر جمع کر کے دکھایا، پھر وہ ڈھیر اسکے گھر بھجوا دیا[2]، کہا جاتا ہے کہ ایک ہندی شاعر گنگ کوی کو اس نے ایک بار چھتیس لاکھ روپے انعام میں دیے۔ اس کی یہ غیر معمولی فیاضی باپ سے بھی وراثت میں ملی تھی، خانخانان بیرم خان کو ہاشمی قندھاری کی ایک غزل بہت پسند آگئی[3] سنے ہاشمی کو ایک لاکھ تنکہ دے کر یہ غزل اپنی طرف منسوب کر لی[4]،

خانخانان عبد الرحیم ہی کی طرح اکبری دربار کے ایک دوسرے عظیم المرتبت امیر حکیم ابو الفتح گیلانی نے بقول مولانا شبلی نعمانی مرحوم شاعری کی ایک اکیڈمی ابیت العلما قائم کر رکھی تھی، اکبر کے مزاج میں حکیم ابو الفتح گیلانی کو وہی دخل تھا، جو جعفر برمکی کو ہارون رشید کے مزاج مین تھا، حکیم ابو الفتح نے آقا کی تقلید میں اپنے یہان بھی علم و فن کی بزم اسی شاہانہ انداز میں گرم رکھی، اور اسی کی بدولت شعرا نے اپنے فن مین بڑی ترقی کی، مولانا شبلی نے شعر العجم میں ابو الفتح کے مجموعۂ مکاتیب چہار باغ سے ایک خط نقل کرتے ہیں جو اس نے خانخانا کو لکھا تھا،

"قصائد کہ یاران آن جا گفتہ بودند، شعرائے این جا فرسودہ شد، بنام نامی شاہنشاہ با تمام می رسد، بہ ملازمت فرستادہ خواہد شد، ملا عرفی، و ملا حیاتی بسیار ترقی کردہ اند"

---

[1] خزانہ عامرہ تذکرہ نوعی، [2] مآثر الامرا، حصہ دوم ص ۶۹۰ [3] بیضاض (قلمی نسخہ دار المصنفین)، وہ غزل ملاحظہ ہو:

من کیستم عنان دل از دست دادۂ ... در دست دل برہ غم از پا فتادۂ

دیوانۂ دادر در کوہ گشتۂ ... بے اختیار سر بہ بیابان فتادۂ

گاہے چو شمع ز آتش دل در گرفتۂ ... گہ چون فتیلہ با دل آتش فتادۂ

بیرم ز فکر اندک و بسیار فارغیم ... ہرگز نہ گفتہ ایم کمی یا زیادۂ

یاد کرتے، اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی ذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں، اسی لیے فیضی اور ابوالفضل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں، مگر باوجود ان کے سخت عقائد کے ان کے علمی تبحر کو سب تسلیم کرتے تھے، عظیم الشان علمی کاموں کے لیے شاہی دربار سے ہمیشہ ملک الشعراء فیضی یا علامہ ابوالفضل، یا ملا عبدالقادر منتخب کئے جاتے تھے، اکثر تینوں یا ملا صاحب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر علمی کارنامے انجام دیتے تھے، فیضی ملا صاحب کی قابلیت کا بہت معترف تھا، کچھ دنوں اکبر نے ملا صاحب کی طرف سے بے التفاتی برتی تھی، اس پر فیضی نے بارگاہ شاہی میں ایک عریضہ لکھا، جس میں اکبر سے خطا پوشی اور عطا پاشی کی درخواست کی، پہلے ملا عبدالقادر کی لیاقت و قابلیت کا ذکر اس طرح کرتا ہے:-

"شکستہ نوازا، ملا عبدالقادر اہلیت تمام دارد و علوم رسمی آنچہ ملایانِ ہندوستان می خوانند خوانده پیش خدمت ابوی کسب فضیلت کرده و قریب بسی و ہفت سال میشود کہ بنده او را می دانم و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و چیزے از نجوم ہندی و حساب یادداشت در ہمہ وا ی و وقوف در نغمۂ ولایت و ہندی خبرے از شطرنج صغیر و کبیر دارد و مشق بین بقدری کرده با وجود بہره مند بودن از ہمہ فضائل، بے طمعی و قناعت و کم تردد نمودن و راستی و درستی و ادب و نامرادی و شکستگی و گذشتگی و بے تعینی و ترک اکثر رسوم تقلید و درستی اخلاص و عقیدت بدرگاه بادشاہی موصوف است۔"

پھر اس کی سفارش ان الفاظ میں کرتا ہے:-

چوں درگاه راستان است دریں وقت کہ بے طاقتی زورآورده بنده خود را

کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"یہ ان چند کتابوں میں ہے جن کا ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا لیکن اس کیلئے فارسی زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی ساتھ معصر تاریخوں سے کامل واقفیت بھی چاہیے، کیونکہ مصنف نہ صرف نامانوس الفاظ استعمال کرتا ہے بلکہ مذہبی مناظرے، تعریف و توصیف، ہجو و ذم، ذاتی اور خاندانی تاریخوں کی تفصیلات تو اس طرح بیان کرنے لگتا ہے کہ واقعات کا تسلسل قائم نہیں رہتا، اور پھر سلسلۂ تاریخ قائم کرنے میں کافی وقت ہوتی ہے لیکن ہمیں اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہی غیر متعلقات اس کی تصنیف کے دلچسپ حصے ہیں، بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں، جو بدایونی کی طرح اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو اس وضاحت اور بے توجہی کے ساتھ آشکارا کر دیتے ہوں"[1]

محمد حسین آزاد نے ملا صاحب سے اس لیے خوش نظر نہیں آتے ہیں کہ وہ ان کے ممدوحین کو اچھے الفاظ سے نہیں یاد کرتے ہیں، اس کتاب کی سب سے "بڑی خوبی" یہ بتائی ہے کہ ملا صاحب نے اس تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں۔[2]

اس کتاب کی صاف گوئی اور حق پسندی کے سبب جہانگیر نے اپنے زمانہ میں اس کی اشاعت بند کر دی تھی، بات یہ تھی کہ ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے جس بات کو خلاف شرع و مذہب سمجھ لیتے تھے، پھر اس کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اکبر کے مذہبی خیالات کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کے باعث ہوئے تھے، ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق، بدبخت کے الفاظ سے

---

[1] الیٹ ج ۵ ص۴۸۱، [2] دربار اکبری ص۴۱۹،

مستند تاریخوں میں شمار کی گئی ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ اسی کی مدد سے تیار کی، تاریخ سلاطین افغانان کے مصنف نے تو بعض بعض حصے خصوصاً ہمایوں کے حالات لفظ بلفظ اسی سے نقل کر لیے ہیں، فرشتہ نے اس کو ایک مکمل تاریخ بتایا ہے اور اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، مآثر الامرا میں ہے،

چونکہ مصنف نے واقعات کی تنقیح میں باریک بینی، جزئیات کے استقصا اور معلومات کے جمع کرنے میں پوری کوشش کی ہے، اور میر معصوم بھکری وغیرہ جیسے اہل کمال اس تالیف میں شریک تھے، اس لیے وہ نہایت معتبر ہے، اور وہ پہلی تاریخ ہے جو ہندوستان کے تمام اسلامی بادشاہوں کے حالات کی جامع ہے، اور تاریخ فرشتہ کے مصنف اور اسکے تتبع کرنے والوں کا جنھوں نے ابھی حالات کا اضافہ کیا ہے، زیادہ ماخذ یہی کتاب ہے،[۱]

منتخب اللباب حصۂ اول میں ہے،

نظام الدین ہروی محمد اکبر بادشاہ کا بخشی تھا، اس نے ایک تاریخ لکھی جس میں صوبہ دکن کے اکیس بادشاہوں کے حالات تھے، اس کا نام تاریخ نظامی رکھا، اسمیں ۱۰۰۳ھ تک اکبر بادشاہ کا ذکر کیا ہے، اکثر سلاطین دکن کے حالات میں اس کا بیان اعتماد کے لائق نہیں ہے، محمد قاسم فرشتہ کے علاوہ جس مورخ نے بھی سلاطین دکن کا حال لکھا ہے، اس کا بیان قابل اعتبار نہیں، لیکن چونکہ نظام الدین نے اکبر بادشاہ کی خدمت میں عمر صرف کر دی تھی، اس لیے اس بادشاہ کی سلطنت کے حالات میں وہ قابل وثوق ہے۔[۲]

یورپین مورخین میں یہ کتاب بہت مقبول ہے، ارسکن کا خیال ہے کہ اس زمانہ کا بہترین

---

[۱] مآثر الامرا، جلد اول صدہ ۲۶۳ [۲] خافی حصہ اول ص ۲۴۳،

حاضر پایۂ سریر والا دانستہ احوال او بعرض رسانید اگر دریں وقت بعرض نمی رسانید نوعی از نا راستی و بے حقیقی بود حق سبحانہ بندہائے درگاہ را در سایہ فلک پایۂ حضرت پادشاہ بر راہ راستی و حق گذاری و حقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید و آں حضرت را بر کل عالم و عالمیاں سایہ گستر و شکستہ پرور و عطا پاش و خطا پوش بہزاران ہزار دولت و اقبال و عظمت و جلال دیرگاہ دارد بعزت پاکان درگاہ الٰہی و روشن دلان سحر خیز صبح گاہی آمین آمین[1]

بعد کے اہل علم نے بھی ملا صاحب کی تعریف بجا طور پر کی ہے۔ بختاور خان عالمگیری مراۃ العالم میں لکھتا ہے:-

"ملا عبد القادر بدایونی جامع معقول و منقول بود و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشائے عربی و فارسی و نجوم و حساب و وقوف در نغمہ ولایتی و ہندی بمرتبہ کمال داشت و قادری تخلص بود"

علم و ہنر کے آسمان کا ایک دوسرا درخشندہ ستارہ خواجہ نظام الدین احمد تھا، خواجہ نظام دربار اکبری کے پنجہزاری امراء میں تھا۔ جو اس عہد کی بڑی معراج تھی، گجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھا، صاحبِ ثروت و عزت ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی تھا، سنہ۱۰۰۲ء میں طبقات اکبری لکھی جس نے اس کو حیاتِ جاوداں بخشی۔ یہ کتاب ہندوستان کے اسلامی عہد کی بہت ہی جامع تاریخ ہے، مصنف نے اپنے معلومات ان تمام مستند ماخذوں سے حاصل کئے ہیں۔ جو اس وقت ممکن صورت سے دستیاب ہو سکتے تھے، کتاب کے آغاز میں اپنے ماخذوں کے جو نام گنائے ہیں ان کی تعداد تیس ہے، اسی لیے یہ کتاب ہمیشہ

[1] بدایونی جلد ۳ ص ۵-۳۰۴ [2] منتخب اللباب خافی خان جلد ۱ ص ۲۴۳،

میر فتح اللہ شیرازی۔ کبھی میر، کبھی امیر، اور کبھی شاہ ان کے نام کا جزء تھا، شیراز سے بیجاپور آئے اور ابراہیم عادل شاہ کے لڑکے علی عادل شاہ کے معلم مقرر ہوئے، ان کے فضل و کمال کی شہرت پورے ہندوستان میں گونجی، فیضی دکن پہنچا تو ان سے ملا، اور اسی کی وساطت سے اکبر کے دربار سے متوسل ہوئے، بیجاپور سے اکبر کے دار السلطنت کے قریب پہونچے، تو اکبر نے خانخاناں عبد الرحیم اور ابو الفتح گیلانی کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا، اور خود ان سے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آیا، صدارت کے منصب پر سرفراز کرکے پرگنہ بساور، بیدا دو رمحلی جاگیر میں عطا کئے، ترقی کرکے سہ ہزاری منصب پر بھی فائز ہوئے، تفسیر، کلام، حدیث، حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم و رمل اور حساب میں ان کی علم دانی کا پایہ بہت بلند تھا، اپنے نجوم و رمل کے کمالات سے اکبر کے زائچہ کی تصحیح کی، اکبر کی فرمایش سے ایک نئے سنہ کی داغ بیل ڈالی، جس کا نام سنہ الٰہی اکبر شاہی قرار پایا، ۹۹۳ھ میں امین الملک بنائے گئے، اور راجہ ٹوڈرمل کے ساتھ امور سلطنت کے انصرام میں مصروف ہوئے، دفتر مال و دیوانی کی بہت سی اصطلاحات ان ہی کی وجہ سے رائج ہوئیں، اسی سال اکبر نے ان کو عضد الدولہ کے خطاب سے سرفراز کرکے خان اعظم کے ساتھ دکن بھیجا تاکہ اس صوبہ کو سلطنت تیموریہ کے زیر نگیں کرنے میں معاون ہوں، یہ مہم ناکام رہی، اکبر جب ۹۹۳ھ میں کشمیر پر حملہ آور ہوا تو شاہ فتح اللہ بھی اس کی معیت میں تھے، اور برابر مجلس مشورت میں شریک ہوتے تھے، ۹۹۷ھ میں اکبر کابل سے کشمیر جارہا تھا، تو شاہ صاحب بھی شاہی جلو میں تھے، راستے میں یکایک تپ محرقہ میں مبتلا ہوئے اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی، اکبر ان کی موت سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا اور بار بار کہتا تھا کہ

"میر وکیل و حکیم و طبیب و منجم ما بود"

مورخ نظام الدین تھا، کرنل لیس کو افسوس ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت نہیں ہوئی جتنی چاہیے تھی، الیٹ لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان کی بہت ہی مشہور کتاب ہے، جو جدید طرز پر لکھی گئی ہے[۱]

خواجہ نظام الدین کا انتقال ہوا تو ملا عبد القادر بدایونی نے اس طرح ماتم کیا جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے،

> وہ تپ محرقہ میں ۴۵ سال کی عمر میں جان بحق ہوا، اور نام نیک کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہیں لے گیا، دوست واحباب نے جو اس کے حسن و اخلاق کو دیکھ کر بڑی امیدیں رکھتے تھے، اشک حسرت بہائے اور سینے پر نا امیدی کے پتھر رکھے، اس حقیر کو بھی اس سے بڑا دینی اخلاص تھا، اور کوئی دنیاوی غرض وابستہ نہ تھی، مجبوراً صبر و تحمل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں پایا، اور یہی پرہیزگاروں کا شیوہ ہے، مگر اس واقعہ کو سب سے بڑی مصیبت سمجھ کر اس سے پوری عبرت حاصل کی، اور پھر کسی انسان سے محبت نہیں کی، اور گمنامی کے گوشہ میں بیٹھ رہا،[۲]
>
> بدایونی نے وفات کی تاریخ کہی، ع گوہر بے بہا ز دنیا رفت[۳]

فضلاء | اکبر کے دربار کے فضلاء کی فہرست اتنی طویل ہے، کہ اگر ہم ان کو تفصیل سے بیان کرنا شروع کریں تو ایک علحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی، ملا عبد القادر بدایونی نے اس عہد کے مشائخ، فضلاء، اطباء اور شعراء کا ذکر ایک مستقل جلد میں کیا ہے، جو ۳۹۰ صفحوں پر مشتمل ہے، ہم ان میں سے بعض ارباب علم و اصحاب فن کو ناظرین سے روشناس کرکے ان کی تشنگی بجھانے کی کوشش کریں گے،

---

[۱] الیٹ ج ۵ ص ۱۷۸، [۲] بدایونی ج ۲ ص ۳۹۶، [۳] ایضاً

اور شیخ الاسلام کے القاب عطا کئے تھے، وہ اہل سنت والجماعت میں سے تھے، اور ہر حال میں شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھتے تھے، بیرم خاں نے ایک لاکھ روپے سالانہ تنخواہ مقرر کی تھی، اکبر کے زمانہ میں شاہی دیوان خانہ کے وکیل تھے، اور رجب ۹۹۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے ذاتی خزانہ سے تین کرور روپے نکلے،[1] اکبر کی حمایت میں جو محضر نامہ ترتیب دیا گیا تھا، اس پر طوعاً وکرہاً انھوں نے بھی اپنا دستخط ثبت کیا تھا، محضر نامہ کی تدوین کے بعد ان کے اور اکبر کے تعلقات اچھے نہیں رہے،

مولانا میر سید محمد میر عدل - امروہہ کے رہنے والے تھے، علم حدیث میں مولانا میر سید رفیع الدین کے شاگرد تھے، اپنے علم کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کے لیے بھی مشہور ہوئے، اکبر نے اپنے دربار سے منسلک کرکے ان کو میر عدل کے عہدہ پر مامور کیا، اور جب تک وہ اس عہدہ پر رہے ملک سے خیانت اور الحاد کا انسداد کرتے رہے، ۹۸۴ھ میں بھکر کی حکومت ان کو تفویض کی گئی، ۹۸۶ھ میں جوار رحمت حق سے پیوست ہوئے،[2]

شیخ عبد النبی - حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے اور حضرت شیخ احمد کے لڑکے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، ہندوستان واپس آئے تو اپنے تقویٰ طہارت، نزاہت اور عبادت کے لیے مشہور ہوئے، اکبر نے متاثر ہوکر ان کو عہدۂ صدارت صدور پر فائز کیا، ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے کہ کسی سلطنت میں منصب صدارت کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی جتنی اکہ شیخ عبد النبی کے زمانہ میں ہو۔

"چوں بمنصب صدارت رسید جہان جہان زمین مدد معاش و وظائف و اوقاف بخلاق بخشید، چنانچہ در زمان ہیچ پادشاہی این چنیں صدری باستقلال نگشتہ و عشر عشیر

---

[1] بدایونی ج ۳ ص ۷۰، مآثر الامراء ج ۳ ص ۲۵۶، و تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۳ [2] انتخاب ص ۱۶۶ و ۱۷۷،

فیضی نے ان کی موت پر ایک غمناک مرثیہ کہا جس میں ۱۰۴ اشعار تھے، وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے انجنیر اور موجد بھی تھے، ایک ایسی چکی بنائی تھی جو خود بخود ہوا سے حرکت کرتی تھی، ایک آئینہ بھی ایجاد کیا تھا جو نزدیک اور دور کے عجیب وغریب تماشے دکھاتا تھا، ایک قلعہ شکن توپ بنائی تھی جو پرزوں کی طرح الگ الگ ہو جاتی تھی، ایک ایسی بندوق بھی تیار کی تھی جو ایک ہی بار بارہ گولیاں چلاتی تھی، معاصر اہل علم ان کے علمی پایہ کے معترف تھے، طبقات اکبری میں نظام الدین احمد لکھتا ہے :-

امیر فتح اللہ (آں کہ در جمیع علوم عقلی و نقلی در ایران و ہند بل در ربع مسکون قرین خود نداشت) در نیرنجات وطلسمات ماہر بود،

ان کے نام سے یہ تصانیف منسوب ہیں (۱) تفسیر منہاج الصادقین فی الزام المخالفین (۲) خلاصۃ المنہج (۳) اقبال نامۂ اکبری (۴) حالات کشمیر (۵) زیچ جدید، تاریخ الفی کی تدوین میں بھی شریک رہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے[1]،

مولانا عبداللہ سلطانپوری، سلطان پور مضافات لاہور کے رہنے والے تھے، اپنے عہد کے جید علماء میں سے تھے، عربی، اصول، فقہ، تاریخ اور علوم منقولات میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، ان کی تصانیف میں عصمۃ انبیاء، شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شرح ملا مشہور تھیں، تیموریوں سے پہلے سلاطین افغان بھی ان کے بڑے قدردان تھے، شیر شاہ نے ان کو صدر الاسلام کا خطاب بخشا تھا، سلیم شاہ نے اپنے تخت پر ساتھ بٹھا کر ان کی خدمت میں بیس ہزار روپے کی ایک مروارید کی تسبیح پیش کی تھی، ہمایوں نے ازراہ قدردانی ان کو مخدوم الملک

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اکبرنامہ ج ۱ ص ۱۳ و ج ۳ ص ۵۰۰، ۵۰۱، ۳۹۱ منتخب التواریخ ج ۲ ص ۲۷۰- ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۸- ماثر الامراء ج ۱ ص ۱۰۴- ۱۰۱ و معارف نمبر ۵ ج ۱۴،

وابستہ تھے، وہ اپنے علم، حلم، نیک نفسی، زہد، تقویٰ، اور جودت فہم کے لیے مشہور تھے، اکبر نے ان کو لاہور کا قاضی مقرر کیا، یہاں ان کی دیانت اور عدل پروری کا ہر شخص معترف تھا،

شاہی دربار کے بہت سے اطبا ایسے بھی تھے جو نہ صرف اپنے فن میں یدطولیٰ رکھتے تھے بلکہ مختلف علوم پر بھی ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی، حکیم ابوالفتح گیلانی کا ذکر پہلے آچکا ہے، حکیم الملک **شمس الدین** اپنے زمانہ کا جالینوس تھا، علم منقولات میں بھی اس کی لیاقت مسلم الثبوت تھی، حکیم **عین الملک** شیرازی علم کحل کا بڑا ماہر تھا، شعروشاعری سے بھی اسکو دلچسپی تھی تخلص دوائی رکھتا تھا، حکیم **مصری** کو علم حروف و تکسیر د توفی میں بڑی مہارت تھی کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا، حکیم **علی** گیلانی حکیم الملک کا بھانجہ تھا، اپنے خالو شاہ فتح اللہ شیرازی سے طب کی تعلیم پائی، اور شیخ عبدالنبی سے علوم منقولات حاصل کئے، جہانگیر اس کی عربی دانی کا بہت معترف تھا، اس نے قانون کی ایک شرح بھی لکھی، حکیم ہمام حکیم ابوالفتح گیلانی کا بھائی تھا، اس کا اصل نام ہمایوں تھا، اکبر کے دربار سے وابستہ ہوا تو ہمایوں کے نام کے احترام کی خاطر غایت خاکساری میں اپنے کو ہمایوں قلی کہنے لگا، مگر اکبر نے اس کا نام ہمام رکھا، جس کے معنی بلند مرتبہ سردار کے ہیں، اکبر اس کو بہت عزیز رکھتا تھا، اور گو شش صدی منصبدار رہا لیکن دربار کا بہت ہی باثر اور بارسوخ امیر تھا، تاریخ الفی کی تدوین میں حکیم علی اور حکیم ہمام بھی شریک تھے، وہ توران شاہی سفیر بنا کر بھیجا گیا، وفات کے بعد بہت بڑی دولت چھوڑی، حکیم احمد ٹھٹھوی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم مظفر اردستانی، شیخ بینا، اور حکیم مسیح الملک شیرازی بھی ذی علم فضلا میں شمار کئے جاتے تھے، (دیکھو منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۷۰۔ ۱۶۱ و طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۸۴ و ۴۸۱)

ہم طوالت کے خیال سے تمام علما، و فضلا کا ذکر کرنے سے قاصر ہیں ابوالفضل نے آئین اکبری میں "**دانش اندوزان جاوید دولت**" کے عنوان سے ان کی پانچ

ایں او قاف کہ او داوہ نداوہ"

اکبر کو شیخ عبد النبی سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا، ان کے گھر جاکر ان سے حدیث پڑھتا تھا، اور ان کے فیضِ صحبت سے اس کی مذہبی خود رفتگی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ مسجد میں خود اذان دیتا، اور ثواب کی خاطر مسجد میں جھاڑو بھی دیتا تھا، ایک دفعہ اس نے سالگرہ کی تقریب میں کپڑوں پر زعفران کا رنگ چھڑکا، شیخ عبد النبی نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ سر دربار لکڑی اٹھا کر ماری، اکبر کو ناگوار ہوا، محل میں جاکر ماں سے شکایت کی کہ شیخ خلوت میں منع کرتے تو کوئی ہرج نہ تھا، دربار میں ذلیل کرنا مناسب نہ تھا، مریم مکانی نے کہا "بیٹا دل پر میل نہ لانا، یہ نجات اخروی کا باعث ہے، قیامت تک چرچا رہے گا کہ ایک مفلوک الحال ملّا نے بادشاہ کے ساتھ یہ حرکت کی، اور سعادتمند بادشاہ نے اس کو برداشت کیا"[1] مگر بعض مقربان بارگاہ نے اکبر کو شیخ کی مذہبی سختی کے خلاف ابھارا تو اس کی یہ عقیدت کدورت میں تبدیل ہوگئی، جب محضر نامہ کا فتنہ اٹھا تو شیخ عبد النبی نے بجبر و اکراہ اس پر دستخط کیا، اکبر کی ناگواری اور بھی بڑھی، اور اس نے شیخ کو حج بیت اللہ کے لیے جانے پر مجبور کیا، اور خواہش کی کہ وہ وہاں سے واپس نہ آئیں، مگر شیخ کچھ دنوں کے بعد حج سے واپس آگئے، جس سے اکبر کی کدورت میں اور بھی اضافہ ہوگیا، اکبر نے ان کو قید کر دیا اور وہ قید خانہ ہی میں ۹۹۱ھ میں عالم بقا کو سدھارے، ان کی ایک تالیف وظائف النبی صلعم کا قلمی نسخہ دار المصنفین (اعظم گڈھ) میں ہے، سماع کے انکار میں بھی ایک رسالہ لکھا، امام قفال مروزی شافعی نے امام ابو حنیفہ کے خلاف جو طنز کیا ہے اس کے رد میں بھی ایک رسالہ تحریر کیا[2]۔

مشہور شیعی عالم **قاضی نور اللہ شستری** (مؤلف مجالس المومنین) بھی دربار سے

---

[1] مآثر الامرا جلد دوم ص۵۶۰، [2] منتخب التواریخ جلد دوم، ص ۸۳-۷۹ و تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۲،

شعراء | اکبر کی فیاضیاں اور زرپاشیاں سنکر ہر جگہ سے شعراء ہندوستان میں امنڈ آئے تھے، ملا بدایونی نے اس عہد کے ایک سو چھ[106] شعراء کے حالات لکھے ہیں، اور ان کے کلام کے نمونے درج کئے ہیں، ابوالفضل نے آئین اکبری میں پچھتر اور خواجہ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں اکاسی ایسے شعراء کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے دربار میں پہنچکر تقرب حاصل کیا۔ اکبر نہ صرف ان پر ہسیم وزر کی بارش کرتا، بلکہ ان کی ہمت افزائی اور ان کے ذوق سخن کے معیار کو بلند کرنے کی خاطر ملک الشعراء کا خاص عہدہ قائم کیا، جس پر سب سے پہلے غزالی مشہدی مامور ہوا، غزالی عراق سے ہندوستان آیا، تو اکبر کے درباری امیر خان زمان حاکم جون پور نے ایک ہزار روپے زادِ راہ بھیج کر اس کو اپنے دربار میں بلایا، یہاں ایک مثنوی نقش بدیع لکھکر خان زمان کی خدمت میں پیش کی، جس میں ایک ہزار شعر تھے، سخن سنج اور سخن فہم خان زمان کو یہ مثنوی اس قدر پسند آئی کہ فی شعر ایک اشرفی انعام دیا[1]، خان زمان کی وفات کے بعد غزالی اکبر کے دربار سے منسلک ہو گیا، ابوالفضل نے اس کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:-

"بہ بلند فہمی و شیوا زبانی طراز یکتائی داشت و از دلآویز گفتار صوفی بہرہ مند"

(آئین اکبری ص۲۰۱)

ان ہی شاعرانہ اوصاف کی بنا پر اس کو ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا۔ بہت ہی پر گو شاعر تھا کئی دیوان اور کئی مثنویاں مثلاً مشہد انوار، مرآۃ الصفات، نقش بدیع، اور قدرت آثار لکھیں، ملا بدایونی اسکی شاعری کے بہت زیادہ مداح نہیں، مگر اس کی شاعری کی کمیت و کیفیت کے معترف ہیں؛ لکھتے ہیں:-

---

[1] خزانہ عامرہ قلمی نسخہ بحوالہ شعر العجم حصۂ سوم ص۱۰

قسمیں کی ہیں،

(۱) **خداوندانِ یقین** - جن میں شیخ مبارک ناگوری، شیخ نظام نارنولی، شیخ ادہن امن اللہ، میاں وجیہ الدین، شیخ رکن الدین، شیخ عبد العزیز، شیخ الہدیہ، شیخ عبد الغفور وغیرہ تھے،

(۲) **خداوندِ باطن**، شیخ رکن الدین محمود کمانگر، شیخ امان اللہ، خواجہ عبد الشہید، شیخ موسیٰ، شیخ علاء الدین مجذوب، شیخ سلیم چشتی، شیخ محمد غوث گوالیاری وغیرہ،

(۳) **دانندۂ معقول و منقول**، میر شیخ اللہ شیرازی، میر مرتضیٰ، مولانا سعید ترکستانی حافظ تاشکندی، مولانا شاہ محمد، مولانا علاء الدین، حکیم مصری، مولانا صادق وغیرہ،

(۴) **شناسای عقلی کلام**، مولانا پیر محمد، مولانا عبد الباقی، مرزا مفلس، مولانا محمد، مولانا نور الدین ترخان وغیرہ،

(۵) **پزشکان**، حکیم مصری، حکیم الملک، حکیم ابو الفتح گیلانی، حکیم علی گیلانی، حکیم ارسطو، حکیم مسیح الملک، حکیم لطف اللہ، حکیم ہمام، حکیم شفائی، شیخ بینا وغیرہ،

خوانای نقلی مقال، میاں حاتم، مولانا عبد القادر، مخدوم الملک، میر عبد اللطیف میر نور اللہ، شیخ عبد النبی صدر جہاں شیخ منو وغیرہ،

ان کے علاوہ اس عہد میں بہت سے اور صلحا و علما بھی تھے، مثلاً شیخ عبد الحق دہلوی، حاجی ابراہیم محدث، شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ نظام الدین امیٹھوی، شیخ داؤد جہنی والؒ وغیرہ جن کے فیوض و برکات سے عوام و خواص متمتع ہوتے رہے، مگر پھر بھی علمائے سو کی فتنہ سامانیوں سے اس دور میں ضلالت و گمراہی اتنی بڑھی کہ افق اسلام پر حضرت **امام ربانی مجدد الف ثانیؒ** کا ظہور ہوا اور اس مجدد اعظم نے ہندوستان کے ظلمت کدہ کی تیرگی و تاریکی کو اسلام کی ضیا پاشی سے ایک بار پھر منور کر دیا۔

روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا تحصیل حاصل ہے، پھر بھی ہم یہاں پر فیضی کے کچھ مدحیہ اشعار نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے، جس سے اس کی شاعری کی شوکت و عظمت کے ساتھ ساتھ اکبر کی ذات سے اس کی [illegible] و شیفتگی کا بھی اندازہ ہو گا،

شاہنشاہا! خسرو پژوہا! — دریا گہرا! فلک شکوہا!
بزمے است، جہان بعیش پیوست — دور تو شراب و آسمان مست
امروز بہ این نوائے چو شہد — من بار بدم تو خسرو عہد
زین جامہ کہ کردہ ام فلک سائے — پیش تو ستادہ ام بیک پائے
این نامہ کہ عشق بر زبان برد — طغرائے ترا بہ آسمان برد
این چار ہزار گوہر تاب — کانگیختہ ام بہ آتشین آب
بپذیر کہ آب گوہر تست — از بہر نثار افسر تست
پیمانۂ من اگر نشد پر — دریا کنمت نثار نہ دُر
گر عشق چنین بسوزدم پاک — مہتاب برون تراوم از خاک
بگداختہ آبگینۂ دل — آئینۂ دہم بدست محفل
آنم کہ بہ سحر کاری ژرف — از شعلہ تراشش کردہ ام حرف
بانگ قلم درین شب تار — بس معنی خفتہ کرد بیدار
صبح بہ فیض بادشاہی — من بودم و باد صبح گاہی

مثنوی نل دمن لکھتے وقت اکبر کی شان میں کہتا ہے:-

اے پایۂ فراز ہفت اورنگ — میزان عدالتت گران سنگ
فیض تو بروزگار مفتوح — چون بادہ بچشم و نغمہ با روح

"اگرچہ سخن او رتبۂ عالی چندان ندارد اما در کمیت و کیفیت اشعار او زیادہ از ہمہ اقرانست بزبان تصوف مناسبت تمام دارد" (جلد سوم ص۱۵۱)

۹۸۰ھ میں احمد آباد میں وفات پائی، اور سلاطین و مشائخ کے مقبرہ میں دفن ہوا، اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں، مراۃ الصفات اکبر کی ستایش میں لکھی گئی، اس میں کہتا ہے،

تاج وہِ تارک روئین تنان ۔۔۔ سر شکن گبر قوی گردنان

شاہ فلک مسند خورشید رخش ۔۔۔ ملک ستانندہ و اقلیم بخش

گر بکشد تیغ جہان سوز را ۔۔۔ قطع کند سلک شب و روز را

ور نخورد جرعے از جام او ۔۔۔ تیغ شود موے بر اندام او

سوے فلک گر فگند چشم کین ۔۔۔ آب شود چرخ و رود در زمین

رائے وی از عقل جوان پیر تر ۔۔۔ بخت وی از صبح جہانگیر تر

ابر حیا کانِ کرم بحر جود ۔۔۔ تازہ گل گلشن چرخ کبود

مولانا شبلی نے شعر العجم حصہ سوم ص۱۵۱ میں غزالی کی مثنوی نقش بدیع کے حسب ذیل اشعار کی داد دی ہے،

خاک دل آن روز کہ می بیختند ۔۔۔ شبنمے از عشق برو ریختند

دل کہ بآن رشحۂ غم اندود شد ۔۔۔ بود کبابے کہ نمک سود شد

بے اثر مہر چہ آب و چہ گل ۔۔۔ بے نمک عشق چہ سنگ و چہ دل

ذوق جنوں از سر دیوانہ پرس ۔۔۔ لذت سوز از دل پروانہ پرس

غزالی کے بعد **ابوالفیض فیضی** ملک الشعراء ہوا، جس کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں، فیضی کی خوش بیانی، جدت طبع اور فلسفیانہ خیالات پر مولانا شبلی مرحوم کا ایک بے مثل تبصرہ شعر العجم حصہ سوم میں ملے گا، اس تبصرہ کی موجودگی میں فیضی کی شاعری پر مزید

کاروان سالار شاہان آفتاب آمد ولے — چون تو نامد یوسفی در کاروان آفتاب

زہر سرکش رام شد در زیر ران دولتت — چون سمند آسمان در زیر ران آفتاب

طوطی نطقم چو در مدحت شکرخائی کند — آب گردم از ذوق گردد در دہان آفتاب

تا لوائے دولتت انگختہ اند از اوج عرش — اہل معنی را نشد معلوم شان آفتاب

ہمچو شمعی کان برافروزند از شمع دگر — از یکے نور است جان شاہ و جان آفتاب

فیض می تابد ز ذاتت چون نتابد کز ازل — گوہرت را پرورش داد است کان آفتاب

سجدہ گاہ ہفت اقلیم است مسندگاہ تو — قبلۂ ہفت آسمان است آستان آفتاب

ہر کجا آماج گاہی طلعتت آمادہ کرد — می جہد تیر سعادت از کمان آفتاب

گر ہمائے آفتاب آرام گہ می داشتی — جائے اکبر شاہ بودی آشیان آفتاب

وصف شاہ از ما کسی چون من کجا لائق شود — ہر چہ کردم نقل کردم از زبان آفتاب

گر پس از قرنے بود سعدین را باہم قران — چون بود ہر صبح دم با شہ قران آفتاب

مدح خورشید و ثنای شہ کند عرفی مدام — کز مریدان شہ است و عاشقان آفتاب

وقف دولت باد و سر لایزال آسمان — نور حشمت باد حسن جاودان آفتاب

بر سر شہ سایہ افگن چون شود بال ہما — چون پر خفاش گردد سایبان آفتاب

گر بدان غایت کہ شہ بشناسدش باید شناخت — از مسیحا ہم مجو نام و نشان آفتاب

آسمان داند کہ چون شاہ جہان ہرگز نبود — قدردان آفتاب اندر زمان آفتاب[1]

اکبر کے دربار میں کسی کو خودستائی کی جرات اور ہمت نہیں ہو سکتی تھی، مگر خوددار عرفی ایک قصیدہ میں اکبر کو مخاطب کرکے کہتا ہے:-

[1] اس قصیدہ کے بعض اشعار اختصار کی خاطر حذف کر دیے گئے ہیں؛

صد باغ طرب بہ بزمگاہت ۔۔۔ صد خم کدہ بادہ در نگاہت
اے از تو جہان سکون گرفتہ ۔۔۔ با تیغ تو فتنہ خوں گرفتہ
رحمت کہ گل ظفر دماندہ ۔۔۔ از خار ترا انگبین فشاندہ
ہر جا غرور کج کلاہے ۔۔۔ سرکردۂ فتنۂ شد سیاہے
تیغ تو کلہ ربودہ سر ہم ۔۔۔ این زہرہ تراست دین جگر ہم
آفاق بشام گاہ دیجور ۔۔۔ از ہجر رائیت بردہ نور
آنرا کہ نشاط جاودانی ست ۔۔۔ بیداری شب حیات ثانی ست

فیضی کی علم دوستی بھی مشہور تھی، وہ اہل علم کے ساتھ غیر معمولی فیاضیاں کرتا تھا، حیدر معمائی نے اس کی تفسیر کی تاریخ قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے نکالی، تو اس نے دس ہزار روپے انعام میں دیے، محمد جمال الدین عرفی شیرازی ہندوستان آیا، تو فیضی ہی کا مہمان ہوا، فیضی نے اس کی پوری قدر دانی کی، اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا رہا، مگر وہ اپنی نخوت پرستی کے سبب فیضی سے الگ ہو کر اکبر کے دوسرے جلیل القدر امیر حکیم ابو الفتح گیلانی کے دربار سے وابستہ ہو گیا، اس کی وفات کے بعد عبد الرحیم خانخاناں کے دربار کے ارباب کمال میں داخل ہوا، اپنے غرور، پندار اور خود ستائی میں اکبر کے دربار سے بے نیاز رہنا چاہتا تھا، پھر بھی اکبر اس کی طرف ملتفت ہوا، اور عرفی نے اس کی شان میں کئی قصیدے کہے، پہلے قصیدہ میں اپنی جولانی طبع اس طرح دکھائی ہے:-

اے دلِ معنی سرشت رازدان آفتاب ۔۔۔ تا ابد بر خوان دولت میہمان آفتاب
بر کمال دولتت ہر کس کہ بیند بنگرد ۔۔۔ از شراب تربیت رطل گران آفتاب
دولت جمشید ہمہ دشنی کند با دولتت ۔۔۔ گر تواند سایہ بودن ہم عنان آفتاب

نے ان کی جس طرح قدردانی، عزت افزائی اور سرپرستی کی اس کا اندازہ ہوجائے، کہیں کہیں ہم ان شعراء کے کلام کے نمونے بھی ناظرین کے تفنن طبع کے لیے پیش کرتے جائیں گے، ان سے اس دور کے شعروشاعری کے عام رجحانات کا پتہ چلے گا۔

خواجہ حسین مروی ۔ حضرت شیخ رکن الدولہ سمنانی کی اولاد میں سے تھے۔ معقولات کی تعلیم مولانا عصام الدین اور ملا حنفی سے پائی، حدیث میں خاتم العلماء والمحدثین شیخ ابن حجر کی شاگردی کا شرف حاصل کیا، ہمایوں ان کے علم وفضل کا قدردان تھا، اس لیے اس کے ندیم خاص بھی رہے، اپنی فصاحت، بلاغت، لطافت اور ظرافت کے لیے مشہور تھے، ان کی شاعری میں سلاست صنائع اور بدائع کا پہلو غالب رہتا تھا، شہزادہ سلیم کی ولادت کے موقع پر ایک قصیدہ کہا جس کے پہلے مصرع سے اکبر کی تاریخ جلوس اور دوسرے سے سلیم کی تاریخ ولادت نکلتی تھی، قصیدہ کا مطلع یہ تھا:۔

قد الحمد از پے جاہ و جلال شہریار ۔۔۔ گوہر مجد از محیط عدل آمد بر کنار

اکبر نے اس قصیدہ پر دو لاکھ ٹنکے انعام دیے،[۱] اکبر کی فرمایش پر سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ شروع کیا، مگر اس کی تکمیل نہ کر سکے، شیخ فیضی نے ان سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، کلام کا نمونہ یہ ہے:

گوئیم مگر ز اہل وفائیم نہ ایم ۔۔۔ واندر صفت صدق و صفائیم نہ ایم

آراستہ ظاہریم و باطن نہ چنان ۔۔۔ افسوس کہ انچہ می نمائیم نہ ایم

ثنائی مشہدی ۔ نام خواجہ حسین، باپ کا نام غیاث الدین علی تھا، ایران میں اپنے کلام کی رنگینی اور پرکاری کے لیے مشہور تھا، وہاں ایک مدت تک سلطان ابراہیم مرزا کی

۱؎ طبقات اکبری ج ۲ ص ۲۱۶۔

شہا! بہ بزم تو چون این قصیدہ برخوانم — کہ ملک نظم ز فیضش گرفتہ است نظام

سزد بکائزہ با جیب پر گہر گردوں — بدوشم افگند این جامۂ زمرد فام

اکبر ۹۹۷ھ میں کشمیر گیا، تو عرفی بھی ہم رکاب تھا، کشمیر پر اس نے ایک قصیدہ کہا جس میں اکبر کو مخاطب کر کے لکھتا ہے:۔

حکم تو آتش آورد بکشمیر وگرنہ — کے از سر آن خاک بخاک دگر آید

می آید و می سوزد ازین رشک کہ کشمیر — چوں یافت کہ آید بجہاں بر اثر آید

اکبر نے ایک موقع پر اس کو ایک گھوڑا بھی انعام میں دیا تھا، لیکن اس سے خوش ہونے کے بجائے اپنی رعونت میں اس نے گھوڑے کی ہجو لکھی، اکبری دور میں زور کلام، شوکت الفاظ، جدت استعارات و تشبیہات، نازک خیالی، مضمون آفرینی، فلسفیانہ خیالات اور نئی تمہید و ں کے لحاظ سے عرفی کا کوئی مقابل نہ تھا، اس نے اپنے شاعرانہ کمال پر کبر و نخوت کا جو اظہار کیا تو یہ بے جا نہ تھا، اور اس کی اس افتاد طبع سے خود شاعری بھی معنوی حیثیت سے بلند مقام پر پہنچ رہی تھی،

محمد حسین نظیری نیشاپوری ہندوستان پہنچا تو عبدالرحیم خانخانان کے دربار میں ملازم ہوا، اور اسی کی وساطت سے اکبر کے شاہانہ دربار میں رسائی حاصل کی پہلی بار جب اکبری دربار میں پہنچا تو جہانگیر کے بیٹے شہزادہ خسرو کی ولادت کا جشن تھا، نظیری نے اس موقع پر ایک قصیدہ پیش کیا جس سے اکبر کی توجہ اس کی طرف ہوئی، لیکن حاسدوں نے اس کو تقرب حاصل کرنے نہیں دیا، پھر بھی اس نے اکبر کی مدح میں اور بھی قصیدے لکھے جو مقبول ہوئے، اسکی سخن دانی اور سخن گستری کی داد جہانگیر اور شہزادہ مراد کے دربار میں زیادہ دی گئی جیسا کہ آگے آئیگا،

الغرض اکابر شعراء کے علاوہ دربار کے بعض اور سخن سنجوں کا بھی اجمالی ذکر ضروری ہے تاکہ اکبر

در حوصلۂ نہ فلک از عشق نگنجید　　ہر ذرہ کہ از خاک ثنائی بہ ہوا رفت

میلی ہروی ۔ مولانا شبلیؒ شعرالعجم حصہ پنجم (ص۳۲) میں عرفات اوحدی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ قزلباشی امرا میں سے تھا، نہایت خوش رو اور خوش مزاج تھا، مدت تک مشہد اقدس میں سلطان ابراہیم مرزا کے دربار میں رہا، پھر ہندوستان آیا، یہاں حسین ثنائی، غزالی، وحشی وغیرہ سے معرکے رہے، مشہور ہے کہ اکبر کے دربار میں غزالی سے مناظرہ ہوا، غزالی نے حکمت عملی سے اس کو مغلوب کیا، اس کا اس کو اسقدر صدمہ ہوا کہ اسی وقت تپ چڑھ آئی، اور بالآخر بیمار رہ کر مر گیا، مگر منتخب التواریخ حصہ سوم (ص۳۲۹) میں میلی ہروی کا ذکر ان الفاظ میں ہے،

"مرزا قلی نام، صاحب دیوان اور صاحب طرز ہے، اس کا سلیقہ شاعری ایسا تھا کہ اگر وہ اب تک زندہ رہتا تو بہت سے خام شعراء کے دل میں شعر گوئی کا سودا سرد پڑ جاتا، اس کے زمانہ سے اس وقت تک کے شعراء میں سے اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا، برسوں نورنگ خان کی خدمت میں رہا، اور اس کی مدح میں بڑے بڑے قصائد کہے، کہتے ہیں کہ بدگمانی کی بنا پر نورنگ خان کے حکم سے اس کے پیالہ میں کوئی ایسی چیز ڈال دی گئی کہ اس دنیا سے چل بسا، اس کی وفات مالوہ میں ہوئی۔

طبقات اکبری جلد سوم (ص۴۹۶) میں ہے:۔

"مرزا قلی میلی نورنگ خاں کی خدمت میں برسوں رہا، نورنگ خان اس عالی شان دودمان (یعنی خاندان تیموری) کے امراء میں سے ہے، مرزا قلی غزل اور قصیدہ کا ایک دیوان رکھتا ہے۔"

آئین اکبری اور منتخب التواریخ میں میلی قلی کے بہت سے اشعار درج ہیں، جن میں سے

ثنا خوانی کی، ہندوستان میں آنے سے پہلے یہاں اس کا کلام ہر مجلس میں تبرک کے طور پر پڑھا جاتا تھا، ہندوستان آیا تو اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور آخر عمر تک اس کے خسروانہ مراحم سے مستفید ہوتا رہا، تمام تذکرہ نگار اس کے شاعرانہ کمال کے معترف ہیں، میخانہ کا مولف اس کو "عندلیب گلستان نکتہ سرائی" کہتا ہے، اور اس کی شاعری کو رنگ و بو سے رنگین اور معطر پاتا ہے منتخب التواریخ (ص ۲۰۸) میں ہے:-

شاعر طبیعت است، و در ہمہ اقسام سخن غیر از توحید و موعظت و نصائح حکیم و تنگنائی طرفہ دارد"

خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں لکھتا ہے:-

دیوان شعر و کتاب مثنوی دارد، و اقسام شعر را خوب و استادانہ می گفت، و از شعرائے وقت امتیاز داشت" (جلد سوم ص ۴۸۹)،

میخانہ (ص ۱۶۶) میں مثنوی کا نام سکندر نامہ مرقوم ہے، اس میں اور منتخب التواریخ جلد سوم میں ثنائی کا ایک ساقی نامہ بھی منقول ہے، خانخانان عبدالرحیم کی شان میں بڑے لمبے لمبے قصائد کہے تھے، جو مآثر رحیمی جلد سوم میں ملیں گے، قصیدہ گوئی کو اس کی شاعری سے بھی بڑی ترقی ہوئی، اس کی ایک رباعی ملاحظہ ہو،

ترک ستمم چو کلہ گوشہ یغما شکند | نقد دلہا بردا از طرۂ و در پا شکند
ہر گز تندی خوی تو بجا طرز سد | کہ نہ بر عارض دل رنگ تمنا شکند

اس کے کچھ اور کلام سے بھی لطف لیجیے، (آئین اکبری ص ۱۸۱)،

قاصد شوق دگر قطرہ زنان می آید | کہ بدل شوق کسے از پئے جان می آید
شرط عشق ست کہ ہم باز بدل بسپارند | سخن دوست کہ از دل بزبان می آید

توسنی ۔ نام منوہر تھا، سانبر کے راجہ لون کرن کا لڑکا تھا، اکبر نے اس کو مرزا منوہر کا خطاب دیا تھا، مگر وہ اپنے کو محمد منوہر لکھتا تھا، اس کی شاعری میں متانت وسنجیدگی تھی، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر   مست حسن دوست را با کفر و ایمان کار نیست

تشبیہی کاشی ۔ کئی بار وطن سے ہندوستان آیا، اور ابوالفضل کے توسل سے اکبر کے دربار میں حاضر ہوا، اور قصیدہ بھی پیش کیا، ملا بدایونی کی رائے کے مطابق ملحد تھا۔

تقی الدین ششتری ۔ علوم عقلیات ونقلیات میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، اکبر کے حکم سے شاہنامہ کو منثور کرنے کی کوشش کی، مگر یہ سعی لاحاصل تھی اسی لیے ملا بدایونی اس قسم کی کوشش کے بارے میں لکھتے ہیں "قماش ابریشمیں پلاس میکند، و ریسماں را می سازد" یعنی مخمل کو ٹاٹ بنا رہا ہے، اور سوت کو روئی، اس کی سخن سنجی کا نمونہ یہ ہے:۔

گر دست ندہدم کہ برویت نظر کنم   باری دہان بیاد لبت پر شکر کنم
باآنکہ ہمچو سبزہ بجا کم نشاندہی   دست و دلی کجاست کہ خاکے بسر کنم

ثانی خان ہروی ۔ اکبر کے قدیم درباری امراء میں سے تھا، دین الٰہی کی تشکیل میں معاون ہوا، اس کی حمایت میں کچھ رسالے بھی لکھے، شعر گوئی سے بھی کچھ ذوق رکھتا تھا، مگر آخر عمر میں اس سے توبہ کرلی تھی۔ ذرہ و خورشید کے عنوان سے ایک مثنوی بھی لکھی تھی،

جدائی ۔ سید علی نام، اکبر کے دربار کا مصور تھا، اکبر کے حکم سے قصۂ امیر حمزہ کی ۱۶ جلدوں کو مصور کیا، اور نادر الملک کے خطاب سے سرفراز ہوا، ہمایوں بھی اس کا قدردان تھا، ہمایوں شاہی بھی کہلاتا تھا، (طبقات اکبری حصہ سوم ص۵۹۳)، ملا بدایونی اس کو ہندوستان کا مانی لکھتے ہیں، شاعر بھی تھا، ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا کچھ اشعار یہ ہیں:۔

کچھ یہ ہیں :-

دانستہ کہ مہر تو با جان نمی رود | کز خاک کشتگان گذری سرگران ہنوز
نہ آشنا و نہ بیگانہ نمی دانم | کہ اختلاط چنین را کسی چہ نام کند
بیقرار است دل اندرین کشتہ عشق | دیگر از یار ندانم چہ تمنا دارد
امتحان نام نہد دل ستمی کز تو کشد | خویش را چند باین حیلہ شکیبا دارد
میرم و بر زندگانم رحم می آید کہ تو | خوبان بے دادہا داری کہ با ما کردۂ

نوری۔ ملا نورالدین محمد ترخان نوری سفیدون (توابع سرہند) کے رہنے والے تھے، ہمایوں کے سلسلہ میں ان کا ذکر آچکا ہے، ہندسہ، ریاضی، نجوم و حکمت میں ان کا علم مشہور تھا، جود و سخا اور بذلہ سنجی میں ضرب المثل تھے، اکبر نے ان کی عزت و قدردانی باپ ہی کی طرح کی، اور ان کو خان کا بھی خطاب عطا کیا، چنانچہ اس خطاب پر اظہار تشکر کے ساتھ لطیف پیرایہ میں شکوہ بھی کرتے ہیں۔

زروے مکرمت وز راہ احسان | بہ ترخان داد خانی شاہ عادل
ازین خانی ہمین نایست بہ ردی | ازین نام تشگرف اور اچہ حاصل
ز ترخانی ہم او را شکوہ ہست | بہ نزد خسرو دانائے کامل
کہ غیر از خان خشکی می نماند | ز ترخانی تری گرد و چو زایل

مگر بعض سیاسی اسباب کی بنا پر کچھ دنوں معتوب بھی رہے، آخر عمر میں ہمایوں کے مقبرہ کی تولیت ان کے سپرد تھی، شاعر بھی تھے اور اپنا ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا، یہ شعر ان ہی کا ہے :-

دل تنگ دور از ان لب خندان نشستہ ام | مانند غنچہ سر بگریبان نشستہ ام

ونظم کلامش در پاکیزگی غیرتِ گوہر سیراب، وجامع فنون کمالات وحیثیات کسبی ووہبی ا وآدابِ نیکو ذاتی وخوش صحبتی وشگفتہ روئی وقاعدہ دانی دستور العمل ارباب این فن است وجود شریفش در ہر مکان وزمان باعث تفریح قلب وسرور اکابر واعیان، وجمعیت و خوشحالی ومستعدان است" (جلد سوم ص۳۹)۔

ملا بدایونی کی مدح وتعریف میں یہ غلو نہیں، وہ رقمطراز ہیں۔

"از یاران دردمند ودر اقسام شعر مثنی، صاحب دیوان است، واو را با سخنان اکثر سریست اگرچہ از مادہ علمی عاریست، اما جد وجہد وفہمی درست دارد، ومنصف است"۔

کلام کا نمونہ یہ ہے،

بہ ہر سخن کہ کنی خویش را نگہبان باش ۔۔۔ ز گفتنی کہ دلی نشگفد پشیمان باش

چو بال مرغ کہ گر شغل روزگار این است ۔۔۔ ز مو بہم قدمے وام کن گریزان باش

این سبزہ واین صحرا بوی ز جنون دارد ۔۔۔ دیوانگی ومستی امروز شگون دارد

خنجر بیگ۔ اکبر کے دربار کے چغتائی امرا میں سے تھا، سپہگری، موسیقی، خوش خلقی، معاملہ فہمی اور علم نجوم وہیئت میں یگانہ روزگار سمجھا جاتا تھا، تین ہزار ابیات کی ایک مثنوی لکھی، جس میں اکبر کی مدح کرکے اپنے ذاتی فضائل بیان کئے ہیں، ملا بدایونی کا بیان ہے کہ اس مثنوی کے صلہ میں اکبر نے اس کو بہت سی نوازشوں سے سرفراز کیا، مثنوی کے کچھ اشعار منتخب التواریخ جلد ۳ (ص ۲۲۴ ۔ ۲۲۶) میں ملیں گے، اس نے اپنا ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا،

میر دوری۔ نام سلطان بایزید تھا، بدایونی کا بیان ہے کہ اس نے خط نستعلیق لکھنے میں ایسی مہارت پیدا کی تھی کہ ہندوستان میں اس کا کوئی مد مقابل نہ تھا، اسی لیے اکبر نے کاتب الملک کا خطاب عطا کرکے نوازا، شعر گوئی سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔

صبح دم خار دم از ہمہ می گل می زد   ناخنی در دل صد پارہ بلبل می زد
حسن بتان کعبہ الیست عشق بیابان او   سرزنش ناکسان خار مغیلان او
نیم بسمل صیدم وافتادہ دور از کوی دوست   میروم افتان وخیزان تا بہ بینم روی دوست

جعفر بیگ قزوینی۔ عمدۂ بخشی پر مامور تھا، اکبر نے آصف خان کے خطاب سے عزت بخشی، اسکی بذلہ سنجی مشہور تھی،

رسید ومضطربم کرد وآن قدر ننشست   کہ آشنائے دل خود کنم تسلی را
شہر گنجایش غمہائے دل ما چون نداشت   آفریدند برائے دل ما صحرا را

حیاتی گیلانی۔ عراق وخراسان میں قسمت آزمائی کرنے کے بعد ہندوستان آیا تو پہلے حکیم ابوالفتح گیلانی کے دربار سے منسلک ہوا، اور اسی کی وساطت سے اکبر کے دربار میں پہنچا، اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی، منصب، علوفہ اور جاگیر عطا کی، مآثر رحیمی کے مصنف کا بیان ہے کہ

"درچندان قرب ومنزلت او را در ملازمت آن بادشاہ بہم رسید کہ مزیدی برآن متصور نہ بود۔"

عبدالرحیم خانخانان دکن کی مہم پر روانہ ہوا تو اس کے ساتھ حیاتی بھی گیا، خانخانان نے اس کی بڑی قدردانی کی، اور اسی کی سفارش پر حیاتی کو اکبر نے منصب ہزاری بخشا، خانخانان بزم اور رزم دونوں میں اسکو ساتھ رکھتا تھا، حیاتی نے جذبۂ تشکر میں اس کی شان میں لمبے لمبے قصیدے کہے، حیاتی جہانگیر کے دربار سے بھی وابستہ رہا، مآثر رحیمی کا مولف اس کی علمی اور شاعرانہ صلاحیت پھر ذاتی اوصاف کا بہت مداح ہے، لکھتا ہے،

ہر لفظی از منظوماتش چون زبان صباح متضمن طلوع آفتاب معانی۔ وہر حرفی از منثور آتش چو دم عیسوی متکفل حیات باقی۔ رشحات اخلاقش از صفا رشک قطرات سحاب"

بغیر وصل ہزار آرزو ہست عاشق را ہنوز ما بتمنائے بخت کار ما دائم

سیدی :- نام سید شاہ، گرم سیر کے سادات میں سے تھا، شیخ اسلام چشتی سے شرف بیعت حاصل کیا، کچھ دنوں دربار شاہی سے بھی منسلک رہا، آخر عمر میں قلیچ محمد خان کابل کے پاس جاکر ملازم ہوا، خوش طبع اور خوشگو شاعر تھا،

اول سر گرمی عشقت و دل در اضطراب ہمچو طفلی کو تپد ہنگام بیداری ز خواب

ملا شیری۔ پنجاب کے شیخ زادگان میں سے تھے، ابوالفضل کا بیان ہے کہ شعر و شاعری میں اکبر ہی کی توجہ سے ان کو درک حاصل ہوا،

بنظر گیتی خداوند در سخن بر روے او کشودند"

ماثر رحیمی کے مؤلف کا بیان ہے :-

"بکمال حیثیات آراستہ و پیراستہ است، و طبعش خالی از متانت و پختگی نیست، و اشعار او در ہندوستان مشہور است" (صلالا)

ملا بدایونی ملا شیری کے شاعرانہ کمالات کے بہت مداح ہیں، اور لکھتے ہیں کہ ان کو شعر کہنے پر بڑی قدرت حاصل تھی، زمانہ کے آلام و مصائب کی تصویر ان سے بہتر کسی اور شاعر نے نہیں کھینچی، ایک رات میں تیس تیس غزل کہنے کا دعویٰ کرتے تھے، قصیدہ اور قطعہ گوئی میں اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے، اور ان کی فصاحت کے مقابلہ میں دوسروں کی فصاحت ماند پڑ گئی تھی۔ (جلد سوم ص۲۴۹)، طبقات اکبری (جلد دوم ص۴۹۱) میں ہے کہ آفتاب پر ایک مثنوی شمع جہاں افروز کے نام سے لکھی تھی جس میں ایک ہزار اشعار تھے، پہلے ذکر آچکا ہے کہ اکبر نے مہا بھارت اور ہربنس کے ترجمے کے لیے ان کو مامور کیا تھا، ان کے اشعار کے بہت سے نمونے منتخب التواریخ جلد سوم اور ماثر رحیمی جلد سوم میں ملیں گے، ایک قصیدہ میں کہتے ہیں :-

گہ درورون جانے گہ دردل حزینی | از شوخی کہ داری یکجا نمی نشینی

میر حیدر رفیعی یہ کاشان سے گجرات آیا، اور وہاں سے لاہور پہنچکر شاہی ملازمت میں داخل ہوا، ملا بدایونی اور ابوالفضل کا بیان ہے کہ معما اور تاریخ گوئی میں عدیم المثال تھا، آخر عمر میں وطن واپس چلا گیا، ایک دیوان چھوڑا، اس کی ایک رباعی یہ ہے :-

زاہد نکند گنہ کہ قہاری تو | ما غرق گناہیم کہ غفاری تو

او قہاریت خواند و ما غفارت | یارب بکدام نام خوش داری تو

روغنی۔ یہ اپنی [illegible] ہزل گوئی کے لیے مشہور تھا، اس کے دیوان میں تین ہزار اشعار تھے،

زین خان کوکہ۔ اکبر کا رضاعی بھائی، اور اس کے دربار کا [illegible] چار ہزاری (طبقات اکبری کے [illegible] پنجہزاری) امیر اور شہزادہ سلیم کا خسر تھا، موسیقی خصوصاً ہندی راگ کا بڑا شیدائی تھا، کبھی کبھی اشعار بھی موزون کرلیتا تھا، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو،

آرام من نمی دہد این چرخ کج خرام | تار رشتہ مراد بسوزن در آورم

وفائی اصفہانی اسی کی سرپرستی میں رہا،

سرمدی اصفہانی۔ نام محمد شریف، کچھ دنوں چوکی نویس رہا، پھر شریف آملی کے ساتھ بنگالہ میں کسی خدمت پر مامور کیا گیا، ملا بدایونی کا بیان ہے کہ پہلے فیضی تخلص کرتا تھا، فیضی نے اکبر سے اس کی شکایت کی، تو پھر سرمدی تخلص رکھا، آئین اکبری میں ابوالفضل نے اس کے بہت سے منتخب اشعار لکھے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

نگرم خوئی عصیان جا نخورد کہ ایم | بہ پشت گرمی رحمت چہ جرہا دادیم

بہ گلشنے معونی با دل شوق افشاندیم | کہ رشک از آمدن و رفتن صبا دادیم

سے محروم ہوگیا، ایک دیوان اور ان منظوم سانو شہر آشوب گل و مل، وجہ اتقاعت رسالہ منظوم رل صیفۃ العشاق کا مولف تھا، (طبقات اکبری جلد سوم ۵۱۵)، کلام کا نمونہ یہ ہے:-

نیست ہر لبسوئی مژگان دیدہ نمناک را — بر کنار افگند موج اشک من خاشاک را

تن سیمین نہ شد اور از خاک پیرہن پیدا — سمن در باغ خوبی شد ز برگ یاسمن پیدا

چنیں کافتادہ در راہ غم و محنت چو خاشاکم — نسیم لطف و احسانت مگر بردارد از خاکم

مرزا عزیز کوکہ۔ اتکہ خان کا لڑکا اور اکبر کا رضاعی بھائی تھا، اکبر اس کو بہت محبوب رکھتا تھا، اس کے مختلف سیاسی اور حربی کارناموں کی وجہ سے اس کو پنجہزاری اور **خان اعظم** کا خطاب عطا کیا، جب کبھی اس سے اختلاف ہوتا تو اکبر اس سے درگذر کرتا، اور کہتا کہ میرے اور عزیز کے درمیان دودھ کی ایک نہر بہتی ہے، اس کے علم و ہنر سے تمام معاصرین متاثر تھے، ملا بدایونی لکھتے ہیں:-

"بہ انواع و فضائل و ہنر موصوف است و بفہم عالی و ادراک بلند او کسے دیگر انداز نشان نمی دہند"

طبقات اکبری جلد دوم (ص ۲۲۴) میں ہے:

"بجودت فہم و حدت طبع و قوت در علم تاریخ عدیل ندارد"

تزک جہانگیری میں جہانگیر رقمطراز ہے:

"در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت و در تاریخ و تقریب بے نظیر بود، و در دعا نویسی ید طولیٰ داشت، و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و شعر ہموار می گفت"

یہ لکھ کر جہانگیر نے اس کی حسب ذیل رباعی پسند کی ہے:

عشق آمد از جنون بر و مندم کرد — وارستہ ز صحبت خرد مندم کرد

اے جہان در قبضۂ حکمت بضرب تیغ و تیر | تاجدار تخت و بخت از فیل و اسپ آفاق گیر
تاج و تخت و تیغ و تیرت مہر و مہ برق و شہاب | در شمار فیل و اسپت گشتہ عاجز صد دبیر

اکبر کی شان میں ایک قصیدہ جواب و سوال کے طرز پر کہا تھا، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:-

گفتم اے دل چہ اوضاع جہان گشت بدل | گفت خاموش کہ در مغز فلک رفتہ خلل
گفتم از چاہ امید آب تمنا نرسد | گفت کوتہ بود از قد رسن طول امل
گفتم از بخت بہ تفصیل شکایت دارم | گفت باید بہ شہنشاہ بگوے مجمل
گفتمش اکبر جم قدر سلیمان دانش | گفت خاقان بلند اختر خورشید محل
گفتم آن ذات نبی را بہ تعظیم ثانی | گفت آن خلق خدا را بہ تفضل اول
گفتم اصل و نسبش لازم تاج است و سریر | گفت لطف و کرمش حامی ملکت و ملل

باباطالب اصفہانی۔ طبیعت میں درویشی تھی، اس لیے پہلے قلندر رہتے، پھر اکبر کے دربار سے منسلک ہوگئے، اکبر نے تبت ایلچی بنا کر بھیجا، واپس ہوئے تو وہاں کے حالات ایک رسالہ میں قلمبند کیے، جس کو شیخ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں شامل کر لیا، ادب و انشا کے ساتھ شعر گوئی میں بھی بڑا سلیقہ رکھتے تھے، جہانگیر کے زمانہ میں گجرات کے صدر مقرر ہوئے، انکی ایک رباعی یہ ہے:-

زہرم بفراق خور چشانی کہ چہ شد | خون ریزی و آستین فشانی کہ چہ شد
اے غافل از انکہ تیغ ہجر تو چہ کرد | خاکم بغبار تا بدانی کہ چہ شد

عتابی۔ سید محمد نجفی الہ آباد میں کسی عہدہ پر تھا، اپنی ہجو گوئی بے باکی اور درشتی طبع کی وجہ سے شاہی دربار سے معتوب رہا، مگر ارباب فن اس کی عربی اور فارسی شاعری کے مداح تھے،

میر عزیز اللہ قزوینی۔ طبقات اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلص عزیزی تھا، احساب و سیاق کا ماہر تھا، سنبھل کے ضبط و نسق کے لیے مامور ہوا،[1] جہان بعض امور کی بنا پر شاہی التفات

[1] طبقات اکبری ج ۲ ص ۱۰ میں ہے، دہتا دیوان ہوار بود

نشانی: نام مولانا علی احمد، مولانا حسین نقشی دہلوی مہرکن کے فرزند تھے، ہیئت و طبیعیات کے عالم تھے، خطاطی اور مہرکنی کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی، شہزادہ سلیم کے استاد بھی رہے، دربار میں بڑا عروج و رسوخ حاصل کیا، اور گو یک صدی کے منصبدار تھے، مگر ملا بدایونی کا بیان ہے کہ کسی امیر سے کمتر نہ تھے، اکبر نے گجرات تسخیر کر کے سکہ جاری کیا تو انھوں نے شاہی سکہ بنایا اور یہ تاریخ گذرانی:۔

خسروا سکۂ گجرات بنام تو زدند ملک را سایۂ عدل تو تبارک بادا

اے خوش آن دم کہ چو تاریخ وی از من پرسی گویمت، سکۂ گجرات مبارک بادا

ملا بدایونی ان کے علم و فضل کے بہت ہی معترف تھے، اسی لیے ان کی مثنویات، قصائد، اور رقعات کے نمونے منتخب التواریخ میں نقل کیے ہیں (دیکھو جلد سوم صفحہ ۳۴۹-۳۶۰)۔

نامی۔ میر محمد معصوم خان نامی بھکر وطن، آبا و اجداد ترمذ سے آئے، محمد معصوم خان طبقات اکبری کے مولف خواجہ نظام الدین احمد اور گجرات کے صوبہ دار شہاب خان کی وساطت سے شاہی دربار میں پہنچا، اکبر اس کو بہت عزیز رکھنے لگا، رفتہ رفتہ وہ ہزاری منصبدار بھی ہوا، ایران کا سفیر بنا کر بھیجا گیا، وہاں سے تبریز گیا، جہاں حکیم شفائی، محمد رضا فکری اور تقی اوحدی کی صحبت میں شعر و شاعری کا شغل جاری رکھا، وہاں سے واپس ہوا تو جہانگیر نے بھکر میں امین کے عہدہ پر مامور کیا، اپنی دیانت، امانت، شجاعت، سخاوت، زہد اور تقویٰ کی وجہ سے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، علمی حیثیت سے وہ کثیر الاشتغال تھا، طب میں ایک رسالہ مفردات معصومی قلمبند کیا، ایک ضخیم تاریخ سندھ لکھی جو تاریخ معصومی کے نام سے مشہور ہے، آج بھی یہ تاریخ اپنے معلومات کے لحاظ سے مفید سمجھی جاتی ہے، میر محمد معصوم نامی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، اور ہمیشہ ایک سنگ تراش ساتھ رکھتا تھا، جو جابجا اس کے اشعار پتھروں پر کندہ کر دیتا تھا، دیوان کے علاوہ خمسہ کے طرز پر پانچ مثنویاں: معدن الافکار، حسن و ناز، پری صورت، اور دو اور لکھیں، ایک طویل قصیدہ

آزاد ز بند دین و دانش گشتم   تا سلسلۂ زلف کسے بندم کرد

مولانا شبلی نے شعر العجم حصہ سوم (صـ۱ــ) میں سکی نکتہ سنجی کی داد دی ہے اور اس کے حسب ذیل مطلع کو پسند کیا ہے،

گشت بیمار دل از رنج و غم تنہائی   اے طبیب دل بیمار چہ می فرمائی

خانخانان عبد الرحیم اور حکیم ابو الفتح گیلانی کے بعد اس کے دربار کی علمی محفل آرائی مشہور تھی، یقینی سبزواری، جعفر ہروی، اور مدامی بدخشی خان اعظم ہی کی سرکار سے وابستہ تھے، حیدری نے بھی اس کے خوانِ کرم کی زلہ ربائی کی، اس کو نقاشی میں بھی بڑی مہارت تھی، آگرہ میں ایک باغ جہاں آرا کے نام سے تیار کیا، اور وہاں نقش و نگار کے ساتھ اپنی حسب ذیل رباعی لکھوائی۔

یارب بصفائے دل ارباب تمیز   کان نزد تو ہست خوب تر از ہمہ چیز
چون گشت بتوفیق تو این خانہ تمام   از راہ کرم فرست مہمان عزیز[۱]

عنایت اللہ شیرازی ۔ شاہی کتب خانہ کا کتاب دار تھا، اس کی خوشنویسی پر اکبر نے اس کو مکتوب خانؔ خطاب سے سرفراز کیا[۲]، اپنی خوش طبعی کی بنا پر کبھی کبھی طبع آزمائی کر لیتا تھا، اس کی ایک رباعی یہ ہے:۔

تا کاکل و زلف نیکوان خم خم است   تا شیوۂ ورفتار بتان چم بہ چم است
تا ناوکِ غمزہ در کمان ستم است   مرگ من و زندگی من دم بہ دم است

غباری ۔ قاسم علی نام، غباری تخلص، بقال تھا، اکبر نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا، اور خان کا خطاب عطا کیا،

۱؎ خان اعظم کے حالات کی تفصیل کے لیے دیکھو مآثر الامراء جلد اول ص ۶۹۳-۷۰۵، و بدایونی ج ۳ صـ۲۸۵

۲؎ ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

کہلاتا تھا، ہمدمی تخلص اور خان عالم خطاب تھا، مرزا کامراں ہمایوں سے شکست کھا کر حجاز کے سفر پر روانہ ہو تو ہمدمی ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پہلے یہ بیت پڑھی۔

کلاہ گوشہ درویش بر فلک ساید　　　　که سایہ ہچو تو شاہی فگند بر سر او

اور اسی کے بعد یہ شعر بھی زبان پر لایا،

بر جانم از تو ہر چہ رسد جاے منت است　　　　گر ناوک جفاست وگر خنجر ستم

یہ سنکر ہمایوں بہت متاثر ہوا اور اس کو بڑی نوازشوں کے ساتھ اپنے ساتھ اپنے دربار میں رکھا، اکبر نے بھی شاہانہ لطف وکرم سے نوازا، اور سہ ہزاری منصب اور خان عالم کا خطاب عنایت کیا، اکبر کے ساتھ حصار پٹنہ کی تسخیر میں بڑی جانبازی دکھائی، عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ بنگالہ کی مہم میں بھی ساتھ رہا، اور ۹۸۲ھ میں اوڑیسہ کی لشکر کشی کے سلسلہ میں مارا گیا، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، اکبر کو آصفی کا یہ مطلع پسند تھا،

قاتل من چشم می بندد دم بسمل مرا　　　　تا بماند حسرت دیدار او در دل مرا

اکبر نے ہمدمی کو اسی مطلع پر ایک مطلع کہنے کی فرمایش کی تو اس نے کہا۔

آمد و بگذشت از دل تیر آن قاتل مرا　　　　ماند تا روز قیامت داغ او در دل مرا

فیضی کا بھی ایک مطلع اسی قافیہ و ردیف میں ہے۔

پا بر و بگذار اے قاتل دم بسمل مرا　　　　تا باین تقریب پا بوسی شود حاصل مرا

ہمدمی کا ایک قطعہ ہے۔

اے کہ کردی ہرزہ ریش سفید　　　　یک بیک می کنی ز بر نو د
بزبان دادہ جدائی را　　　　ریش کندن کنون ندارد سود[1]

---

[1] ماثر الامراء ج ۱ ص ۶۲۵ - ۶۲۳، و منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۸۶ - ۳۸۵،

منقبت اور بہت سی رباعیاں ملا بدایونی نے منتخب التواریخ جلد سوم (ص ۲۶۷-۷۰) میں نقل کی ہیں

دو رباعیاں ملاحظہ ہوں:۔

یک حصۂ عمر من بنادانی رفت — یک حصہ ازان چنانکہ میدانی رفت

یک حصہ بہیودہ بہ بیکار گذشت — یک حصہ بافسوس و پشیمانی رفت

تاکے دل ازاین و آن پر از کینہ کنی — تا چند بزر سینہ چو گنجینہ کنی

کار این بنود کہ تیرہ سازی دل را — آن کار بود کہ دل چو آئینہ کنی

غزنوی۔ میر محمد نام، خان کلان خطاب، اکبر کے دربار کا جلیل القدر امیر پنجہزاری منصبدار تھا، اس کی مجلس میں شعر و شاعری کا شغل برابر جاری رہتا تھا، سنبھل کی حکومت کے زمانہ میں ایک بار شیخ سعدی کا یہ مطلع اس کے سامنے پڑھا گیا،

دلے کہ عاشق صابر بود مگر سنگ است — ز عشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است

غزنوی نے فوراً کہا۔

دمے کہ چہرۂ ساقی ز بادہ گلرنگ است — بنوش بادہ برآواز نے کہ دل تنگ است

اسی کے دربار کے ایک شاعر جمال خان بدایونی نے بھی ایک مطلع کہا

ترا رخ از مے عشرت مدام گل رنگ است — مرا بفکر دہانت چو غنچہ دل تنگ است

فارسی اور ترکی کا ایک دیوان بھی چھوڑا، مآثر الامرا جلد سوم (ص ۲۱۶) میں اس کے حسب ذیل دو شعر منقول ہیں۔

در جوانی حاصل عمرم بنادانی گذشت — انچہ باقی بود آن ہم در پشیمانی گذشت

کس آب بجز مردم چشم ندہد — جز آہ سحر ہم نفسے نیست مرا

ہمدمی۔ نام ... بیگ اکامران کے کوکہ ہمدم بیگ کا لڑکا تھا، مرزا بر خوردار بھی

اے قبلۂ جان کعبۂ من کوے تو باشد | محراب می سازم خم ابروے تو باشد
گر جانب مسجد گذرم و ز طرف دیر | ہر جا کہ روم روے دلم سوے تو باشد
زاہد تو ز ہستی منگر پستی ما | صرف رہ نیستی شدہ ہستی ما
ما مست محبتیم و تو مست غرور | فرقست ز مستی تو مستی ما

سید فسونی یزدی - محمود بیگ نام[1]، ظاہری، معنوی اور علمی حیثیت سے یگانۂ روزگار سمجھا جاتا تھا، شعر و شاعری کے علاوہ فن سیاق، نجوم و ہیئت، حساب اور تاریخ سے بھی اسکو واقفیت تھی، ریاض الشعراء میں ہے کہ اکبر کے علاوہ جہانگیر اور شاہ جہاں کے دربار سے بھی منسلک رہا، جہانگیر نے اس کو افضل خان کا خطاب بھی عطا کیا تھا، اس کے بعض اشعار یہ ہیں

خواب راحت شد ازان دیدہ کہ دیدن دانست | رفت آسایش ازان دل کہ طپیدن دانست
خبردار آن زمان خواہی شدن از سوز پنہانم | کہ آتش سر برون آورد یا شد از گریبانم

فنائی ہروی - چغتائی نسل سے تھا، اکبر نے اس کو بھی خان کے خطاب سے نوازا تھا، طبقات اکبری (جلد سوم ص۵۱۶) میں ہے کہ تمام عمر اکبر کی بارگاہ میں رہا، ملا بدایونی (جلد سوم ص۲۶۹) رقمطراز ہیں کہ اس کا حسب ذیل مطلع ان کو اسقدر پسند آیا کہ اس کو پچاس سال تک یاد رکھا،

نہ گویم بہر تشریف قدمت خانۂ دارم | غریبم خاکسارم گوشۂ ویرانۂ دارم

فنائی کا ایک مطلع یہ بھی ہے

تا گل روی تو از بادۂ گلفام شگفت | دوش از عکس گل روے تو در جام شگفت

فیروزہ کابلی - مرزا محمد حکیم کے یہاں تربیت پائی، آئین اکبری میں ہے کہ اکبر نے اس کو منصب دو ہزاری عطا کیا، موسیقی اور شاعری سے بھی ذوق رکھتا تھا، متقدمین اور متاخرین

---

[1] آئین اکبری میں ہے "از نامور ترکمانان، اختر نیکو برشمرد"

اشکی - میر اشکی قمی بن سید علی محتسب، ہندوستان آیا، تو اکبر کے دربار میں ملازم ہوا، ریاض الشعراء کے مولف کا بیان ہے کہ یہاں غزالی مشہدی وغیرہ سے اس کے شاعرانہ معرکے ہوتے تھے، وفات سے کچھ دنوں پہلے اپنا دیوان نادر الملک جدائی کو دیا، جس نے اسکے کچھ اشعار اپنی طرف منسوب کر لیے، ریاض الشعراء میں ہے کہ غزالی نے اس پر ایک ہجو بھی کہی تھی، ملا بدایونی نے اس کے کلام کے کچھ نمونے دیے ہیں۔

از بسکہ سنگ بر سرزدے تو سینہ چاکی　　آں سنگ در کف او گردید مشت خاکی

اسے سنگ از غمت بر سر من دل تنگ خواہم زد　　اگر دستم رود وانہ کار سر بر سنگ خواہم زد

اگر خواہم کہ در راہ تو از سنگ بلا افتم　　ز ہر سو بر من آید سنگ و نگذارد بپا افتم

موخر الذکر شعر لکھکر ملا بدایونی کہتے ہیں کہ "مضمون سنگ" پر اس سے بہتر شعر کہنا مشکل ہے۔[۱]

فکری خراسانی - نام سید محمد، اکبر کا قصیدہ خوان بھی رہا، رباعی کہنے میں شہرت حاصل کی، اس لیے میر رباعی کے نام سے مشہور ہوا، اس کے اشعار میں بلند افکار ہوتے تھے، اسکی ایک رباعی ہے۔

زان بت ہمہ غم نصیب ما خواہد بود　　بیداد و ستم نصیب ما خواہد بود

تا عمر بود از ان قد و زلف دوتاں　　پیوستہ الم نقیب ما خواہد بود

فیضی تربتی - اکبری دور کا بلند پایہ شاعر تسلیم کیا گیا ہے، ملک الشعراء ابوالفیض فیضی نے اس کے شاعرانہ کمالات کی تعریف ایک قطعہ میں کی ہے، اکبر کی شان میں فیضی تربتی نے متعدد قصائد کہے - ریاض الشعراء میں اس کی بہت سی رباعیاں منقول ہیں، ایک دو ہم بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

---

[۱] طبقات اکبری جلد سوم ص ۱۹۲

سیم وزر انعام کردی لیک از خازن مرا　　ہم گرفتن مشکل وہم ناگرفتن مشکلست

خزانہ عامرہ (مولفہ آزاد بلگرامی) میں ہے کہ اکبر نے حیدری کو انعام حسب ذیل قصیدہ پر عطا کیا تھا، اور اس کے نہ ملنے پر مذکورہ بالا قطعہ لکھا۔

اما چو روزگار مدد گار من نبود　　زان شاخ گل بپای دلم خار غم خلید

نشنید شاہ عقدہ کشا مصرعی زمن　　بکشود قفل آرزوی من ازین کلید

بودم زآب دیدہ غریق بحر غم　　کز غیب این ترانہ بگوش دلم رسید

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس　　در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

تیسری بار حیدری ہندوستان آیا تو خانخانان کے دربار میں شغل سخن کو جاری رکھا، مگر پھر وطن کی طرف مراجعت کی، اور وہیں ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی، اس کے دیوان میں چودہ ہزار اشعار تھے، ایک مثنوی لسان الغیب بھی لکھی، جس میں اپنے استاد لسانی کی مدح کی تھی،

(بدایونی جلد سوم ص ۲۱۰، ونیز انگریزی ترجمہ)

حلیمی - مرزا جانی بیگ ارغون حلیمی ٹھٹہ کا حاکم تھا، اپنی فراست و دانائی کے لیے مشہور تھا، اکبر نے اس کو سہ ہزاری و پانصدی کا منصب عطا کیا، شعر و شاعری میں حلیمی تخلص کرتا تھا، ماثر الامرا جلد سوم (ص ۳۱۰) میں اس کے یہ دو شعر مرقوم ہیں:

خوش آن وقتے کہ عشق غمخوارم بود　　آہ شب و گریۂ سحر کارم بود

بدگردی چرخ بین کہ با من نگذاشت　　کالاے غمی کہ زیب بازارم بود

میر مرتضیٰ سبزواری - فوجی عہدہ دار تھا، دکن کے اکثر علاقہ کو اس نے فتح کیا، آخر عمر میں شاہی دربار میں رہنے لگا تھا، جہانگیر کے زمانہ میں وفات پائی، ریاض الشعراء اور مخزن الغرائب میں اس کا یہ شعر منقول ہے:

کے شعراء کی غزلوں پر غزلیں لکھنے کا بھی دعویدار تھا، ملا بدایونی (جلد سوم ۲۱۲) لکھتے ہیں کہ اسکی علمی استعداد تو اچھی نہ تھی، مگر شعر فہمی کی صلاحیت اچھی رکھتا تھا، اور اس کی شاعری کے جو نمونے پیش کیے ہیں ان میں سے دو شعر یہ ہیں۔

غیر منظور نظر ساختہ یعنی چہ　　　بندہ را از نظر انداختہ یعنی چہ

کس ندیدم بدور تو باین حسن و جمال　　　قیمت حسن بر انداختہ یعنی چہ

حیدری تبریزی ۔ تین بار عراق سے ہندوستان آیا، پہلی بار قاسم خان نیشاپوری کے دربار سے وابستہ رہا، مگر ہندوستان اس کو پسند نہ آیا، اس لیے اس کی ہجو بھی لکھی، اور وطن واپس چلا گیا، دوسری بار ہندوستان آیا تو خان اعظم مرزا کوکہ کے کرم کی خوشہ چینی کی، اس کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا

نزد اہل سخن چون کنم بیان سخن　　　اگر مدد نکند روح صاحبان سخن

خان اعظم نے اس کے صلہ میں دو ہزار روپے، خلعت اور گھوڑا عطا کیا، شمس الدین محمد اتکہ خان کے وسیلہ سے شاہی دربار میں بھی حاضر ہوا، ایک قصیدہ میں اکبر کے ہاتھی کی تعریف اس طرح کی

نبود پشت ہای ریگ روان　　　فیلہایش کہ در صف ہیجاست

کز پئے غرق کردن اعدا　　　ہر طرف موجہای بحر بلاست

ملا بدایونی (جلد سوم ۲۱۵) رقمطراز ہیں کہ اکبر نے اس قصیدہ پر خلعت اور اسپ اور کچھ روپے عنایت کئے، مگر شاہی خزانہ سے ملنے میں دیر ہوئی، تو یہ قطعہ لکھکر اکبر کی خدمت میں پیش کیا،

مشکلے دارم شہا خواہم کنم پیش تو عرض　　　وانکہ زین مشکل مرا صد داغ حسرت بر دست

ہوتا جارہا ہے، اس لیے ہم بقیہ شعراء کے صرف نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان میں بھی ہم ان ہی کے نام درج کرتے ہیں، جو شاہی ملازموں کے زمرہ میں داخل تھے،

ملا قیدی شیرازی، قاسم ارسلان، یادگار حالتی، ظریفی ساوجی، مشفقی بخاری، ملا صبوحی کابلی، حیفی ساوجی، خواجہ ہجری، نویدی، نارغی، وقوعی، خسروی، نیازی سمرقندی، میر حزنی، مظہر کشمیری، بہرام سقا، محمد صالح دیوانہ، شریف سرمدی، غازی اسیری وغیرہ وغیرہ ان کے کلام کے نمونے طبقات اکبری جلد سوم میں ملیں گے،

بہت سے ایسے شعراء بھی تھے جنکا دربار سے براہ راست تعلق تو نہ تھا، مگر اپنے قصائد بھیجکر اکبر کے ابر کرم سے سیراب ہوتے رہتے تھے، ان میں **ظہوری ترشیزی** اور **ملک قمی** بھی تھے،

ہندو فضلاء | اکبر کو ہندوؤں کے علوم وفنون سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں طبع آزمائی بھی کرتا تھا، اور رائے تخلص رکھتا تھا، ہندو فضلا کی ایک کثیر جماعت بھی دربار شاہی سے منسلک تھی، ابوالفضل نے "دانش اندوزان جاوید دولت" کے سلسلہ میں خدیو نشاتین کی فہرست میں حسب ذیل ہندوؤں کے نام لکھے ہیں۔

مادھو سرستی، مدھو سون، نارائن آسرم، ہرجی سود، دامودر بٹ، رام تیرتھ، نرسنگ برم اندر، آدت،

"خداوند باطن" کی فہرست میں یہ نام ہیں،

رام بھدر، جدروپ

شناسائے عقلی کلام کے عنوان سے مندرجہ ذیل نام گنائے ہیں:

نارائن، مادھو بھٹ، سری بھٹ، بشن ناتھ، رام بشن، بلبھدر مصر، باسدیو مصر،

اے از رخ تو مارا صد عیش و کامرانی　　در عیش و کامرانی صد سال زندہ مانی

اسد بیگ قزوینی، ہندوستان آیا تو اکبر کے وزیر اعظم ابوالفضل کے دربار میں سترہ سال تک ملازم رہا، اس لیے اسد شیخ ابوالفضلی کہلایا، ابوالفضل کے قتل کے بعد اکبر نے اس کو اپنے دربار میں داخل کر لیا، شہزادہ دانیال کی نسبت کے سلسلہ میں اکبر نے اس کو دائی بیجاپور کے پاس بھیجا، وہاں سے واپسی کے بعد اس کو شاہی حاجب بنایا گیا، منصب اور ستر ہزار روپے کا وظیفہ بھی عطا کیا گیا، اکبر کی وفات سے پہلے دکن میں بعض خدمات کو انجام دینے کے لیے سفیر کی حیثیت سے مامور ہوا، مگر وہاں پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کو اکبر کی وفات کی خبر ملی، دارالسلطنت واپس آیا تو جہانگیر کے دربار میں اس کی پذیرائی نہ ہوئی، ابوالفضل کے قتل کے سلسلہ میں جہانگیر اس سے ناراض تھا، مگر رفتہ رفتہ یہ ناراضگی دور ہو گئی، اور مقبول بارگاہ ہوا تو جہانگیر نے اس کو پشیر و خاں کا خطاب عطا کیا، سخن سنجی و سخن فہمی کے ساتھ اپنی طبیعت کی لطافت اور شگفتگی کے لیے ہر مجلس میں پسند کیا جاتا تھا، اس کے کلام کا رنگ یہ ہے:

ز صبحدم نفسی پیشتر شدم بیدار　　لب پیالہ گرفتم بوسہ چون لب یار

خون مرا مریز کہ تر سم خجل شوی　　چون ساقی کہ ریختہ باشد شراب را

خون مرا بریز و شراب مرا مریز　　یک قطرہ زین شراب بصد خون برابر است

ہر کہ خیال آن گل خود روی می کنم　　دل می کند خیال کہ گل بوی می کنم

وقایع اسد بیگ کے نام سے اپنے کچھ ذاتی کوائف اور اس عہد کے کچھ تاریخی حالات خصوصاً ابوالفضل کے قتل کی تفصیلات لکھی ہیں، جس کے اقتباسات الیٹ جلد ششم میں درج ہیں،[1]

دربار اکبری کے ارباب سخن کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ ان کو ان صفحات پر آسانی سے سمیٹنا دشوار

[1] نیز دیکھو میخانہ ص ۵۹۳ و ریاض الشعراء

ہوں گے، خوشنویسوں کے علاوہ مقابلہ نویس، مصحح، نقاش، جدول ساز، جلد ساز اور مصور بھی تھے

اکبر خاص طور سے بعض کتابوں کو مصور کراتا تھا، ان میں تصویریں اور شبیہیں بنواتا

مرقعے تیار کراتا اور کتابوں کی لوح و جدول مطلا کراتا تھا، قصۂ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں

اس کی فرمایش سے مصور کی گئی تھیں، اور اس میں استادانِ سحر پرداز نے ۱۴۰۰ تصویریں بنائیں

اسی طرح چنگیز نامہ، ظفرنامہ، اقبال نامہ، رزم نامہ (مہابھارت)، رامائن، نل دمن، کلیلہ دمنہ،

اور عیار دانش، نقش و نگار سے آراستہ ہوئیں،[1]

یہاں پر بے محل نہ ہوگا اگر دربار اکبری کے ان خطاطوں اور خوشنویسوں کا تذکرہ کیا جائے،

جنھوں نے شاہی کتب خانہ کی زینت اپنے کمال فن سے بڑھائی اور جن کی قدردانی اکبر نے جاگیر،

منصب اور خطابات دے کر کی،

(۱) ملا محمد حسین کشمیری، نستعلیق کے استاد تھے، اکبر نے زریں قلم کا خطاب دیا تھا، ابوالفضل

ان کو جادو رقم لکھتا ہے،[2]

(۲) خواجہ عبدالصمد شیریں رقم، خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے،

ہمایوں کے دربار میں خوشنویس تھے، نستعلیق کے استاد اور مصور تھے، اپنے فن کی مہارت کے

لحاظ سے شیریں قلم کہلاتے تھے، اکبر کے عہد میں چارصدی منصب عطا ہوا، اور فتح پور سیکری

ٹکسال کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے، خشخاش کے دانے پر سورہ اخلاص لکھی تھی،[3]

(۳) میر معصوم قندھاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں، فتح پور سیکری کی اکثر عمارات

پر ان کے کتبے کندہ ہیں،

(۴) حسین بن احمد چشتی، یہ بھی اس دور کے عربی کے باکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری

---

[1] آئین اکبری ص۷۷، [2] ایضاً ص۱۱۶ و تذکرہ خوشنویسان ص۹۶ [3] ایضاً ص۱۱۶ و مآثر الامراء، ج ۲

بابن بھٹ، بدیا نواس، گوری ناتھ، گوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹاچارج، بھاگیرت بھٹاچارج
کاشی ناتھ بھٹاچارج، مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیوجی،[۱]

کتب خانہ | اکبر کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل تھا، قلعہ آگرہ میں مثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے، وہیں شاہی کتب خانہ تھا، ہمایوں کے کتب خانہ کی جتنی کتابیں تھیں وہ وراثت میں ملیں، اس کے علاوہ مختلف مقامات اور اشخاص سے وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہیں، اہل قلم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ خزانہ عامرہ میں ضرور بھیجتے، اکبر کے درباری مصنفوں کی تصنیفات و تالیفات و تراجم خود اس کثرت سے تھے کہ ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانہ میں رہتے، پھر اکبر کو فتوحات کے سلسلہ میں جتنی کتابیں دستیاب ہوتیں ان کو خزانہ عامرہ میں داخل کر لیتا، فتح گجرات کے زمانہ میں اعتماد خان گجراتی سے بہت سی نفیس اور نادر کتابیں حاصل ہوئیں، ان میں سے بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں اور بعض اہل ذوق کو دیدی گئیں، ملا عبد القادر بدایونی کو اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ کا نسخہ ملا،[۲] فیضی کے انتقال کے بعد اس کی تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دی گئیں ان کتابوں کی کل تعداد ۴۳۰۰ تھی، جو اکثر مصنفوں کے ہاتھ کی یا ان کے عہد کی لکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں کا مجموعہ تین حصوں میں منقسم تھا، پہلے میں نظم، طب، نجوم اور موسیقی کی کتابیں اور دوسرے میں حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ کی اور تیسرے میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تھیں،[۳] خیال کیا جاتا ہے کہ اکبر کے کتب خانہ میں ۲۴ ہزار کتابیں تھیں، جو زیادہ تر شاہی خطوں کی لکھی ہوئی تھیں، ماثر الامرا جلد دوم (ص ۶۱۱) میں ہے کہ ایک روز شہزادہ سلیم ابو الفضل کے گھر گیا تو چالیس کاتبوں کو کلام پاک اور تفسیر نقل کرتے ہوئے دیکھا، ظاہر ہے کہ شاہی کتب خانہ کے لیے اور بھی زیادہ کاتب اور خوشنویس مقرر

---

[۱] آئین اکبری [۲] بدایونی جلد دوم ص ۲۰ [۳] ایضاً ص ۳۰

کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں،

مگر جو چیز اس سلسلہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اکبر نے بچوں کی تعلیم کے لیے بعض ایسے طریقے ایجاد کئے تھے جو آج ابتدائی تعلیم کے جدید طریقوں کے بالکل مشابہ تھے۔ فارسی حروف بچوں کے ذہن نشین کرانا آسان نہیں، خصوصاً ہندو بچوں کے لیئے اور بھی دشوار تھا، کیونکہ ان کی تمام تحریریں بائیں سے داہنے جانب لکھی جاتی ہیں، چنانچہ حروف آموزی کے طریقہ کو سہل بنانے کے لیے اکبر نے ہدایت دی کہ پہلے استاد بچوں کو مفرد حروف پہچنوائے، پھر اعراب اور مرکب حروف، پھر چھوٹے چھوٹے جملے، اس کے بعد اشعار اور طویل عبارتیں، یہ طریقہ تعلیم کامیاب ثابت ہوا اور لڑکے جو برسوں میں سیکھتے وہ مہینوں میں حاصل کر لیتے، آئین اکبری کی عبارت ہے:

بفرمودۂ گیتی خداوند حروف ابتث (ا ب ت ث) را بہ نویسند و دیگر گون پیکر را بد انسان نگارند نخست بصورت و نام آشنا گردند و دو روز بیش نکشد کہ از نقوش حروف پیوستہ آگہی برگیرد، و چوں ہفتہ بدیں دریافت تنومندی یابد و لختی نظم و نثر آشنا ورد نیایش ایزدی و اندرز گزاری جدا نگاشتہ در آموزند، و کوشش رود کہ ہر ایک را خود بشناسد و اندکے استاد دستگیری کند و چندے ہر روز یک مصرع یا یک بیت بانجام رساند، در کمتر زمانے سواد خوانی روشنی پذیرد و آموزگار ہر روز اندر پنج چیز آگہی برجوید شناسائی حروف الفاظ، مصرع، بیت پیشین خواندہ بدیں روش آنچہ بسا لہا آموختی باہ بل پروند کشید وجانی بشگفت در آمد،[1]

ابو الفضل نے ان مختلف علوم و فنون کی فہرست بھی دی ہے، جو اس زمانہ میں پڑھائے جاتے تھے، اور وہ حسب ذیل ہیں، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الہی، تاریخ، بیاکرن، بیدانت، پاتنجل، یہ گویا اعلیٰ تعلیم کا نصاب تھا،[2]

[1] آئین اکبری ص ۲۰۳
[2] ایضاً

کے بلند دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انہی کے کمال کا نمونہ ہے،

خط نستعلیق کے دوسرے باکمال اساتذہ مولانا میر علی ہروی، مولانا جعفر تبریزی، مولانا اظہر مولانا محمد اوبی، مولانا سلطان علی مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبد الرحیم، میر عبد اللہ نظامی وغیرہ تھے، خط تعلیق کے ماہروں میں مولانا عبد الحیٔ، منشی ابو سعید مرزا، مولانا ابراہیم استرابادی، منشی محمد جمال الدین قزوینی وغیرہ تھے، اکبر کا میر منشی اشرف خاں اس خط کے لکھنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا،[۱]

ان خوشنویسوں کے علاوہ بہت سے ایسے خطاط تھے جو دوسرے رسم الخط مثلاً ثلث، توقیع، محقق، ریحان، رقاع اور غبار کے لکھنے میں بہت مشاق تھے (دیکھو آئین اکبری ص ۸۵)

مدارس اکبر نے علم کی نشر و اشاعت کے لیے متعدد مدارس قائم کئے، آگرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تعلیم و تعلم کے لیے جلپی بیگ نام ایک عالم کو شیراز سے بلایا، (اکبر نامہ دفتر اول) فتحپور سیکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں بتا سکتا تھا،[۲] ان تعلیم گاہوں کے علاوہ بہت سے ایسے علمی مدارس تھے جن کو امراء اور دوسرے لوگوں نے قائم کئے، مثلاً دہلی میں ماہم بیگم کا مدرسہ جو خیر المنازل کے نام سے موسوم تھا، ابو الفضل کا مدرسہ جو فتحپور سیکری میں قائم تھا، پھر عبد الرحیم خانخانان کے مختلف مدارس تھے، ان کے ماسوا بہت سے معلمین اور علماء اپنے اپنے مقامات پر علوم و فنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے، اور ان کی اعانت شاہی دربار سے برابر ہوتی رہتی تھی، تاریخ بدایونی میں ان مدرسین کی تفصیلات درج ہیں، ہم طوالت

---

[۱] آئین اکبری ص ۸۵، [۲] آئین اکبری، ذکر دار الخلافہ صوبہ آگرہ،

برجستہ اور دلآویز طریقہ سے ادا کرتا ہے، کہ بڑے بڑے انشا پرداز نہیں کر سکتے" وہ جب کسی جنگ کی ہنگامہ آرائیوں کی تصویر کھینچتا ہے تو ہم میدان کارزار میں کھڑے نظر آتے ہیں، جب کسی جشن کی چہل پہل یا شبستان عیش کا نقشہ کھینچتا ہے تو آنکھوں کے سامنے اس کی ساری رنگینیاں اور سرمستیاں آ جاتی ہیں، جب وہ کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتا ہے تو اس کے ہر پہلو کو نمایاں کر دیتا ہے، جب وہ کسی مقام کا ذکر کرتا ہے تو ایک محقق جغرافیہ دان کی طرح اس کے سارے معلومات فراہم کر دیتا ہے، جب ایک شہر کی تاریخ اور وہاں کے لوگوں کے رسوم و عادات کو تحریر کرتا ہے، تو ایک مورخ کی شان میں نظر آتا ہے، وہ جب پھولوں، پھلوں، پرندوں اور جانوروں کی جزوی تفصیلات کو بیان کرتا ہے، تو نہ صرف زبان کا لطف قائم رکھتا ہے بلکہ نباتات اور حیوانات کے ماہر ہونے کا ثبوت بھی دیتا ہے۔ یہاں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سنہ ۱۰۲۱ھ میں عثمان خان افغانی نے بنگالہ میں بغاوت کا علم بلند کیا، اس کے استیصال کے لیے جہانگیر نے شاہی لشکر بھیجا، اس جنگ کی جو قلمی تصویر اس نے کھینچی ہے، وہ یہ ہے:

> در کنار نالہ کہ زمین آن تمام چلہ و دلدل بود، جائے جنگ قرار داد، روز یکشنبہ ۹ محرم شجاعت خاں ساعت جنگ اختیار نمودہ افواج قاہرہ را مقرر ساخت کہ ہر یک بجا و مقام خود رفتہ آمادۂ جنگ باشند، عثمان در آن روز قرار جنگ با خود ندادہ بود، چون شنید کہ لشکرہائے بادشاہی مستعد گشتہ آمدہ اند، ناچار او ہم سوار شدہ بہ کنار نالہ آمد، و سوار و پیادۂ خود را در برابر افواج منصورہ باز داشت، چون ہنگامۂ جنگ گرم گشت و فوج بہ فوج رو بروئے خود متوجہ گردید، درین مرتبہ اول آن جاہل خیرہ سر فیل مست جنگی خود را پیش انداختہ بر فوج ہراول می تازد، بعد از زد و خورد بسیار از سرداران ہراول سید اعظم بارہہ و شیخ اچھے، بدرجۂ شہادت می رسند، سردار برانغار افتخار خان ہم در ستیز و آویز تقصیر

جہانگیر

جہانگیر دعاؤں سے پیدا ہوا، حوصلوں اور تمناؤں میں پلا اور ناز و نیاز کے ساتھ بڑھا، ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم و کمال کے گہوارہ میں پایا، جب چار سال چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو علم پرور باپ نے اس کے رسم مکتب کی تقریب انجام دی[1]، اور ملک الشعرا فیضی اور مولانا میر کلاں ہروی محدث کو اس کی تعلیم کے لیے مامور کیا، قطب الدین خان آتکہ، اور عبد الرحیم خانخانان اس کے اتالیق مقرر ہوئے، مولانا علی احمد نشانی بھی اس کے استادوں میں تھے، یہ ہیئت، طبیعیات، املا، انشا اور خطاطی میں اپنی نظیر آپ تھے[2]، جہانگیر نے چہل حدیث سید صدر جہاں سے پڑھی[3]، ایسے استادوں اور اتالیقوں کے فیض تعلیم کا جو خوشگوار نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا، وہ علم و سخن کے آسمان پر ماہتاب بن کر چمکا،

عبد الرحیم خانخانان سے اس نے ترکی زبان سیکھی، وہ خود لکھتا ہے کہ "باوجودیکہ میں نے ہندوستان میں پرورش پائی ہے، لیکن ترکی زبان کے بولنے اور لکھنے سے عاری نہیں ہوں"، تزک بابری کے آخر میں کچھ اجزا ترکی زبان میں لکھکر اضافہ کئے ہیں،

فارسی زبان کا وہ ایک بے مثل انشا پرداز تسلیم کیا جاتا ہے، اس کا علمی شاہکار خود اس کی تزک ہے، جو سادگی، صفائی، بے تکلفی، بے ساختگی اور قادر الکلامی کے لحاظ سے بے عدیل ہے۔ مولانا شبلی کی رائے میں اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات کو ایسے بے تکلف

---

[1] طبقات اکبری جلد دوم ص۲۰۷۔ [2] بدایونی جلد سوم ص۲۴۹۔ [3] مآثر الکرام جلد دوم ص۹۳۔

بر فیل می دوند، و شجاعت خان ہم خود را رسانیده، به علمدار نہیب می دہد، کہ برخیز و اسپ دیگر بجہت علمدار حاضر ساختہ، اورا سوار می سازد و علمدار علم را برافراختہ بر جائے خود می ایستد درا ثنائے ایں گیر و دار تفنگی بر پیشانی آں مقہور می رسد کہ زنندۂ آں را ہر چند تفحص کردند، ظاہر نشد بمجرد رسیدن، این تفنگ ازاں گرمی باز آمدہ می داند کہ ازین زخم جان بری نیست، تا دو پہر ہم با وجود چنیں زخمی منکر مردم خود را بہ جنگ ترغیب می نمود، معرکہ قتال و جدال گرم بود بعد ازان غنیم رو گردانید، و افواج قاہرہ سر در پے آنہا می نہند، و زدہ زدہ آں مخذولان را در محلے کہ دائرہ کردہ بودند، در می آرند، آں مخذولان بہ تیر و تفنگ مردم را نگاہ داشتہ می گذارند کہ مردم بادشاہی بجا و مقام آنہا در رانیدہ چوں ولی برادر عثمان و ممریز پسر او و دیگر خویشان و نزدیکان او بر زخم عثمان مطلع می شوند بخاطر می گزرانند کہ ازین زخم خود او را خلاصی میسر نیست، اگر ما ہمچنیں شکستہ و ریختہ بر قلعہ خود در دیم یک کس زندہ نخواہد رسید صلاح درنیست کہ امشب کہ درہمیں جا کہ دائرہ کردہ ایم باشیم و آخر شب فرصت جستہ، خود را بہ قلعہ خود رسانیم دو پہر از شب گذشتہ عثمان بجہنم واصل می گردد.......الخ[1]

وہ عیش و نشاط کی بزم کی تصویر بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ کھینچتا ہے، تخت نشینی کے بعد پہلے نوروز کے جشن کا مرقع اسطرح سج کر تیار کرتا ہے،

شب سہ شنبہ یازدہم ذیقعدہ ۱۰۱۴ھ ہزار و چہاردہ صبح کہ محل فیضان نورست حضرت نیر اعظم از برج حوت بخانہ شرف و خوشحالی خود کہ برج حمل باشد، انتقال فرمود چوں اولین نوروز از جلوس ہمایوں بود، فرمودم کہ ایوانہائے دولت خانہ خاص و عام بدستور زمان والد بزرگوارم در اقمشہ نفیسہ گرفتہ، آئینے در غایت زیب و زینت بستند و از روز اول

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۴۳-۴۴ نولکشور پریس۔

نکرده جان خود را نثار می نماید، و جمعے که با او بودند، آنقدر تلاش می کنند که پاره پاره
می شوند، همچنان گروه جرانغار کشورخان داد مردی و مردانگی داده خود را فدائے کار صاحب
می سازد، با آنکه تیره بختان نیز بسیارے زخمی و کشته شده بودند، آن مدبر حساب لشکریان را
از روے دانستگی و فهمیدگی بخاطر می آورد و مشخص خود می سازد که سرداران هراول و برانغار و
جرانغار کشته شدند، همین قول مانده از کشته شدن و زخمی گشتن جمعیت خود پروا نکرده در همان
گرمی بر قول می تازد، و درین جانب پسر و برادران و خویشان شجاعت خان و دیگر بنده ها
ماه بران گمراهان گرفته بر مثال شیران و پلنگان به پنجه و دندان تلاش می کردند، چنانچه
بعضے درجهٔ شهادت یافتند، و جمعی که زنده ماندند زخمهاے منکر داشتند، درین وقت فیل مستی
گجپت نام که فیل اول او بوده بر شجاعت خان می دواند، شجاعت خان دست بر برچه
برده بر فیل میزند، آنطور فیل مستی را از برچه چه پروا است، دست به شمشیر برده دو شمشیر پے
در پے می زند، از ان هم چه محابا بعد از ان جمدهر کشیده و جمدهر می رساند، بآن هم بر نمی گردد
و شجاعت خان را با اسپ زیر می کند، بمجرد از اسپ جدا شدن، جهانگیرشاه گفته بر می جهد
و جلودار او شمشیر دو دستی بر دندانهاے فیل رسانیده چون فیل به زانو در می آید، اتفاقاً جلودار
فیلبان را از بالاے فیل بزیر می کشد، و همان جمدهر که در دست داشت، درین پیادگی
به نوعے بر خرطوم و پیشانی فیل می زند، که فیل از الم آن فریادزنان بر می گردد، چون زخمها بسیار
داشت به فوج خود رسیده می افتد، و اسپ شجاعت خان سالم بر می خیزد و در حینے که سوار
می شد، آن مخذولان فیل بر علمدار او می دوانند و علم او را با اسپ زیر می کنند، و از انجا شجاعت
خان نعرهٔ مردانه بر کشیده علمدار را خبر می سازد و می گوید که مردانه باش من زنده ام و در پاے
علم درین وقت تنگ هر کس از بنده هاے درگاه حاضر بودند، دست به تیر و جمدهر و شمشیر برده

دل افروز بزمے شد آراستہ — بخوبی بد انسان کہ دل خواستہ
فگندند در پیش این سبز کاخ — بساطے چو میدان ہمت فراخ
زمین نکہت بزم می رفت دور — فلک نافہ مشک بود از بخور
شدہ جلوہ گر تا زنیان باغ — رخ افروختہ ہر یکے چون چراغ [۱]

وہ دقیق فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کو اس سادگی، اختصار اور حسن و خوبی سے لکھتا ہے کہ دوسرے اہل قلم شاید صفحے کے صفحے سیاہ کرنے کے بعد بھی ویسی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، وہ ہندو پنڈتوں کو بتانا چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات مقدس "جسم و چون و چگونگی سے منزہ" ہے، تو لکھتا ہے:-

روزے از پنڈتان کہ عبارت از دانایان ہندوست پرسیدم کہ اگر مبنائے دین شما بر فرود آمدن ذات مقدس حق تعالیٰ است در دہ پیکر مختلف بطریق حلول آن خود نزد اربابِ عقل مردود است و این مفسدہ لازم دارد، کہ واجب تعالیٰ کہ مجرد از جمیع تعینات ست صاحب طول و عرض و عمق بودہ باشد، و اگر مراد ظہور نور الٰہی است درین اجسام آن خود در ہمہ موجودات مساوی است، و بایں دہ پیکر مختص نیست و اگر مراد اثبات صفتے از صفات الٰہی ست، درین صورت ہم تخصیص درست نہ زیرا کہ در ہر دین و آئین صاحبان معجزات و کرامات ہستند کہ از دیگر مردمان زمان خود بدانش و فراست ممتاز بودہ اند، بعد از گفت و شنود بسیار و رد و بدل بے شمار بخدائی خدائے منزہ از جسم و چون و چگون معترف گشتند و گفتند کہ چون اندیشہ ما در ادراک ذات مجرد ناقص است. بے وسیلہ صورتے بہ معرفت او نمی بریم و ایں دہ پیکر را وسیلہ شناخت و معرفت خود ساختہ ایم، پس گفتم ایں

[۱] تزک جہانگیری ص۱۹۱، نولکشور پریس،

نوروز تا نوز دہم، در جہ حمل کہ روز شرف است خلائق داد عیش و کامرانی دادند، اہل ساز و نغمہ از ہر طائفہ و ہر جماعت جمع بودند، لولیان رقاص و دلبران ہند کہ بہ کرشمہ دل از فرشتہ می ربودند، ہنگامۂ مجلس راگرم داشتند، فرمودم کہ ہر کس از بیکفات و مغیرات، آنچہ می خواستہ باشند، بخورد، منع و مانعی نہ باشد۔"

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما[1]"

تخت نشینی کے بارھویں سال شعبان کی چودھویں تاریخ کو نورجہاں نے ایک مجلس جشن ترتیب دی، اس کا حال جہانگیر اس طرح لکھتا ہے:۔

"آخر ہائے روز پنجشنبہ بست و ششم موافق چہاردہم شہر شعبان کہ شب برات بود، در یکے از منازل و عمارات محل نورجہاں بیگم کہ درمیان تالابہائے کلان واقع است، مجلس جشن نمودم، و امراء و مقربان را دریں مجلس کہ ترتیب دادہ بیگم بود طلب داشتہ حکم کردم کہ مردم پیالہ و اقسام کیفیات بہ مقتضائے خواہش ہر کس بدہند بسیارے پیالہ اختیار نمودند، فرمودم کہ ہر کس کہ پیالہ بخورد بہ مثل منصب و حالت خود بنشیند، و اقسام کبابہا و میوہ ہائے لائق گزک مقرر شد کہ در پیش ہر کس بنہند، عجب مجلسے منعقد گشت، در آغاز شام بر اطراف تالاب و عمارات فانوسہا و چراغہا روشن ساختہ، چراغانے بہم دست داد، کہ تا ایں رسم را معمول ساختہ اند، شاید در ہیچ جا مثل این چراغانے نشدہ باشد جمیع چراغہا و فانوسہا عکس در آب انداختہ بنوعے بہ نظر در می آمد، کہ گویا تمام صحن ایں تالاب یک میدان آتش است، بسیار شگفتہ مجلسے گذشت و پیالہ خواراں زیادہ از حوصلہ طاقت پیالہ تناول نمودند"

---

[1] تزک جہانگیری، ص ۲۳۰

بہ مرجان مرصع ساختہ اند، و بعد زمانے ہمیں جا ہا سفید می شود، و بہ طریق پنبہ بہ نظر درمی آید، بوقلموں آسا ہر زمان برنگے دیگر دیدہ می شود، و دو پارچہ گوشتے کہ بر سر دارد، بتاج خروس مشابہ است، غریب این است کہ در ہنگام مستی پارچۂ گوشت مذکور بطریق خرطوم از بالاے سر او، تا یک وجب می آویزد و باز کہ آنرا بالا می کشد، چوں شاخ کرگدن بر سر او مقدار دو دانگشت نمایاں می گردد، اطراف چشم او ہمیشہ فیروزہ گون ست۔"[۱]

جہانگیر جب کسی جگہ کے کیف پرور اور خمار آگین مناظر سے متاثر ہوتا تھا، تو اپنے کیفیات و جذبات کو اسی انداز سے تحریر میں لاتا تھا، کشمیر کو دیکھا تو اپنے کیف و مستی کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

کشمیر باغے است ہمیشہ بہار یا قلعہ ایست آہنیں حصار بادشاہاں را گلشنے است عشرت افزا و درویشان را خلوتکدۂ دلکشا، چمنہاے خوش و آبشارہاے دلکش از شرح و بیان افزون آبہاے رواں و چشمہ سارہاے از حساب و شمار بیرون، چندانکہ نظر کار کند سبزہ است و آب رواں، گل سرخ و بنفشہ و نرگس خودرو صحرا صحرا انواع گلہا و اقسام ریاحین از آن بیشتر است کہ بشمار در آید، در بہار جاں نگار کوہ و دشت از اقسام شگوفہ مالا مال، در و دیوار و صحن و بام خانہا از مشعل لالہ بزم افروز چلکہاے سطح دسہ بر گلہاے میروج را چہ گوید،

شدہ جلوہ گر نازنینان باغ — رخ آراستہ ہر یکے چون چراغ
شدہ مشک بو غنچہ در زیر پوست — چون تعویذ مشکیں بیازوے دوست
غزل خوانی بلبل صبح خیز — تمناے مے خوارگان کردہ تیز
بہر چشمہ منقار ربط آب گیر — چو مقراض زریں بقطع حریر
بساطِ گل و سبزہ گلشن شدہ — چراغ گل از باد روشن شدہ

---

[۱] تزک جہانگیری بحوالہ مقالات شبلی تنقیدی جلد چہارم ص ۴۴ - ۵،

این پیکرہائے شمار او سیلۂ مقصود بہ معبود تواند بود۔"[1]

وہ جب پھولوں کا ذکر کرنے لگتا ہے تو نباتات کے طالب العلم اپنی واقفیت میں نئی معلومات کا بیش قیمت اضافہ کر سکتے ہیں، آگرہ کے شاہی باغ گل افشاں کے پھولوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

اول گل چنپہ گلی ست در نہایت خوشبوئے و لطافت بہیات گل زعفران لیکن رنگ چنپہ زرد مائل بسفیدی ست، درخت آن در غایت موزونی ست و کلان و پر برگ و شاخ و سایہ دار می شود، یام گل یک درخت باغے را معطر دارد، و از ان گذشتہ گل کیوڑہ است کہ ہیئت و اندام غیر مکرر است، بوئے او در تندی و تیزی بدرجۂ ایست، کہ از بوئے مشک ہیچ کمی ندارد۔ دیگر رائے بیل کہ دیو از عالم یاسمین سفید است، غایتاً برگہائیش دو سہ طبقہ بر روئے ہم واقع شدہ، دیگر گل مولسری است، کہ درخت آن نیز بسیار خوش اندام و موزون و سایۂ دار است، و بوئے گل آن در نہایت ملایمت دیگر گل سیوتی کہ از عالم گل کیوڑہ است، غایتاً کیوڑہ خار دار است، و سیوتی خار نہ دارد، رنگ آن بزردی مائل است و کیوڑہ سفید رنگ ست ازیں گلہا و از گل چنبیلی کہ یاسمن سفید ولایت ست، روغنہا خوشبوی سازند،[2]

جانوروں کی تصویر جب وہ کھینچتا ہے، تو وہ اتنی صاف اور واضح ہوتی ہے کہ علم الحیوانات کے ماہرین اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، ۱۰۲۱ھ میں مقرب خان کھمبائت سے ایک عجیب و غریب جانور ساتھ لایا، اس کا بیان جہانگیر جس طرح کرتا ہے، وہ انشاپردازی، اور لطافت بیان کا اعلیٰ نمونہ ہے، ملاحظہ ہو:

یکے از جانوران در جثہ از طاؤس مادہ کلاں تر، و از نر فی الجملہ خورد تر گاہے کہ در مستی جلوہ نماید، غم خود او دیگر پر ہا را طاؤس آسا پریشان می سازد، و برقص در می آید، سر و گردن و زیر حلقوم او ہر ساعت برنگے ظاہر می گردد، وقتیکہ در مستی است سرخ سرخ است، گویا کہ تمام از

[1] تزک جہانگیری ص ۱۵۱ نولکشور
[2] ایضاً ص ۱۱۸

تزک میں نور جہان کا جہان جہان ذکر آیا مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نام اس کی زبان سے لذت لے کر نکلتا ہے، تاہم عشق اس کا خمیر تھا، اور چونکہ فیضی کا شاگرد رشید تھا، اس لیے شعر و شاعری کا نکتہ دان اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔" (شعر العجم حصہ سوم ص۱۶۵)

وہ خود شاعر تھا، چنانچہ مندرجۂ ذیل اس کی ایک غزل ہے، جو سلاست اور نگینی بیان کے لحاظ سے خوب ہے،

من چون کنم کہ تیر غمت بر جگر رسد — تا چشم نا رسیدہ دگر بر جگر رسد
مستانہ می خرامی و مست تو عالمی — اسپند می کنم کہ مبادا نظر رسد
در وصل دوست مستم و در ہجر بیقرار — داد از چنین غمے کہ مرا سر بسر رسد
مدہوش گشتہ ام کہ بپویم رہ وصال — فریاد از ان زمان کہ مرا این خبر رسد
وقت نیاز و عجز جہانگیر ہر سحر — امید آنکہ شعلۂ نور و اثر رسد[۱]

مصنف مخزن الغرائب نے جہانگیر کے جو چند اشعار نقل کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

ما نا کہ بہ برگ گل نوشتیم — شاید کہ صبا بآن رساند

رباعی

ہر کس بضمیر خود صفا خواہد داد — آئینۂ خویش را جلا خواہد داد
ہر چہ کہ شکستہ بود دستش گیر — بشنو کہ ہمین کاسہ صدا خواہد داد

رباعی

اے آنکہ غم زمانہ پاکت خوردہ — اندوہ دل وسوسہ ناکت خوردہ
مانند قطرہائے باران بزمین — جا گرم نکردہ کہ خاکت خوردہ[۲]

۱۔ تزک جہانگیری ص۳۰۱، ۲۔ مخزن الغرائب قلمی نسخہ محولہ دارالمصنفین، ورق ۸۵

بنفشہ سر زلف را خم زدہ گرہ در دل غنچہ محکم زدہ[1]

جب وہ سوگوار اور مغموم ہوتا ہے، تو بڑے دردناک پیرایہ میں اپنے غم کا اظہار کرتا ہے۔ خسرو کی ماں اس کی باغیانہ اور ناشایستہ حرکتوں سے عاجز آکر افیون کھا لیتی ہے، اس کی موت پر جہانگیر جس طرح ماتم کرتا ہے وہ ملاحظہ ہو:۔

از خوبی ہا و نیکذاتی ہاے او چہ می نویسم عقلے بہ کمال داشت، و اخلاص او بمن در حدے بود کہ ہزار پسر و برادر را قربان یک موے من می کرد، مکرر بہ خسرو مقدمات نوشت و او را دلالت بہ اخلاص و محبت من می کرد، چون دید کہ ہیچ فائدہ ندارد ...... از غیرتے کہ لازمۂ طبیعت راجپوتانی است، خاطر بر مرگ خود قرار دادہ ...... روز بست و ششم ذی الحجہ سنہ ۱۰۱۳ افیون بسیار در عین سوزش دماغ خوردہ در اندک زمانے درگذشت ...... از فوت او بنابر تعلقے کہ داشتم ایامے بر من گذشت کہ از حیات و زندگانی خود ہیچ گونہ لذتے نداشتم چہار شبانہ روز کہ سی و دو پہر باشد از غایت کلفت و اندوہ چیزے از ماکول و مشروب دارد طبیعت نہ گشت، چون این قصہ بہ والد بزرگوارم رسید دلاسا نامہ مرحمت بدین مرید فدوی صادر گشت و خلعت و دستار مبارک کہ از سر بر داشتہ بودند، ہمایون طور بستہ بہ جہت من فرستادند، این عنایت آبے بر آتش سوز و گداز من زدہ اضطراب و اضطرار مرا فی الجملہ قرارے و آرامی بخشید۔[2]

جہانگیر کی یہ قادر الکلامی صرف نثر ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ نکتہ سنج ادیب ہونے کے ساتھ وہ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتا تھا، بقول مولانا شبلی "سلسلۂ تیموریہ میں یوں تو ہر ہر فرما فردا سخن فہم و ادا شناس گذرا ہے، لیکن جہانگیر اس فن میں اجتہاد رکھتا تھا، وہ فطرۃً محبت کش تھا، اور روز ازل سے درد مند دل لے کر آیا تھا۔ اس کا اثر اگرچہ اس نے آئین و نظام سلطنت میں چنداں نمایاں نمونے دیا، یہاں تک کہ

---

[1] تزک جہانگیری ص ۳۳، [2] ایضاً ص ۲۴

دایم اگرچہ شغل شاہی در پیش ‏ ‏ ‏ ‏ ہر لحظہ کنیم یاد درویشان پیش
گر شاد شود ز ما دل یک درویش ‏ ‏ ‏ ‏ آنرا شمریم حاصل شاہی خویش

جہانگیر نے خوش ہو کر حکیم مذکور کو ایک ہزار مہر انعام میں دیا۔[1]

سنہ ۶ جلوس شاہی میں جہانگیر موضع سمونگر شکار کے لیے گیا، اسی شکارگاہ میں ایک رات اس نے یہ شعر کہا:۔

بود بر آسمان تا مہر را نور ‏ ‏ ‏ ‏ مبادا عکس او از چتر شہ دور

اور قصہ خوانوں کو تاکید کی کہ سلام وصلوٰۃ بھیجتے وقت یہ شعر بھی پڑھا جائے۔[2]

ایک شکارگاہ میں جہانگیر کے شیر نے ایک کالے ہرن کا شکار کیا وہ گرا تو غایت خوشی میں جہانگیر چلا اٹھا،

چیتہ پادشاہ زد کالہ

طالب آملی بھی ساتھ تھا، اس نے برجستہ کہا

گشت صحرا ز خون پر از لالہ

جہانگیر نے مسرور ہو کر پانچ ہزار روپے انعام طالب کو دیے، (تذکرہ سرخوش قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)،

ایک بار جہانگیر نے پانی پینے کو مانگا مٹی کے کوزہ میں پانی لایا گیا، کوزہ بہت ہی نازک پانی لانے والے کے ہاتھ میں جنبش ہوئی تو کوزہ ٹوٹ گیا، جہانگیر نے اپنے ہم ظریف نواب قاسم خان یعنی نورجہان کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کے شوہر کی طرف دیکھ کر فوراً کہا

کاسہ نازک بود و آب آرام توانست کرد

قاسم خان نے بھی فی البدیہہ عرض کیا،

۱؎ تزک جہانگیری ص۱۰۵ ۲؎ ایضاً ص۱۰۱

وہ اکثر اساتذہ کے مقابلہ میں شعر کہتا، ایک بار امیر الامرا کا یہ شعر اس کے سامنے پڑھا گیا،

بگذر مسیح از سر ما کشتگانِ عشق ۔۔۔ یک زندہ کردنِ تو بصد خوں برابرست

جہانگیر نے فوراً یہ شعر موزون کیا،

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس ۔۔۔ یک دل شکستنِ تو بصد خون برابرست

مولانا علی احمد نشانی نے بھی اس پر ایک شعر کہا، جو جہانگیر کو بہت پسند آیا[۱]

اے محتسب ز گریۂ پیر مغان بترس ۔۔۔ یک خم شکستنِ تو بصد خون برابرست

ایک دفعہ عبدالرحیم خان خانان نے مولانا جامی کی ایک غزل پر غزل لکھی جس کا ایک مصرع یہ ہے

بہر یک گل زحمتِ صد خار می باید کشید

جہانگیر کو یہ مصرع پسند آیا اس نے فی البدیہہ یہ مطلع کہا،

ساغرے بر روئے گلزار می باید کشید ۔۔۔ ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید[۲]

ماورار النہر کے درویش صفت بزرگ خواجہ ہاشم سے جہانگیر خاص عقیدت رکھتا تھا،

ایک بار خواجہ مذکور کے یہاں اس نے ایک ہزار مہر جہانگیری اور اسی کے ساتھ اپنی کہی ہوئی

مندرجۂ ذیل رباعی بھیجی،

اے آنکہ مرا مہر تو بیش از بیش است ۔۔۔ از دولت یاد بودت اے درویش است

چندانکہ ز مژدہ ات دلم شاد شود ۔۔۔ شادیم ز آنکہ لطفت از حد بیش است

اسی کے ساتھ جہانگیر نے دربار میں فرمائش کی کہ اسی مضمون کی اور رباعیاں کہہ کر طبع آزمائی کی جائے

حکیم مسیح الزمان[۳] نے ایک رباعی کہی، جو جہانگیر کو بہت پسند آئی، وہ رباعی یہ تھی:۔

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۱۱۲ [۲] اقبال نامۂ جہانگیری و تزک جہانگیری ص ۲۳۵ [۳] نام ضیاء الدین کاشان سے ہندوستان آیا، علم طب کا ماہر تھا، اس لیے جہانگیر نے مسیح الزمان کا خطاب دیا، شاعر بھی تھا تذکرۂ نصرآبادی میں اسکے بہت سے اشعار منقول ہیں ص ۷۶

چاہتا تھا، چنانچہ سو تولے، پچاس تولے، بیس تولے، اور دس تولے کی مہروں پر یہ بیت لکھی ہوئی تھی

بخط نور بر زر کلکِ تقدیر ‏ ‏ ‏ ‏ رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر

او مصرعوں کے درمیان کی جگہ چھوڑ کر کلمہ اور دوسری طرف یہ بیت جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے، منقش تھی،

شد چو خورزین سکہ نورانی جہاں ‏ ‏ ‏ ‏ آفتابِ مملکت تاریخ آن

ایک دوسرے سکہ پر یہ شعر تھا،

روے زر را ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ ‏ ‏ ‏ ‏ شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

جب نورجہاں کا اقتدار ہوا تو سکہ پر یہ شعر ثبت کیا،

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور ‏ ‏ ‏ ‏ بنام نورجہان بادشاہ بیگم زر

جہانگیر کی سخن فہم اور ذوق شناس طبیعت کبھی یہ گوارا نہیں کرتی تھی، کہ اس کے سامنے شاعری میں کسی قسم کی بدمذاقی کی جائے، ایک دفعہ ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں قصیدہ لکھکر پیش کیا، مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا،

اے تاجِ دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے کہا عروض بھی جانتے ہو؟ شاعر نے کہا حضور نہیں، جہانگیر نے کہا اچھا ہوا، ورنہ تمھارے قتل کا حکم ہوتا، پھر مصرع کی تقطیع کرکے بتایا، کہ دوسرا رکن یوں آتا ہے۔ "لت بر سرت" اور یہ سخت بے ادبی ہے،

مولانا شبلی تذکرۂ سرخوش سے شعر العجم حصہ سوم میں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں تقی تخلص کا ایک شاعر تھا، جو قوم کا کلال تھا، کلالوں کی قوم شاہی درباروں میں دربانی اور چاؤشی کے لیے مخصوص تھی، تقی نے نورجہاں بیگم کے توسل سے جہانگیر کے دربار میں شاعری

دیدہ حالم را و چشمش ضبط اشک خود نکرد　　کاسہ نازک بود و آب آرام نتوانست کرد[۱]

سنہ ۱۲ جلوس میں سید عبد اللہ خان بارہہ شاہزادہ خرم کی یہ عرضداشت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ عادل خان، عنبر اور دکن کے تمام سرکشوں نے اطاعت اختیار کر لی ہے، جہانگیر یہ مژدہ سنکر نہایت خوش ہوا، اور شادیانے کے نقارے بجوائے، سید عبد اللہ خان کو سیف خان کا خطاب دیا، شہزادہ خرم کے لیے ایک لعل بے بہا بھجوایا، اور عادل خان کے نام فرمان جاری کیا، جس میں اپنا یہ شعر لکھ بھیجا،

شدی از التماس شاہ خرم　　بفرزندی ما مشہور عالم[۲]

اس کے دوسرے سال عادل خان نے جہانگیر کی ایک تصویر کی درخواست کی، جہانگیر نے ایک لعل گراں بہا و لعل خاصہ کے ساتھ اس کو اپنی تصویر عنایت کی، اور اس پر یہ رباعی دست خاص سے لکھ دی،

اے سوے تو دادیم نظر رحمت ما　　آسودہ نشین بسایۂ دولت ما

سوے تو شبیہ خویش کردیم رواں　　تا معنی ما ببینی از صورت ما[۳]

سنہ ۱۴ جلوس میں جہانگیر کلانور میں مقیم تھا کہ خان عالم جو شاہ عباس کے پاس ایران قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا، واپس آیا، جہانگیر اس کے ساتھ بہت ہی لطف و عنایت کے ساتھ پیش آتا تھا، جب اس کے نزدیک آنے کی خبر ہوئی تو اس نے اسے مندرجہ ذیل مطلع لکھ کر عطر جہانگیری کے ساتھ بھیجا،

بسویت فرستادہ ام بوے خویش　　کہ آرام ترا زود تر سوے خویش[۴]

جہانگیر کے شاعرانہ ذوق کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سکوں پر بھی اس کا اظہار

---

[۱] مرآۃ الخیال ص ۱۳۰، [۲] تزک جہانگیری ص ۱۹۳ [۳] ایضاً ص ۲۶۲، [۴] ایضاً ص ۲۸۵

درین وقت رباعی دیگر ہم ازین عالم شنیدہ شد، چون بسیار خوب گفتہ آن را نیز نوشتم۔

رباعی

افسوس کہ اہل خرد و ہوش شدند | ازخاطر ہمدمان فراموش شدند
انانکہ بصد زبان سخن می گفتند | آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند [۵۱]

ایک بار سلطان قوام کے بیٹے حسینی کی ایک رباعی اس کے سامنے پڑھی گئی جو اس کو پسند آگئی ہو اس نے تزک میں نقل کیا ہے،

کردے کہ تراز طرف دامان ریزد | آب از رخ سرمۂ سلیمان ریزد
گرخاک درت بامتحان بفشانند | ازوے عرقِ جبین شاہان ریزد

اس رباعی کو نقل کرکے وہ لکھتا ہے:۔

"معتمد خان درین وقت رباعی خواند، مرا بغایت خوش آمد، در بیاض خود نوشتم"

رباعی

زہرم بفراق خود چشانی کہ چہ شد | خون ریزی و آستین فشانی کہ چہ شد
اے غافل ازانکہ تیغ ہجر تو چہ کرد | خاکم بفشار تا بدانی کہ چہ شد [۵۲]

یہ رباعی بابا طالب اصفہانی کی تھی،

سلطان سنجر کے ملک الشعراء معزی کا ایک قصیدہ جو اس نے سلطان کی مدح میں لکھا تھا، اس کے سامنے پڑھا گیا، جس کا مطلع یہ ہے،

اے آسمان مسخر حکم روانِ تو | کیوانِ پیر بندۂ بخت جوانِ تو

اس مطلع کو سنکر وہ بہت محظوظ ہوا، اور اس قصیدہ کی تعریف تزک میں کرتا ہے، کہ

---

[۵۱] تزک جہانگیری ص۲۶، نولکشور پریس [۵۲] ایضاً ص۲۵۹۔

کی تقریب سے رسائی پیدا کرنی چاہی، جہانگیر نے کہا کہ ان لوگوں کا کام چاوشی اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا مناسبت، لیکن نور جہاں کی خاطر عزیز تھی، اجازت دی، میٔ نے یہ شعر پڑھا۔

میٔ بگیر یہ سرے وارداے نصیحت گر　　　کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

جہانگیر نے کہا دیکھا وہی اپنے پیشہ کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نور جہاں بیگم نے تقریب کی، میٔ نے مطلع پڑھا:

من می روم و برق زنان شعلۂ آہم　　　اے ہم نفسان دور شوید از سر راہم

جہانگیر نے ہنس کر کہا وہ اثر کہاں جا سکتا ہے۔[۵]

یہاں پر بے موقع نہ ہوگا کہ اگر ہم ان اشعار کا ذکر کریں جن کو جہانگیر نے خاص طور پر پسند کیا، اور ان پر اپنی رائے ظاہر کی، تاکہ ناظرین کو اس کا صحیح مذاق معلوم ہو، مولانا شبلی لکھتے ہیں، کہ جہانگیر کا ذوق شاعری اس قدر صحیح تھا، جس قدر ایک بڑے نقاد فن کا ہو سکتا ہے، جس شاعر کی نسبت اس نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھ کر اس کے متعلق لکھا نہیں جا سکتا،

سنہ جلوس میں مانڈو (فتح پور) کے ایک تال کے قریب فروکش ہوا تو وہاں ایک ستون پر ایک رباعی لکھی ہوئی دیکھی، اس کے بارے میں لکھتا ہے:

درمیان تال نشیمنے از سنگ واقع است بر یکے از ستون ہا رباعی شخصے ثبت نمودہ بود بنظر درآمد و مرا از جادہ آورد، الحق از شعرہاے خوب است،" رباعی

یاران موافق ہمہ از دست شدند　　　در دست اجل یگان یگان پست شدند

بودند تنک شراب در مجلس عمر　　　یک لحظہ زما پیشتر ک مست شدند

اس کے بعد فوراً ہی لکھتا ہے:

---

[۵] تذکرۂ سرخوش در ذکر میٔ، و شعر العجم حصہ سوم ص۔

زانکہ چون او نہفتہ افسر زر — بہ نمودی کلاہ گوشہ پسر
شکر کز بعد آن چنان پدرے — جانشین گشت این چنین پسرے
کہ ز شنقار گشتن آن شاہ — کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ[1]

جہانگیر کو طالب آملی کے مندرجہ ذیل اشعار بہت مرغوب تھے،

ز غارت چمنت بر بہار منتہا است — کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
لب از گفتن چنان بستم کہ گوئے — دہان بر چہرہ زخمی بود و بہ شد
عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع — این شرابے است کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است
گر من بجائے جوہر آئینہ بودمے — ... و نما ترا بتو کے می نمودمے
دو لب دارم یکے در می پرستے — یکے در عذر خواہی ہائے مستے

جہانگیر کے اس انتخاب پر مولانا شبلی لکھتے ہیں، کہ "خود طالب اس سے اچھا انتخاب نہیں کر سکتا تھا"[2]

ایران سے ملا محمد صوفی ماژندرانی ہندوستان آئے تو اپنے زہد، تقوی اور صوفیانہ ذوق کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کے لیے بھی مشہور ہوئے، بتخانہ کے نام سے ایک بیاض ترتیب دی تھی جس میں ساٹھ ہزار اشعار تھے، ان کا ساقی نامہ بہت ذوق شوق سے پڑھا جاتا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے :-

نمی ماند این بادہ اصلا بآب — تو گوئی کہ حل کردہ اند آفتاب

جہانگیر کو بھی ان سے ملنے کا شوق ہوا، وہ احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، شاہی حکم کے بموجب سیف خان صوبہ دار گجرات نے جو خود بھی ملا صوفی کا معتقد تھا، ان کو دار السلطنت

---

[1] تزک جہانگیری ص ۹۰ [2] شعر العجم حصہ سوم ص ۷ و تزک جہانگیری ص ۲۸۹

"بغایت سلیس وہموار گفتہ"۔

سعیدائے زرگر باشی نے اس قصیدہ کے تتبع میں ایک قصیدہ کہکر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا، جسکو اس نے پسند کیا، اس کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار تزک میں نقل کئے ہیں:-[۵]

اے نہ فلک نمونہ از آستانِ تو | دورانِ پیر گشتہ جوان در زمانِ تو
بخشد دل تو فیض دگر خود بسبب چو مہر | جانہا ہمہ فدائے دل مہربانِ تو
از باغ قدرت است فلک یک ترنج سبز | انداختہ بروئے ہوا باغبانِ تو
یارب چہ گوہری تو کہ افروخت در ازل | جانہائے قدسیان ہمہ از نور جانِ تو
بادا جہان بکام تو اے بادشاہ عہد | در سایۂ تو خرم شاہ جہانِ تو
اے سایۂ خدا از تو پر نور شد جہان | بادا ہمیشہ نور خدا سائبانِ تو

ایک بار ایک ہندو شاعر نے جہانگیر کے سامنے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی جس کا حاصل یہ تھا، کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا، تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا، تو اس کا بیٹا اس کے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد کو خدا نے ایسا بیٹا دیا، کہ لوگوں نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا، آفتاب کو رشک ہے کہ آپ کے طالع کی روشنی اور عدالت کے دور سلطنت میں کہیں رات نہیں، جہانگیر اس اچھوتے خیال کو سنکر بہت محظوظ ہوا، اور ایک ہاتھی انعام میں دیا، وہ لکھتا ہے:-

"این تازگی مضمون از شعرائے ہندکم بگوش رسیدہ، بہ جلدوی این مدح فیلے باو مرحمت کردم"

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا، جو حسب ذیل ہیں:-

گر پسر داشتی جہان افروز | شب نگشتی ہمیشہ بودی روز

---

[۵] تزک جہانگیری صفحہ ۲۴۲، نولکشور پریس

جہانگیر کہا کرتا تھا کہ اعتماد الدولہ کی صحبت ہزار مفرح یاقوتی سے بہتر ہوتی ہے، اعتماد الدولہ کے عالم نزع میں جہانگیر نورجہاں کے ساتھ اس کے بستر مرگ کے پاس پہنچا تو نورجہاں نے باپ سے جہانگیر کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ آپ ان کو پہچانتے ہیں اعتماد الدولہ نے اسی حالت میں انوری کا یہ شعر پڑھا:

آنکہ نابینائے مادرزاد اگر حاضر شود　　در جبین عالم آرائیش ببیند بہترے

جہانگیر کا ہمزلف یعنی نورجہاں کی سگی بہن منیجہ بیگم کا شوہر نواب قاسم خان بھی شاعر تھا، اس کا ذکر نورجہاں کے سلسلہ میں بھی آئے گا، اسکی ایک غزل ہے۔

می پرستم مے ز چشم جائے آب آید برون　　گر بگرید بلبل از چشمش گلاب آید برون
یک رہ اندر چشم من آید خیال او بخواب　　کے ز ذوق آن گرد چشم خواب آید برون
بسکہ میل ہمزبانی با تو دارد ہر کسے　　گر ز شکل آئینہ پرسی جواب آید برون
ز اشتیاق ہم نشینی ہائے گوشش گر دہد　　بعد ازین ہمچون صدف از حباب آید برون
بسکہ قاسم پرشد از مہر علی موسیٰ رضا　　سینہ اش گر بر شگافی آفتاب آید برون

(ماثر الامراء جلد اول ۱۳۰)

جہانگیر کا ندیم خاص محمد شریف تھا، جس کو اس نے معتمد خان کا خطاب دیا تھا، چنانچہ وہ خود کہتا ہے، (ماثر الامراء جلد سوم ص۱۳۱)

بدور شاہ جہانگیر خانی ارزان شد　　شریفہ یا نوی ما رفت و معتمد خان شد

جہانگیر کی تزک لکھنے میں بھی معاون رہا، تزک میں سترہویں جلوس کا کچھ حصہ، اٹھارہویں اور پھر انیسویں جلوس کا کچھ حصہ اسی کا نوشتہ ہے،

جہانگیر کے ایک دوسرے ندیم مرزا محمد ہادی نے تزک کا تکملہ لکھا، اور شروع میں دیباچہ بھی تحریر کیا، معتمد خان نے اقبال نامۂ جہانگیری کے نام سے تیموریوں کی تاریخ تین جلدوں میں لکھی

روانہ کیا، مگر راستہ ہی میں مالک حقیقی سے جا ملے، وفات کے وقت یہ رباعی کہی:

اے شاہ نہ تخت و نہ نگین می ماند　　از ہر تو یک دو گز زمین می ماند

صندوق خود و کاسۂ درویشان را　　خالی کن و پر کن کہ ہمین می ماند

جہانگیر نے یہ رباعی سنی تو اس پر رقت طاری ہو گئی (ماثر الامراء جلد سوم ص۴۵۱)

جہانگیر کی خلوت و جلوت میں ساتھ رہنے والے بھی اس کے علمی ذوق سے متاثر ہوئے، ہم اس کے شہزادوں اور نور جہاں بیگم کی علم پروری کا ذکر آئندہ صفحات میں کریں گے، اس کے خسر یعنی نور جہاں کے باپ **اعتماد الدولہ** کو بھی ادب و انشاء سے ذوق تھا، ماثر الامراء جلد اول (ص۱۳۱) میں ہے:

"اعتماد الدولہ اگرچہ شعر نمی گفت اما تتبع شعر متقدمین بسیار کردہ، در انشاء ید طولیٰ داشت، شکستہ را متین و آبدار می نوشت، و خوش محاورۂ رنگین صحبت شگفتہ او بود، و بانو رسیدگی و معاملہ فہمی نیک اندیش کار روا بود"

اس کے یہاں بھی شعر و شاعری کی مجلس گرم ہوا کرتی تھی، شعراء اس کے دربار میں قصیدے کہتے، اور انعام پاتے، حکیم عارف ایگی نے جس کا ذکر آگے آئے گا، اس کی شان میں حسب ذیل قصیدہ دلآویز انداز میں کہا تھا:

عارف بساز بند زان زلف ما ر پیچ　　تا بر تو نگذرد ہمہ ہر روز گار پیچ

نیسان نو بہار جوانی بیست می　　یعنی بموج بادہ بگیر از خمار پیچ

در حلقہ پیچ دارد زلف تو ہمچنانکہ　　ہنگام خشم در گرہ چشم مار پیچ

آن اعتماد دولت کز راست بینی اش　　از موج خشم جدا نشود از جویبار پیچ

تا در زمانہ پیچ نماند بعہد تو　　زان موج آبگیر کشد بر کنار پیچ[1]

[1] شمع انجمن ص۴۳۲

در عہد تو مارا ہمہ با غیر خطاب است | سر پنجۂ مژگان و گریبان عتاب است
گریہ ام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب | ابر ہر چند کہ گرید رخ گلشن خندد
کجاست یک دو سہ ہمدم کہ ہمچو سیقار | نشستہ پہلوی ہم برکشیم آوازے

مولانا مرشد بروجردی نے اس کی شان میں بہت سے قصیدے کہے ہیں، ایک قصیدہ کے صلہ میں اس نے مولانا کو مرشد خان کا خطاب دیا، طالب آملی کا بھی ممدوح رہا، طالب کی مداحی تو عاشقی کی حد تک پہنچ گئی تھی،

جہانگیر کے ایک دوسرے جلیل القدر امیر سپہ سالار مہابت خان نے بھی اپنے یہاں علمی مجالس سجائیں، شیخ حکیم رکنا کاشی، آقا صفی عنفاہانی، اسد بیگ قزوینی، مولانا حید رتضانی اور مولانا مرشد بروجردی اس کی فیاضیوں سے مستفید ہوئے[1]، وہ خود بھی شاعر تھا، سوسنی تخلص کرتا تھا، اس کا حسب ذیل شعر ندرت خیال کے لحاظ سے خوب ہے،

ننگ دلم بود کہ بہشت آرزو کند | دوزخ نصیب من بود و آرزو مباد[2]

آصف خان مرزا قوام الدین جعفر بیگ بھی دربار کا ایک ممتاز اہل علم تھا، اکبر کے بائیسویں سال جلوس میں عراق سے ہندوستان آیا، اور اپنے چچا مرزا غیاث الدین علی آصف خان بخشی کی وساطت سے شاہی دربار میں روشناس ہوا، رفتہ رفتہ ترقی کر کے جہانگیر کے عہد میں پنجہزاری منصب اور عہدۂ وکالت پر مامور ہوا، اس نے بہت سے حربی کارنامے بھی انجام دیے، اس کے ذاتی اوصاف اور علمی ذوق کے بارے میں مآثر الامرا کا مؤلف لکھتا ہے:

یکتائے روزگار تھا، ہر فن میں یگانہ اور ہر ہنر میں کامل، اس کے فہم کی تیزی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو میخانہ مؤلفہ ملا عبد النبی ص ۲۲۵، ۲۳۴، ۵۴۰، ۵۵۰، ۵۵۵، مآثر الکرام حصہ دوم صفحہ ۹، مآثر الامرا جلد سوم ص ۴۴۸، ۴۳۴، شعر العجم حصہ سوم ص ۱۰، مخزن الغرائب ذکر حیدر تضانی [2] مآثر الامرا جلد ۳ ص ۴۰۹،

پہلی جلد میں تیمور سے ہمایوں تک کے حالات تھے، دوسری اکبری عہد کے واقعات پر مشتمل تھی، تیسری میں جہانگیر کے دور کی سیاسی تاریخ ہے، پہلی دو جلدیں مفقود ہیں، لیکن تیسری جلد بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہو گئی ہے،

جہانگیر کے امراء میں بہت ہی قابل، بڑا علم دوست، دریا دل اور مشہور شعراء کا ہم پلہ **مرزا غازی خان** تھا، جو مرزا جانی بیگ حلیمی کا لڑکا تھا، اس کو فرزند کا خطاب اور ہفت ہزاری منصب عطا کر کے قندھار کا حاکم بنایا تھا، اور ٹھٹھ اور ملتان جاگیر میں دیے تھے، اس کے یہاں ارباب کمال کا اجتماع رہتا تھا، ملا مرشد بروجردی، ملا اسد قصہ خوان، طالب آملی اور میر نعمت اللہ وصلی نے اسی کے یہاں تربیت پائی، میخانہ میں ہے:

جوان خوشخوئی خوش روی کریمی بودہ، و اکثر پاس خاطر ارباب معنی می داشتہ و باآن جماعت بے تکلفانہ سلوک می کردہ، مروتش بمرتبہ خوب و سخاوتش بحدی مطلوب بودہ،

مولانا شبلی کہتے ہیں کہ ایران سے جو اہل کمال ہندوستان کا رخ کرتے تھے، ان کی پہلی منزل اسی کا آستانہ ہوتا تھا، چنانچہ مآثر الامراء میں ہے کہ فغفوری گیلانی قندھار پہنچا تو غازی خان اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم سے پیش آیا، مگر فغفوری کو بعض باتیں ناگوار ہوئیں، اس لیے لاہور کی طرف اٹھ کھڑا ہوا، غازی خان نے معذرت لکھ بھیجی، لیکن فغفوری نے قبول نہیں کیا، غازی خان خود بھی بہت ہی بلند پایہ شاعر تھا، قندھار میں ایک شاعر وقاری تخلص رکھتا تھا، غازی خان نے اس تخلص کو ہزار روپے و خلعت اور ایک گھوڑا دیکر خرید لیا، عالم شباب یعنی پچیس سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی، پھر بھی پانچ ہزار اشعار کا ایک دیوان چھوڑا، میخانہ میں اس کا ایک طویل ساقی نامہ منقول ہے، اسی سے مولانا شبلی نے اس کی بعض غزلوں کے حسب ذیل اشعار منتخب کیے ہیں:

رساند نامۂ اقبال وش مرغ شرف | کہ صیت شہپرش از اوج لامکان آمد
نوشتہ کاتب قدرت عبارتی کان را | امید ترجمۂ شوق ترجمان آمد

ملا بدایونی نے اس کمسن بچے کی شعرگوئی پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے[1]

میر حیدر رفیعی معمائی کا لڑکا محمد ہاشم سنجر اکبری دور کا ایک ممتاز شاعر تھا، اس کے بارے میں میخانہ کا مؤلف رقمطراز ہے:

بعد از عرفی در استعارہ کردن کسے بر از مرتکب این شیوہ نشدہ[2]

سنجر نے بھی شہزادہ سلیم کے دربار میں باریابی حاصل کرکے اس کی ثنا خوانی کی، اس کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

ہمیشہ لطف تو بر دشمنان شود مصروف | مدام جور تو بر دوستان بود جاری
زمانہ چند دل آزردن از تو آموزد | یکے ز شاہ بیاموز رسم دلداری
منت حلال کنم لیک بر نمی تابد | زبان شاہ سلیم این ہمہ ستمگاری[3]

عرفی جب ہندوستان پہنچا تو شہزادہ سلیم نے بھی اس کے کلام کی شان و شوکت، استعارات کی طرفگی، بندش کی چستی، مضامین کی نازک خیالی، خیالات کی رفعت اور فقروں کے در و بست کی بڑی شہرت سنی، چنانچہ اس نے عرفی کو اپنے دربار میں بلاکر قصیدہ کہنے کی فرمائش کی، عرفی کی خودستائی اور خود بینی مشہور تھی، مگر اس دعوت پر اپنی خوش قسمتی کا اظہار کرتا ہے، چنانچہ جس وقت یہ پیام لیکر اس کے یہاں قاصد پہنچتا ہے، تو وہ گوہر افشانی کرتا ہے:

صباح عید کہ در تکیہ گاہ ناز و نعیم | گدا کلاہ نمد کج نہاد و شد بہ نسیم
جہان چنین خوش و من خوشتر از جہان و ثاق | نشستہ با خرد و محرم قلم و تعلیم

---

[1] بدایونی جلد سوم ص ۲۷۷۔ [2] میخانہ ص ۲۴۹۔ [3] خزانہ عامرہ، قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

اور فطرت کی بلندی کی بڑی شہرت تھی، وہ خود کہا کرتا کہ جس چیز کو میں فوراً نہ سمجھوں وہ بے معنی ہے، ایک نگاہ سے تمام سطروں کو پڑھ لیتا تھا، اس کو ملکی و مالی معاملات میں بھی غیر معمولی مہارت تھی، اس کا ظاہر اور باطن آراستہ تھا، شعر و انشا میں کمال اور پختگی حاصل تھی (ج ۱ ص ۱۱۲) جعفری تخلص کرتا تھا، اور اپنی سخن وری کی شہ زوری میں نظامی گنجوی کے تتبع میں ایک مثنوی خسرو شیریں لکھی، جس کے بارہ میں مرزا محمد طاہر نصرآبادی اپنے تذکرہ میں رقمطراز ہے:

بعد از شیخ نظامی خسرو شیرین را کسے بہ از و نگفتہ" (ص ۵۳)

مآثر الامرا، جلد اول (ص ۱۱۲) میں بھی ہے:

"باعتقاد جمعے بعد از شیخ نظامی گنجہ مثنوی خسرو شیرین بہ از و کسے نگفتہ"

اس مثنوی کے بہت سے اقتباسات تذکرہ نصرآبادی میں منقول ہیں،

امرائے جہانگیری میں عبدالرحیم خانخاناں کی شعر و سخن کی شمع سب سے زیادہ روشن رہی، پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس کا دربار شعراء کا ایک دار الحکمت تھا، جہانگیری دور میں اس نے بیس سال تک اس روایت کو قائم رکھا،

شعراء کی سرپرستی | جہانگیر کی شہزادگی کے زمانہ ہی سے شعراء اس کے یہاں ملازم تھے، اس کی مجلس شعر و شاعری سے ہمیشہ گرم رہتی تھی، ایک بہت ہی کمسن شاعر جس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی، شہزادہ سلیم کے دربار میں اپنی سخن گستری کی داد لیتا تھا، شہزادہ سلیم ہی نے اس کا تخلص طفلی رکھا تھا، شہزادہ کی شان میں اس نے کئی قصائد کہے، ایک مدح کے کچھ اشعار یہ ہیں:

ایا شہے کہ جہان را ز رہزنان خلل	بدور معدلتت فتنہ پاسبان آمد
امید لطف تو ہست آنچنانکہ عاصی را	گنہ ز آتش دوزخ نگاہبان آمد
توئی کہ مرکب عزم ترا بروز دعا	ظفر علم کش و اقبال ہم عنان آمد

لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت   فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

شہزادے نے بلیغ پیرایہ میں عرفی کی تعریف کی اور پھر قصیدہ کی فرمایش کی،

نجندہ گفت کہ دہ عذر این گناہ بزرگ   کہ رفتہ نام تو بے حکم ما بہ سبقت اقلیم

ہمیں کہ رفتی ازین آستان نوشتہ بیار   گزیدہ نسخہ از رادھاے طبع سلیم

عرفی نے شہزادہ سلیم کی شان میں اور بھی قصیدے لکھے، دو کے مطلعے یہ ہین،

وگر سفیر طبیعت بسا ز آگاہی   بعالم ملکوت است محملش راہی

نو بہار آمد کہ افشاند چو حسن یار گل   چون وصال عام ریزد ہر خس و ہر خار گل

عرفی کو عالم شباب ہی مین حاسدوں نے زہر دیدیا، اس لیے جہانگیر کی بادشاہت کے زمانہ میں اس کی سرپرستی سے مستفید نہ ہو سکا، اس کے دیوان میں ۲۶ قصیدے، ۲۷۰ غزلیں، اور ان کے علاوہ بہت سے قطعات اور رباعیاں تھین جنمین ۰۰ شعر تھے، مخزن اسرار شیرین خسرو کے جواب مین دو مثنویان بھی لکھیں، ایک رسالہ نفسیہ کے نام سے فن تصوف میں تحریر کیا،

جہانگیر تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو شاہی دربار باکمال شعراء سے بھرا ہوا تھا، جہانگیر نے جوہر شناسی سے کام لے کر طالب آملی کو ملک الشعراء کے عہدہ پر فائز کیا، طالب آمل کا رہنے والا تھا، جو مازندران کا ایک شہر ہے، سولہ برس کی عمر میں اس نے ہندسہ، منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف اور خوشنویسی میں کمال حاصل کر لیا تھا، تیموری حکمرانون کی فیاضیون کا شہرہ سنکر ہندوستان آیا، قندھار میں غازی خاں کے یہاں ایک قصیدہ لکھکر حاضر ہوا، غازی خان نے بڑی گرم جوشی سے اس کی پذیرائی کی، اور ندیم خاص بنایا، غازی خان کی موت کے بعد خواجہ قاسم دیانت خان کے پاس آگرہ آیا، اور کچھ وقفہ کے بعد دیانت خاں نے جہانگیر کے دربار میں اس کی تقریب کی، مگر طالب جب جہانگیر کے حضور میں پہنچا تو کچھ ایسا مخمور اور مسحور ہو گیا کہ اس کی کسی بات کا جواب دے سکا،

که ناگهان ز درم در رسید مژده دہے   چنان که از چمن طالعم ز مغز شمیم

چه گفت؟ گفت که اے مخزن جواہر قدسیں   چه گفت؟ گفت که اے مطلب بہشت نعیم

بیا که از گہرت یاد می کند دریا   بیا که تشنه لبت را طلب کند تسنیم

ازین پیام دلم شد شگفته و شاداب   چناں که باغ ز شبنم چنانکه گل ز نسیم

عرفی ہمہ تن شوق بنکر اور بے تابی کے عالم میں دربار روانہ ہوا،

بره فتادم و گشتم چنان شتاب زده   که دست اہل کرم در نثار گوہر و سیم

اور جب وه دربار میں پہونچکر شہزاده سلیم کے سامنے آیا، تو زمین بوس ہوا اسکو وه لطیف پیرایہ میں کہتا ہے کہ اگر میں ادب سے رک نہ جاتا تو بجائے اس کے کہ میرے لب اس کے قدم چومتے اس کے قدم میرے لب کو چوم لیتے،

چو روزگار رسیدم به درگہے که کند   زمانه طوف حریمش به دیده تعظیم

رسیدن من و اقبال آں ہمایوں فال   چناں فتاد مطابق در آں خجسته حریم

که اگر ادب نکشیدی عنان من قدمش   بوسه گاه ہمی کرد بر لبم تقدیم

شہزاده سلیم اس کے ساتھ خاص لطف وکرم کے ساتھ پیش آیا جس کے بعد وه آداب شاہی بجا لایا،

مرا چو دوش بدوش ادب بدید استاد   بلطف خاص بدل کرد التفات عمیم

زمونه کرنش و تسلیم را ادا کردم   به داب مردم دانا و بذله سنج ندیم

شہزاده سلیم نے وقار و تمکنت میں عرفی کی طرف صرف نگاہیں اٹھائیں لیکن جب وه عرفی سے مخاطب ہوا تو مغرور و خود بین شاعر نے محسوس کیا کہ اس کا سامعہ کوثر کی موجوں میں ڈوب گیا،

بگفت و من بشنودم ہر آنچه گفتن داشت   که در بیاں نگہش کرد بر زبان تقدیم

بہ نسبت گہرم دادہ بودی از کف خویش — ترا ز جود زیانے چنین ہزار افتاد
چو رو شدم ز کفت چرخ خم از ہوا بر بود — بہ گرمی کہ زبانم بزنہیا را افتاد
یکے مقابل خورشید داشت آئینہ ام — بدید کز عرقش موج بر عذار افتاد
چو پیش مشعل مہ برد شب چراغ مرا — بچہرہ گونہ کاہش شمع وار افتاد
ازیں نشاط مگر دست آسمان لرزید — کہ باز در کف خاقان کامگار افتاد
کنوں برشتہ مہرش بدار کز تقدیر — دو بار در کفت این در شاہوار افتاد [۱]

نظیری نیشاپوری کو بھی جہانگیر نے شاہانہ الطاف واکرام سے سرفراز کیا۔ اس کے بارے میں تزک جہانگیری میں لکھتا ہے:

"در فن شعر و شاعری ازمردم قرار دادہ بود" (ص ۹۲)

سنہ ۵ جلوس شاہی میں جہانگیر نے اس کا شہرہ سنکر دربار میں طلب کیا، نظیری نے انوری کے اس قصیدہ پر

باز این چہ جوانی و جمال ست جہاں را

ایک قصیدہ لکھکر پیش کیا۔ جہانگیر نے اس کے صلہ میں ہزار روپیہ، گھوڑا اور خلعت عطا کیا۔ [۲]

جہانگیر نے ایک دفعہ نظیری سے ایک عمارت کے کتبہ کی فرمائش کی۔ اس نے ایک غزل لکھکر پیش کی جس کا مطلع یہ تھا۔

این خاک درت صندل سر گشتہ سراں را — بادہ مژہ جاروب رہت تاجوراں را

۱؎ منقول از شعر العجم حصہ سوم ص ۱۷۹ - ۱۸۰، ۲؎ تزک جہانگیری (ص ۹۲)، شعر العجم حصہ سوم (ص ۱۳۹) میں نظیری کا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

دیانت خان کو بڑی ندامت ہوئی مگر طالب گھر پر آیا تو، ۹ شعروں کا ایک قطعہ فی البدیہہ لکھکر دیانت خان کے پاس بطور معذرت بھیجا، اس کے بعد اعتماد الدولہ نے اس کو دربار میں پیش کیا، جہانگیر بہت لطف محبت سے پیش آیا، رفتہ رفتہ سخن سنج اور سخن فہم بادشاہ طالب کی شاعری کی تشبیہات کی ندرت اور استعارات کی لطافت و نزاکت سے ایسا متاثر ہوا کہ اس کو دربار کا ملک الشعرا بنایا، جس کے بعد اس نے بڑی خوشحالی سے زندگی بسر کی، اس کا معاصر عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی مؤلف میخانہ رقمطراز ہے کہ

وزیر اعظم دار الامان مدار المہامی فرمانروائے ہندوستان اعتماد الدولۃ العلیہ العالیہ .... بعد از اندک ایامی خود باعث از دیاد رشد طالب گردیدہ او را داخل بساط بوسان محفل عظمت و شوکت بادشاہ جہان پناہ آسمان جاہ سلیمان دستگاہ شاہ نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ گردانید، آن منتخب نکتہ سنجان در اندک زمانی جوہر خویش بر فرمان روای دار الامان ہندوستان و شہریار بیجان بخش جہان ستان ظاہر ساخت تا در سنہ ثمان عشرین والف این شہنشاہ گردوں آساس و این بادشاہ جوہر شناس طالب را از امثال و اقران برگزیدہ بخطاب ملک الشعرائی مفتخر و سرفراز گردانید، الحال بدولت این خسرو غریب دوست مسکین نواز و این خورشید ذرہ پرور از ہمہ چیز بے نیاز سر آمد سخنوران و برگزیدۂ نکتہ پروران است" (ص ۳۸۸)

جہانگیر ایک موقع پر طالب سے ناراض ہو گیا، طالب چند روز شرفیابی سے محروم کر دیا گیا، اس کا قصور معاف ہوا تو اس واقعہ کو ایک قصیدہ میں خاص شاعرانہ لطافت و بلاغت کے ساتھ ادا کرتا ہے، جہانگیر کے ساتھ طالب کو جو قلبی لگاؤ تھا، اس کا بھی اندازہ حسب ذیل اشعار سے ہوگا،

اس رباعی کو سنکر جہانگیر خوش ہوا، پھر مولانا شکیبیؔ سے کہا کہ آپ کی ایک اور رباعی مجھکو بہت پسند آئی ہے جو میں نے اپنی بیاض میں اپنے ہاتھ سے لکھ لی ہے۔

نزدیست جہان کہ پرورش باختن است　　نرّادی آن بداوکم ساختن است

دنیا بمثال کعبتین و نرد است　　برداشتنش برائے انداختن است

جہانگیر نے ازراہ قدر دانی مولانا کو دہلی کی صدارت پر فائز کیا، اور اسی شہر میں آخر عمر تک رہے، شکیبی رفت (۱۰۲۲؁ھ) تاریخ وفات ہے، چار ہزار بیت کے ایک دیوان کے علاوہ ایک مثنوی خسرو شیریں بھی یادگار چھوڑی، (میخانہ ص ۲۳)

ملا طفی تبریزی ہندوستان آئے تو جہانگیر ان کے کلام کی لطافت، دلآویزی اور رنگینی سے محظوظ ہوا، اور **موزون الملک** کے خطاب سے سرفراز کیا، اور ندیم خاص بنایا، کچھ دنوں کے بعد ان کو ٹھٹھ کے علاقہ میں بندر لہری کی حکومت تفویض کی، وہاں تین سال رہ کر آگرہ واپس ہوئے، دوسری بار جہانگیر نے ان کو گجرات کے دار الضرب کا داروغہ بنا کر بھیجا ۱۰۲۰؁ء میں وفات پائی، ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے:-

(۱)
ہنوز جام شرابے بنوگلے نزدیم　　نوائے قہقہہ بر صوت بلبلے نزدیم

ہزار فصل گل آرزو رسید و گذشت　　ہنوز بر سر یک آرزو گلے نزدیم

(۲)
ہمین نہ کار من از روزگار تلخ شدہ است　　کہ زندگانیم از ہجر یار تلخ شدہ است

ز روزگار بود تلخکامی ہمہ کس　　ز تلخ کامی من روزگار تلخ شدہ است

(۳)
یکچند پے گردش افلاک شدیم　　یکچند پے دانش و ادراک شدیم

از آمد و رفت خود ہمی فہمیدیم　　خاک بر آمدیم و در خاک شدیم[1]

---

[1] میخانہ ص ۳۹-۵۴۷، و صبح گلشن ص ۳۵۵

جہانگیر نے اس کے صلہ میں تین ہزار بیگھہ زمین انعام دی[1]

حیاتی گیلانی بھی جہانگیر کے دربار سے منسلک رہا، اس کا ذکر گذشتہ باب میں آچکا ہے، آخر عمر تک جہانگیر کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتا رہا، جہانگیر اس کو ہمیشہ سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا، بہت ہی پرگو شاعر تھا، سات ہزار شعر اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، خسرو شیرین کی بحر میں قصہ سلیمان و بلقیس لکھ کر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا، جہانگیر نے خوش ہو کر اس کو سونے میں تلوا کر سونا انعام دیا،[2]

مولانا شکیبی صفاہانی، یہ اپنے شیریں و رنگیں کلام کے لیے مشہور تھے، ہندوستان آئے تو کچھ دنوں عبد الرحیم خانخانان کے دربار میں رہے، پھر مہابت خان کی وساطت سے جہانگیر کے دربار میں پہنچے، اور ایک قصیدہ پیش کیا جس کے تین شعر یہ ہیں:—

فتادہ بر سرہم از ہجوم نقش جباہ — بر آستان جہانگیر شاہ اکبر شاہ

چہ رفعتست تعالی اللہ آستانش را — کہ از بلندی آن پر بریخت مرغ نگاہ

زبسکہ ناصیۂ خویش سودہ اند ملک — نگار خانۂ چین گشتہ خاک آن درگاہ

جہانگیر اس قصیدہ سے محظوظ ہو کر مولانا شکیبی سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا، مولانا شکیبی کو توقع ہوئی کہ جہانگیر کے حضور میں ان کی روز باریابی ہو گی مگر کسی وجہ سے یہ توقع پوری نہیں ہوئی اسلئے کبیدہ خاطر ہو کر ایران واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا. جہانگیر کو جب ان کی اس کبیدگی کی خبر ملی، تو طلب کر کے کہا

مولانا شکیبی بایستی کہ از روزے چند بموجب تخلص خود می شکیبید نہ آنکہ می کبیدید۔"

مولانا نے اس لطف خسروانہ کو ایک رباعی میں قلمبند کر کے بطور معذرت پیش کیا،

گفتی بشکیبی کہ زما کبیدی — یعنی کہ ز قبلۂ دعا کبیدی

حد نیست مرا کہ گویم ایں بہتان است — گویند بسگ کہ از وفا کبیدی

[1] سرو آزاد ص ۴۲،
[2] میخانہ ص ۱۵۳۶،

ہو کر جونپور میں کچھ جاگیر مرحمت کی، جس کے بعد معنوی نے خوشحالی سے زندگی بسر کی۔ اس کی ایک رباعی ہے :۔

سودا بسرم ہمچو پلنگ اندر کوہ　　　غم بر سرِ غم بدل چو سنگ اندر کوہ
دور از وطن خویش بخواری گردم　　　چو شیر بدریا و نہنگ اندر کوہ[۱]

حسن بیگ خاکی، جہانگیر اس کی ذہانت اور وقت نظر کا معترف تھا، شاہانہ نوازش سے سرفراز کر کے اس کو صوبہ بہار کا دیوان بنایا، جہاں اس نے ایک تاریخ عالم بھی لکھی، سنہ ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی،

عشق خوبان و فاکیش ندارد سودی　　　سر آن یار بگردم کہ جفا کیش بود[۲]

حکیم عارف ایگی، نام سراج الدین حسن، تخلص عارف، اپنے وطن ایگ سے کرمان، یزد، کرک اور سیستان ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا تو شہزادہ سلیم کی آستان بوسی کی، اور اس کی شان میں متعدد قصیدے کہے۔ پھر شہزادہ دانیال کے دربار سے وابستہ ہو گیا، جہاں اس کے اچھے دن گذرے، اکبر کا بھی پانچ سال تک وظیفہ خوار رہا، پھر وطن چلا گیا، وہاں سے پانچ سال کے بعد واپس آیا تو کچھ دنوں ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت کے بعد اعتماد الدولہ کے وسیلہ سے پھر جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا، جہانگیر نے شاہانہ لطف و کرم سے نوازا، اور صوبہ بہار میں پانچ سو بگھہ زمین گذران اوقات کے لیے عطا کی، عارف نے جذبۂ تشکر میں ایک قطعہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں :

خدایا تو این شاہ درویش دوست　　　کہ آسایش خلق در ظلِ اوست
بر آرش بر اورنگ شاہی و جاہ　　　بر اوج فلک تا بود مہر و ماہ

۱؎ میخانہ ص۵۳۵۔ ۲؎ ریاض الشعراء

مولانا علی احمد **نشانی** کا ذکر پہلے آچکا ہے، یہ صاحب فن، صاحب سخن اور صاحب دل بھی تھے، ایک بار جہانگیر کے حضور میں محفل سماع گرم تھی کہ ایک مطرب نے یہ بیت پڑھی

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے — من قبلہ راست کردم برسمت کجکلاہے

جہانگیر نے حاضرین سے اس بیت کا مطلب پوچھا، مولانا نشانی پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی، اسی عالم میں رقص کرتے اور تالیاں بجاتے ہوئے شاہی تخت کے پاس پہنچے، اور کہنے لگے، کہ ایک روز جمنا کے کنارے ہندو عورتیں اور مرد غسل کر رہے تھے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اپنی خانقاہ سے امیر خسرو کے ساتھ نکلے، دریا کے کنارے نظر اٹھائی تو یہ مصرع زبان مبارک سے نکلا،

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

امیر خسرو نے یہ مصرع سنا تو مرشد سے فی البدیہہ عرض کیا کہ

من قبلہ راست کردم برسمت کجکلاہی

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے سر مبارک پر اس وقت طاقیہ تھی، وہ تھوڑی سی کج تھی، مولانا نشانی نے اس بیت کی تشریح کرنے میں اپنی کلاہ کو کج کیا، اور وجد کی حالت میں بسمل کی طرح رقص کرتے ہوئے فرش پر گر پڑے، حاضرین کو خیال ہوا کہ مولانا بیہوش ہو گئے ہیں، جہانگیر اپنے استاد کی یہ کیفیت دیکھکر بے چین ہو گیا، غایت اضطراب میں تخت سے اتر کر مولانا کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لیا، اسی کشمکش میں مولانا کی روح مالک حقیقی سے جا ملی،[۱]

عطائی معنوی جونپوری۔ شیخ عبد الکریم عطائی نام اور معنوی تخلص تھا، انشاد شعر میں اس کی قابلیت مسلم تھی، بعض امرا نے اس کو جہانگیر کے دربار میں پیش کیا، اس کی شاعری سے جہانگیر محظوظ

---

[۱] ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

کیا، اور نمایاں جگہ پر بٹھا کر اس سے تازہ کلام سنانے کی فرمایش کی، شیدا نے یہ شعر پڑھا،

چیست دانی بادۂ گلگون مصفا جوہرے حسن را پروردگا عشق را پیغمبرے

شیخ فیروز نے کہا یہ تو رودکی کے شعر سے سرقہ ہے،

عشق را پیمبر ولیکن حسن را آفریدگار توئی

شیدا کچھ برہم ہوا لیکن اس نے ایک دوسرا شعر سنایا،

ز بسکہ کردہ نمت بتدبیر جگر ناخن چو پشت ماہیم از پاے تا بسر ناخن

شیخ فیروز نے اعتراض کیا کہ یہ غیاثا ئی حلوائی کا چربہ ہے،

از بسکہ سینہ کندم ناخن در و نشست چو پشت ماہیست سراپاے سینہ ام

شیدا اور بھی زیادہ چین بجبین ہوا، مگر ایک اور شعر پڑھکر داد چاہی،

بصحرا موفشانی دشت پر سنبل شود بدریا رو بشوی خار ماہی گل شود

مگر شیخ فیروز بولا کہ یہ تو ملا کاتبی کے شعر سے توارد ہے،

گر بدریا افتد از عکس جمال او فروغ خار ماہی آورد در قعر دریا بار گل

شیدا نے چڑھ کر کہا کہ اگر یہی ستم ظریفی ہے تو اس کے مقابلہ کا شعر سناؤ،

ذات تو بود صحیفہ کون کہ کرد از روی ادب مہر خدا بر پشت

شیخ فیروز نے فوراً ہی ہاتفی کا شعر پیش کیا،

نبوت را توی آن نامہ در مشت کہ از تعظیمش آید مہر بر پشت

حاضرین نے قہقہہ لگایا، شیدا نے زچ ہوکر بد کلامی شروع کردی، لیکن اصحاب مجلس پھر مصر ہوئے تو اس نے یہ شعر پڑھا،

زلف او را رشتۂ جان گفتم و گشتم خجل زانکہ این معنی چو زلفش پیش پا افتادہ است

وہ ایک کتاب اندرزنامہ کا مصنف بھی تھا، جس میں شاہنامہ کی بحر میں دو ہزار تین سو اشعار تھے، ایک ساقی نامہ میخانہ میں منقول ہے[۵۱] اس کے ایک قصیدہ کا ذکر پہلے آچکا ہے،

شیدا۔ قبیلہ تکلو سے تعلق رکھتا تھا، اس لیے شیدائے تکلو کے نام سے مشہور ہوا، اس کا خاندان مشہد سے ہندوستان آیا، شیدا کی پیدایش فتح پور (آگرہ) میں ہوئی، اسلیئے ایرانی شعرا اس کو ہندوستانی سمجھتے تھے، جہانگیر کے لشکر میں احدی کی حیثیت سے مامور ہوا، اور دستور کے مطابق اس کو جاگیر اور علوفہ ملتا تھا، دکن کی تسخیر کے سلسلہ میں اس نے عبدالرحیم خانخاناں کی شان میں بھی انوری کے طرز پر قصیدہ کہا، جو مآثر رحیمی جلد سوم (ص۱۴۸۹) میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے، کچھ دنوں شہزادہ شہریار کی ملازمت میں بھی رہا اور آخر میں شاہجہان کے دربار سے وابستہ ہوا، بہت ہی ذہین، پرگو اور ذی علم شاعر تھا، مگر تمام شعرا اس کی خردہ گیری، عیب جوئی اور ہجوگوئی سے عاجز تھے، حتی کہ ملک الشعراء طالب آملی کو بھی اپنے طنز و استہزاء سے نخچیر کیا،

شب و روز مخدوم ما طالبا — پئے جیفہ دنیوی در تگ است
مگر قول پیغمبر آمد بجا — کہ دنیا است مردار طالب سگ است[۵۲]

ارباب سخن شیدا کو زیر کرنے کی فکر میں رہتے، مگر شاید ایک ہی موقع ایسا آیا جب کہ وہ ان سے پسپا ہوا، اس کی دلچسپ تفصیل سے ہم ناظرین کو بھی محظوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ۱۰۲۳ھ میں جہانگیر اجمیر گیا، لشکر کے ساتھ شاہی جلو میں شعرا بھی تھے، ایک روز شیخ فیروز کی قیامگاہ پر تمام اصحاب سخن مثلاً طالب آملی، ملا عطائی جونپوری، انور لاہوری، طفلی فتحپوری وغیرہ جمع ہوئے، شیخ فیروز کو مقبولیت اس لیے حاصل تھی کہ اس کو اساتذہ کے ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے، یہ مجلس جاری تھی کہ شیدا بھی آپہنچا، تمام شعرا نے گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم

---

۵۱ ص۴۲۰-۴۲۱ ۵۲ ید بیضا قلمی نسخہ ص۶۲،

قدردان تھا۔ شہزادگی کے زمانہ میں اس کو معلوم ہوا کہ صدر جہاں مقروض ہیں، تو اس نے وعدہ کیا کہ تخت و تاج کا مالک ہوا تو وہ ان کا سارا قرض ادا کر دیگا، اور ان کی خواہش کے مطابق منصب پیش کریگا، چنانچہ ایسا ہی کیا، چار ہزاری منصب دے کر قنوج کا علاقہ تنخواہ میں عطا کیا۔ صدر جہان نے جہانگیر کی نوازشوں سے فائدہ اٹھا کر خلق اللہ کی بڑی خدمت کی، اور ان کی مدد معاش کے سلسلہ میں بڑی فیاضی دکھائی، چنانچہ آصف خان جعفر نے جہانگیر سے عرض کیا کہ عرش آشیانی (یعنی اکبر) نے جو بخشش پچاس سال میں کی صدر جہاں نے پانچ سال کی صدارت میں کی (مآثر الامراء جلد سوم ص ۳۵۰، ومآثر الکرام جلد دوم ص ۹۳)

مولانا مرزا شکر اللہ شیرازی۔ شیراز، قزوین، عراق اور عرب سے علوم متداولہ حاصل کر کے ہندوستان آئے، نسخ، تعلیق اور علم سیاق میں مہارت تامہ رکھتے تھے، پہلے عبدالرحیم خانخانان کی فیاضیوں سے متمتع ہوئے، پھر جہانگیر کی ملازمت میں آئے، جہانگیر نے انھیں شہزادہ خرم کی ماتحتی میں عہدۂ دیوانی پر مامور کیا، اپنے فرائض منصبی میں بہت کامیاب رہے، پھر اودے پور کی مہم میں کچھ مفید خدمات انجام دینے پر جہانگیر نے ۱۰۲۴ھ میں انھیں افضل خاں کے خطاب سے مشرف کیا، اور اجمیر کا ناظم بنا کر بھیجا۔[۱]

مولانا تقیای شوستری۔ شیراز سے تعلیم کی تکمیل کر کے ہندوستان آئے، ان کے بارے میں مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے،

"مولانا تقیای شوستری طالب علمے بے مثال وقرین ومنشی وشاعرے سخن آفرین است

در اقسام منظومات بغیوری تخلص می فرماید"

جہانگیر نے انھیں صدارت کے منصب سے سرفراز کیا،[۲]

---

[۱] مآثر رحیمی حصہ سوم ص ۱۳۰۰، [۲] ایضاً ص ۱۶۶۲،

شیخ فیروز نے کہا کہ مہمان کی دلآزاری مراد نہیں، لیکن اس مضمون کا ایک شعر پہلے بھی کہا جا چکا ہے،

کس نیا بد مصرعۂ پیچیدۂ زلف کجت　　گرچہ این مضمون ترا در پیش پا افتادہ است

اسی طرح شیدا نے کچھ اور شعر سنائے، تو شیخ فیروز اس کے ہر شعر کا ماخذ بتاتا گیا، بالآخر شیدا پر مہر سکوت لگ گئی، اور باوجود اصرار کے اس نے کوئی اور شعر پڑھنے کی ہمت نہ کی، اور پھر کبھی ایسی مجلس میں شریک نہ ہوا جس میں شیخ فیروز بھی ہوتا، مگر شیخ فیروز کا بیان ہے کہ کشمیر میں ایک روز شیدا اس کے گھر پر آیا، اور پوچھا کہ میرا کوئی شعر بھی قابل ستایش ہے تو فیروز نے کہا ہاں اور وہ شعر یہ ہے:

اے بروے تو کز و آئینہ را چشم نیاز　　شانہ را دست دعا در شب زلف تو دراز

شیدا نے ہاتھ پھیلا کر دعا کی "عمرت دراز باد"[۱] شیدا کا ذکر شاہجہان کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

فضلا: جہانگیر کی قدردانیوں کے سبب اس کے دربار میں علما بھی بکثرت تھے ہم ان میں سے دو چار کا ذکر کرتے ہیں۔

میران صدر جہان پہانی۔ پہلے ذکر آچکا ہے، کہ جہانگیر نے شہزادگی کے زمانہ میں ان سے چہل حدیث پڑھی تھی، ماثر الامرا، جلد سوم (ص ۳۴۸) میں ہے،

"مرد فاضل خوش طبع بود"

اکبر کے زمانہ میں ممالک محروسہ کے صدر تھے، حکیم ہمام کے ساتھ عبداللہ خان اوزبک والی توران کے پاس ایلچی بنا کر بھی بھیجے گئے، وہاں علما سے بڑے معرکے ہوئے، ہر فن میں صدر جہان ان پر غالب رہے، جس سے وہاں کے ارباب علم کو بڑی حیرت ہوئی، وہاں سے واپس ہوئے تو کچھ دنوں کیلئے صدارت کل کی خدمت تفویض کی گئی، اور منصب دو ہزاری بھی عطا ہوا، جہانگیر ان کا

---

[۱] مخزن الغرائب قلمی نسخہ، دار المصنفین ورق ۲۱۶ - ۲۱۵

"الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع لغات را از اشعار علما، قدما مستند آوردہ
درین فن کتاب بے مثل ایں نمی باشد۔"[1]

مولانا شبلی جہانگیر کی اس رائے کی نسبت لکھتے ہیں کہ "فارسی کا ایک محقق اس کتاب کی نسبت اس سے بڑھ کر کیا رائے دے سکتا ہے، فارسی لغت میں جس قدر کتابیں اس وقت تک لکھی گئی تھیں، کسی میں قدماء کے اشعار سے سند لانے کا التزام نہ تھا، اور فرہنگ جہانگیری کا یہی امتیازی وصف ہے۔"[2]

وہ ہندو پنڈتوں اور درویشوں سے اسی فراخدلی اور عقیدتمندی سے ملتا جس طرح علمائے اسلام سے پیش آتا تھا، ۱۲ جلوس میں جب اوجین گیا، تو اسے معلوم ہوا کہ سنیاسی مرتاض جدروپ نامی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک دشوار گذار بھٹ میں رہتا ہے، جس کا طول ساڑھے پانچ گرہ اور عرض ساڑھے تین گرہ تھا، یہ اس قدر تنگ تھا کہ اس میں مشکل سے ایک شیر خوار بچہ سما سکتا تھا، جہانگیر کو اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا، وہاں تک سواری پہنچ نہ سکتی تھی، مگر وہ تین میل پاپیادہ چل کر وہاں پہنچا، اور چھ گھڑی اس کی صحبت میں رہا، اس ملاقات کی نسبت لکھتا ہے:

"الحق کہ وجودش بغایت مغتنم است، در مجلس او محظوظ و مستفید می توان شد، علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد، خوب ورزیدہ، تا شش گھڑی با او صحبت داشتم، سخنان خوب گفت کہ ساخت چنانچہ خیلے در من اثر کرد۔"

اس ملاقات سے وہ سیر نہیں ہوا، پھر گیا، چنانچہ لکھتا ہے:

"باز خاطر را بملاقات گسائیں جدروپ رغبت افزود، بے تکلفانہ بکلبۂ او شتافتہ صحبت

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۰۹۔ [2] مقالات شبلی ج ۴ ص ۱۱۳

مولانا مرزا محمد قاسم گیلانی۔ حدیث اور فقہ کے متبحر عالم تھے، قزوین اور اصفہان میں کچھ دنوں رہنے کے بعد ہندوستان آئے، تو پہلے بیجاپور پہنچ کر دربار عادل شاہی سے وابستہ رہے، سنہ ۱۰۲۴ھ میں برہانپور خاندیس میں شہزادہ پرویز سے ملے، جس نے ان کی بڑی پذیرائی کی، عبدالرحیم خانخانان نے بھی اپنے دربار میں ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، اور نقد جواہرات کے علاوہ بہت سی اور چیزیں بھی ان کی خدمت میں پیش کیں، اور اسی کی وساطت سے جہانگیر کے دربار میں ملازم ہوئے، جہانگیر ان کا سرپرست اور قدردان رہا[۱]

جہانگیر کے عہد کے دوسرے علماء کے نام جو مصنف اقبال نامۂ جہانگیری نے بتائے ہیں، یہ ہیں

ملا روزبہان شیرازی، اعمیٰ اکبری، ملا باقر کشمیری، ملا باقر ٹھٹھی، ملا مقصود علی تبریزی، قاضی نور اللہ، ملا فاضل کابلی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا عبدالمطلب سلطانپوری، ملا عبدالرحمٰن بوہرہ گجراتی، ملا حسن فراغی گجراتی، خواجہ عثمان حصاری، اور ملا محمد جونپوری،[۲]

جہانگیر ہر مذہب و ملت کے علماء سے بہت بے تکلفی کے ساتھ ملتا تھا، اور ان کے متعلق جو رائے ظاہر کرتا تھا، وہ بڑی محققانہ ہوتی تھی، شیخ عبدالحق دہلوی سے ملا، تو لکھتا ہے:

"مدت ہاست کہ در گوشۂ دہلی بہ وضع توکل و تجرید بسر می برد، مرد گرامی ست صحبتش بے ذوق نیست، بہ انواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم"

ان کی تصنیف تذکرۂ اولیائے ہند کے بارے میں رائے ظاہر کرتا ہے:۔

کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند بہ نظر در آمدہ خیلے زحمت کشیدہ،[۳]

میر عضد الدولہ نے جب فرہنگ جہانگیری پیش کی، تو اس کے متعلق جہانگیر لکھتا ہے:

---

[۱] مآثر رحیمی حصہ سوم ص ۳۹، [۲] اقبالنامۂ جہانگیری ص ۳۰۰، [۳] تزک جہانگیری ص ۲۰۴،

روزانہ مغرب کے بعد جہانگیر حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ سے ملاقات کرتا، ان ملاقاتوں میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سرچشمۂ علم وفضل سے اس کے قلب کی جس طرح تطہیر ہوئی وہ خود ان کے مکتوب میں سننے کے قابل ہے، وہ اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ معصومؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں، (بادشاہ کے ساتھ) عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ میں سرمو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے۔ خاصکر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب و ثواب اور رویت و دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا، اور تراویح کے سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا، اور (بادشاہ) بڑی خوشی سے [illegible] ہے اس اثنا میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا، اور قطب، اوتاد ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا ذکر ہوا، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ (بادشاہ) سب کچھ قبول کرتے رہے، اور کوئی ایسا تغیر ظاہر نہ ہوا جو بے مزگی پر دلالت کرے، ان واقعات اور ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت اور راز خفیہ ہوگا۔ الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ لقد جاءت

داشتہ شد. سخنان بلند درمیان آمد حق جل و علیٰ غریب توفیقے کرامت فرمودہ فہم عالی فطرت بلند و مدرک تند، با دانش خداداد و جمع دل آزادہ ساختہ پشت پا بر عالم و مافیہا زدہ در گوشۂ تجرید مستغنی و بے نیاز نشستہ۔"

اوجیپ سے رخصت ہوتے وقت اس کے پاس پھر ملاقات کو گیا، الوداعی ملاقات اس پر شاق گذری، لکھتا ہے:

"باز بملاقات گسائیں رفتہ از و وداع شدم، بے تحمّل جدائی از صحبتِ او بر خاطر حقیقت گزیں گرانی نمود۔"[1]

آخر عمر میں جہانگیر کو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیمیا اثر سے غیر معمولی روحانی اور مذہبی فیوض و برکات حاصل ہوئے، پہلے تو بعض درباری امرا کی فتنہ سامانیوں اور شر انگیزیوں سے حضرت مجدد اعظم سے برگشتہ رہا، حتیٰ کہ مشتعل ہو کر ان کو گوالیار میں محبوس کر دیا، مگر عاشق شریعت رسول کی قید و بند کے زمانہ میں ایک روز جہانگیر نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرما رہے ہیں کہ تم نے ایک بڑے آدمی کو قید کر دیا ہے، جہانگیر نے منفعل ہو کر حضرت شیخ احمد قدس سرہ کی رہائی کا حکم صادر کیا، اور اپنے پاس بلا کر معذرت کی، اور لطف و کرم سے پیش آیا، ان کی ذات اقدس سے جہانگیر کی شیفتگی اور عقیدت اتنی بڑھی کہ اپنے کو زیادہ تر ان ہی کی خدمت بابرکت میں دیکھنا چاہتا تھا، خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"بادشاہ (جہانگیر) از محبان شیخ شد، مجد یکہ گاہی آنجناب را از خود جدا نمی کرد، و شاہزادہ خرم را داخل حلقہ مریدان شیخ نمود، چنانچہ تا عہد شاہجہان و عالمگیر بادشاہان باہمہ علما و وزرا، داخل سلسلہ مجددیہ می شدند" (حصہ اول ص ۶۱۳)

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۸۳

شاہجہان

شاہجہان کی نادرۂ کار تعمیری یادگارین اس کے ذوق کی نفاست اور لطافت کی بیّن دلیل ہین، اس کی تمام تکوینی قوتین فنونِ لطیفہ کی اسی شاخ پر صرف ہوئین، اگر ہم بابر کی ذہنی نقش آرائیان اس کی تزک بابری مین، ہمایون کی تخیل آرائیان اس کے شعروشاعری مین اکبر کی علمی فیاضیان اس کے دربار کی ہنرپرور فضا مین اور جہانگیر کی رنگینیان اس کی تزکِ جہانگیری مین پاتے ہین، تو شاہجہان کے ذہن کی پرکاریان، اس کے تختِ طاؤس، قلعہ معلّٰی اور روضۂ تاج کے نقش ونگار سے عیان ہین، اس لیے یہ امر موجب تعجب نہین کہ اس نے اپنے باپ یا اپنے لڑکون دارا اور اورنگ زیب کی طرح کوئی علمی یادگار نہین چھوڑی، اس کے دماغ کی گل افشانی کاغذ کے صفحات کے بجائے دیوان خاص اور دیوان عام کی دیوارون پر ہوئی، اس کا حسن ذوق علم وادب کے بجائے جامع مسجد دہلی کی تعمیری ندرت ونفاست مین ظاہر ہوا، اس نے محبت کا ترانہ شعروشاعری مین نہین بلکہ تاج مین منظوم کیا،

اس کو بابر، ہمایون اور جہانگیر کی طرح علمی انہماک نہ تھا، اس لیے ان کی طرح کوئی علمی تصنیف نہین چھوڑی، لیکن پھر بھی اسکی کتاب زندگی کا کوئی صفحہ علمی دلچسپیون سے خالی نہین، اس کے دربار کی علمی فضا اور اہلِ علم وسخن کیساتھ اس کی عدیم المثال فیاضیان اور زرپاشیان، پھر دارا شکوہ، جہان آرا، مراد، اور اورنگ زیب کی اعلیٰ تعلیم وتربیت اس کے ذوق سلیم کی شہادت ہے،

وہ جب چار برس، چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو خاندانی روایات کے مطابق پڑھنے

رُسُلُ رَبِّنَا الحق، دوسرے یہ کہ قرآن مجید کو (بادشاہ سے) سورہ عنکبوت تک ختم کرا چکا ہوں، جب رات کو اس مجلس (یعنی شاہی مجلس) سے اٹھ کر آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہوتا ہوں، حفظ قرآن مجید کی یہ اعلیٰ دولت اس پراگندہ حالی میں جو عین جمعیت سے حاصل ہوئی ہے الحمد للہ اولاً و آخراً"۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، نمبر ۴۳)

جہانگیر کے اس تزکیۂ باطنی کے بعد حضرت مجدد اعظمؒ نے اسلامی شریعت کی فلاح و بہبود کے لیے جو چاہا اس سے کرایا،

مشہور ہے کہ جہانگیر اکثر کہتا تھا کہ میرے پاس ایک دستاویز نجات ہے، اور وہ حضرت شیخ کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو ہم تیرے بغیر نہ جائیں گے،

جہانگیر اور کتب خانہ و مدارس جہانگیر ایک شاندار کتب خانہ کا مالک تھا، مکتوب خان اس کا مہتمم تھا، جب وہ سفر میں جاتا تو بھی ایک کتب خانہ ساتھ لیجاتا تھا چنانچہ تزک میں ہے کہ جب وہ گجرات پہنچا تو وہاں کے مشائخ کو اپنے کتب خانہ سے تفسیر حسینی، تفسیر کاشفی اور روضۃ الاحباب نذر کیں،

اس نے مدارس کی تعمیر کا یہ اہتمام رکھا تھا، کہ جب کوئی امیر یا متمول مسافر لاوارث مر جاتا، تو اس کے مال و متاع سے مدارس اور خانقاہیں بنوا تا تھا۔[۱] تاریخ خان جہان میں ہے کہ اس نے ان تمام مدارس کو از سر نو آباد کیا، جو گذشتہ تیس سالوں سے پرندوں اور چوپایوں کے مسکن بنے ہوئے تھے،[۲]

---

[۱] منتخب اللباب خافی خان [۲] تاریخ خان جہان بحوالہ پرموشن آف لرننگ محمڈن ص: ۱۷۵

مشکل ہے لیکن شاہجہان نامہ میں اس کا ایک رقعہ منقول ہے، جو اس نے تخت نشینی کے بعد دست[1]
خاص سے لکھکر آصف خان یمین الدولہ کے پاس بھیجا، رقعہ حسب ذیل ہے:۔

"دانائے رموز سلطنت عظمیٰ، واقف اسرار خلافت کبریٰ، سرخیل یکرنگان وفادار، سلالۂ یکجہتان حق گذار، کارفرمائے سیف وقلم، مدبر امور علم، زبدۂ خوانین عالیشان، قدوۂ امرائے بلند مکان، عضد الخلافت یمین الدولہ، عموی و ازما آصف خان، در امان حضرت ملک منان بودہ بدانند، کہ در چہارم گھڑی روز مبارک دوشنبہ بست و پنجم ماہ بہمن موافق ہشتم جمادی الثانی سنہ ہزار و سی و ہفت ہجری بمبارکی و فیروزی در دار الخلافت اکبرآباد جلوس میمنت مانوس بر تخت سلطنت و سریر خلافت واقع شد، و بدستوری کہ معروض داشتہ بودند، لقب را شہاب الدین قرار دادیم، چنانچہ نام مبارک ما را بعنوان اقبال نشان صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی در خطبہ کہ درین روز بلند آوازہ گردانیدند، درج نمودند، سکہ ہم بہمین نام مبارک زدہ شد"،

للہ الحمد کہ آن نقش کہ خاطر میخواست
آمد آخر زپس پردۂ تقدیر برون

امید داریم کہ اللہ تعالیٰ این بادشاہی کل ہندوستان بہشت نشان را کہ بمحض کرم خود با عنایت نمودہ بر بادشما کہ شریک غالب این دولت ابد مبارک گرداند، و روز بروز فتوحات تازہ و نصرت ہائے بے اندازہ نصیب ما شود و شما ہم بعمر طبعی رسیدہ از دولت ہائے مادولت عظیم یابید، خدمت پرستخان آخر روز جمعہ رسید و عرضداشت شما را گذرانید، و بعرض[2]

---

[2] شاہجہان نامہ از محمد صالح کنبوہ ص ۲۶۲، و بادشاہ نامہ جلد اول از عبدالحمید لاہوری ص ۱۱۱۔ شاہجہان کے بعض اور رقعات بھی نظر سے گذرے، لیکن علمی حیثیت سے وہ بلند نہیں ہیں۔

[1] بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری ج ۱ ص ۱۱۱

کے لیے بٹھایا گیا، قاسم بیگ تبریزی، حکیم دوائی گیلانی، شیخ ابوالخیر (برادر علامی ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے۔ ان باکمال استادوں کی زیر نگرانی شہزادہ خرم نے علوم و فنون کی تکمیل کی، خطاطی میں اس کو بڑی مہارت تھی، محمد صالح کنبوہ لاہوری شاہجہان کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں لکھتا ہے:-

"بسے بر نیاد کہ بتفصیل تحصیل فصول ابواب دانش نموده در جمیع فنون فضائل و دقایق نکتہ فہمی را باعلیٰ درجات کمال رسانید، و در عرض اندک مایہ مدتے بے آنکہ کار بطول کشد، ہیولائے خط نیز صورت درست پذیرفتہ تختہ مشق از ریختہ قلم مشکین رقمش چون صفحۂ رخسارہ نوخطان بحسن خط زینت گرفت"[۱]

ان استادوں میں دوائی گیلانی کی سعی و محنت زیادہ بار آور تھی، چنانچہ شاہجہان کہا کرتا تھا:-

"فی الحقیقت حکیم دوائی آموزگار ماست، و حق تعلیم او بر ما از استادان دیگر بیش است"[۲]

تاتار خان جس کو ترکی لغت کی واقفیت میں اعلیٰ کمال حاصل تھا، شہزادہ کی ترکی زبان کی تعلیم کے لیے مامور تھا،[۳] یوں تو اس نے شروع ہی سے اکبر کی سب سے پہلی بیوی خدیجۃ الزمانی رقیہ سلطان بیگم بنت ہندال مرزا کی نگرانی میں پرورش پائی،[۴] جو خالص ترکی زبان بولا کرتی تھی، مگر شاہجہان کو ترکی بولنے کی کبھی مشق نہیں ہوئی، جہانگیر کہا کرتا تھا، کہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ خرم میں کیا عیب ہے تو میں کہونگا کہ وہ ترکی زبان نہیں جانتا ہے"[۵] وہ ہندوستانی زبان سے بھی واقف تھا،

شاہجہان نے کوئی تصنیف اور نہ رقعات کا مجموعہ چھوڑا، اس لیے اس کی علمی لیاقت کا اندازہ کرنا

---

[۱] عمل صالح موسوم بہ شاہجہان نامہ از محمد صالح کنبوہ جلد اول ص ۱۳ [۲] ایضاً ص ۲۲ [۳] ایضاً ص ۳۲،

[۴] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری جلد ۱ ص ۱ [۵] تزک جہانگیری،

آرد کہ ان افادت وافاضت مرتبت رادرین مسائل مختصر جامع مفیدے کہ مستجمع کلمات حکمات حکما وتاویلات علما، ووجہ تکفیر اسلامیین واقوال ملیین، ومباحثات ومناظرات وشکوک وشبہات وازالات واخراجات واسولہ واجوبہ وغایت تدقیقات ونہایت تحقیقات واصل کلام درہرباب واساس سخن درہرجواب وآن چہ دران ظفر یافتہ باشد وبرہان بران فائدہ شدہ باشد، واحاطہ مسائل متعلقہ بمطلب علم از حصولی وحضوری بودہ وعلم وعین عالم وعین معلوم است، یاغیر، وتعلق آن بجزئیات بوجہ کلی است یابوجہ جزئی، وتحریر آنکہ کلیہ وجزئیہ معلوم، تابع مدرک ویاتابع مدرک است ونسبۃ الواجب جزئی ست یانہ، وبیان آنکہ ادراک تعلقی است، نہ احساسی....... الخ“

ایک صاحب نظر کا خیال ہے کہ یہ جملے شاہجہان کے بتائے ہوئے تھے، چنانچہ عبارت ہذا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”شاہجہان کی علمی قابلیت کا یہ نمونہ ہے، کہ اس نے اس مسئلہ مین جن امور پر رسالہ لکھوانا چاہا ہے، اس کو چند جملون مین ادا کر دیا“ آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ ”سعد اللہ خان کی علمی استعداد تو مشہور ہی ہے، لیکن شاہجہان کی علمی فضیلت بھی اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کچھ کم نہ تھی، ظاہر ہے کہ جو شخص کسی علم وفن سے واقف نہ ہو وہ کیا اس کو سمجھ سکتا ہے[له]“

شاہجہان کی علمی لیاقت کا حال ان حکیمانہ اور عالمانہ باتون سے بھی معلوم ہوتا ہے، جو وہ اپنے درباریوں سے کہا کرتا تھا، عمل صالح جلد اول (ص ۱۵-۱۴-۵۱) مین ہے :

ماہ آذر کی چوتھی تاریخ کو بادشاہ کی محفل مین ہر ملک کے علماء جمع تھے، اور شرکا، اپنے اپنے مبلغ علم کے مطابق ہر فن کے تمام مسائل کے متعلق گفتگو کرتے تھے، بادشاہ جو نہایت حکیم اور محقق تھا ہر مسئلہ مین دخل دیتا تھا، اور ہر قسم کی گفتگو کرتا تھا، یہان تک کہ سلسلۂ سخن ان بادشاہوں اور حکما تک پہنچا جو بادشاہ بھی تھے اور حکیم بھی تھے، اسی

له معارف نمبر ۲ جلد ۱۰،

رسانید، کہ مقرر نمودہ آمد، کہ روز پنجشنبہ بیست ویکم ماہ بہمن از آنجا روانہ شوید و روز جمعہ چہاردہم ماہ اسفندار بملازمت ما مشرف گردید، این معنی چون دلالت بران می نمود کہ زمان دریافت ملازمت نزدیک رسید خوشحال شدیم۔ قرادادین معنی کہ بادشاہزادہائے کامگار برخوردار را ہمراہ بیاورید، وخواجہ ابوالحسن را در لاہور بگذارید مستحسن افتاد، سروپائے کہ در روز مبارک جلوس میمنت مانوس پوشیدہ بودیم برائے آن عمدۂ خلافہ فرستادیم، ہرچند کہ ہرچہ بآن عمو عنایت فرمائیم زیادہ از ان گنجایش دارد، اما بالفعل منصب ہشت ہزاری ذات وہشت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ عنایت نمودیم، وسوائے آن بندر لاہری را بطریق انعام مرحمت فرمودیم، این عنایت ہائے بار شما مبارک باشد،“

اس عبارت مین نہ جہانگیر کی تزک کی رنگینی اور روانی ہے نہ عالمگیر کے رقعات کی سلاست و برجستگی لیکن پھر بھی اس کا کاتب کوئی معمولی استعداد کا آدمی نہین معلوم ہوتا۔

ایک اور فرمان سے اس کی علمی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے، ایک بار کا ذکر ہے کہ شاہجہانی سفرا عراق گئے، تو وہان کے ایک وزیر نے ان سے دریافت کیا کہ امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ مین قدم علم اور نفی علم واجب تعالی کے مسئلہ مین شیخ ابو نصر فارابی اور بو علی سینا کی تکفیر کی ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟ شاہجہانی سفرا ہندوستان اور سلطنت تیموریہ کے علمی ۔۔۔۔ وقار کو قائم رکھنا ضروری سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے شاہجہان کو اطلاع کی، شاہجہان نے اپنے وزیر نواب سعد اللہ خان کو حکم دیا کہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو لکھو کہ اس کے متعلق دس پندرہ دن مین ایک رسالہ لکھکر پیش کرین تاکہ عراق بھیجا جائے، چنانچہ سعد اللہ خان نے ایک فرمان صادر کیا، جس مین لکھا کہ

”کمترین مریدان حکم شد کہ آن فضائل وکمالات دستگاہ سطرے چند بنگارد دبر آن

ہو گی اور ملک میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں ہوا، کہ وہ اگرچہ خلیفۂ برحق اور امام مطلق تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے قول کے موافق حق و صداقت کے ساتھ کام کرتے تھے، تاہم کوئی کام ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا، کیونکہ وہ دین اور دنیا کے کسی کام میں سہل انگاری اور رو و رعایت سے کام نہیں لیتے تھے، اس لیے دنیا کے لوگ جو دین و آخرت کے بالکل مخالف بلکہ سراپا باطل ہیں، اٹھ کھڑے ہوئے، اور فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کیا (عمل صالح جلد دوم ص ۲۳۲)۔

اسی اثنا میں سید جلال بخاری نے شاہجہان کے ایک ارشاد عالی کا حوالہ دیا کہ دنیا دو پاؤں پر قائم ہے، ایک حق دوسرا باطل لیکن سید جلال بخاری نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ حق پر قائم ہو، شاہجہان نے کہا کہ حق و باطل ہر زمانہ میں رہا، اور اس سلسلہ میں یہ تقریر کی :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام کاموں کی بنیاد حق پر تھی، اور تمام ترقیاں اس لیے ہوتی تھیں کہ آپؐ کے وجود کی برکت سے اس زمانہ کے لوگ حق و صداقت پر تھے، اور سب کے دل فطری پاکیزگی اور صفائی کے علاوہ آپؐ کے مواعظ و نصائح سے پاک و صاف ہو گئے تھے، اس لیے حق و صداقت کے سوا کسی چیز کا نقش ان پر قائم نہیں ہو سکتا تھا، اور باطل کے لیے ان میں کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے تمام امور واقعہ کے مطابق حق و صداقت کے ساتھ انجام پاتے تھے، یہی حال خلفائے راشدین کے زمانے کا تھا، کہ جس طرح سورج کے ڈوبنے کے بعد بھی کچھ دیر تک روشنی قائم رہتی ہے، اسی طرح آفتاب نبوت کے ڈوبنے کے بعد بھی خلفائے راشدین کے زمانے کے لوگوں کے دلوں پر بھی غفلت کا زنگ لگنے نہ پایا، لیکن جب رفتہ رفتہ لوگوں کے حالات بدل گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بالکل بعد ہو گیا اور لوگوں کے دل زنگ خوردہ ہو گئے، نوبت یہاں تک

اشارہ ہین یمین الدولہ سکندر کی تعریف اس حد تک کی کہ اتنی طویل مدت مین عقلمندون کے کسی فرد نے اس بادشاہ کے کسی قول وفعل سے گرفت نہیں کی، بادشاہ نے فرمایا کہ چونکہ سکندر فیلقوس رومی کی نبوت ثبوت کے درجہ تک نہین پہونچی ہے، اور محققین ائمہ تاریخ کے قول کے مطابق اسکندر ذوالقرنین دوسرا شخص ہے، اس لیے مجھکو ادب کے ساتھ اس کے قول وفعل پر دو اعتراضات ہیں پہلا یہ کہ دارا کے قاصد کے جواب مین جب اس نے سونے کے دو انڈے مانگے تھے جن کو اس کا باپ فیلقوس ہر سال بطور خراج دیتا تھا تو اس نے کہا کہ

شد آن مرغ کو خایۂ زرین نہاد

اس قسم کی بات اپنے باپ کے متعلق کہنا نہایت بے ادبی ہے، کیونکہ مرغیان نہایت حقیر جانور ہین اور اسی کے ساتھ انڈا دینا ان کی نسوانیت کو مستلزم ہے، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس قاصد کے لباس مین خود شاہ کی مجلس مین جانا دور اندیشی اور احتیاط کے خلاف تھا، اور یہ طریقہ عقلمندون کے طریقہ سے الگ ہے، کیونکہ عقلمند ایسا کام نہین کرتے جس سے ان کو پسپائی ہو، حاضرین مجلس نے ان باتون سے اتفاق کیا،
ایک دوسری مجلس کا تذکرہ بھی ملاحظہ ہو :-

مہینے کی انیسوین تاریخ کو جبکہ تمام حکماء وشعراء دربار مین حاضر تھے، ہر قسم کی گفتگوئین شروع ہوئین، اور اسی سلسلے مین ایک تقریب سے صوبجات کے ایک دیوانی کے عہدہ دار کا ذکر آیا کہ وہ کاروبار اور تمام معاملات مین نہایت سخت گیری سے کام لیتا ہے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ کارگذاری کا یہ مناسب طریقہ نہین، کیونکہ کام مین سخت گیری اور اس کے دائرے مین تنگی کرنے کا انجام یہ ہوگا کہ کامون کے کرنے مین سستی اور کاہلی ظاہر

سے معلوم ہوگا، جو اس نے اپنی بیاض خاص میں لکھ رکھی تھیں،

"رو ندادن بمردم بد، نرنجیدن بعدم حصول مقصد، نرنجانیدن مردم خوب مزاج، و خواستن بکمال احتیاج، صحبت داشتن باہل معاد و جستجو کردن قابلان باستعداد، باز ندادن پیش خود بمردم جہان، دادن بارباب استحقاق بقدر توفیق پیش از سوال، مکرم داشتن اہل فضل معروف نمودن مزاج بعدل میل نکردن باقوال غیر عقائد، بے خبر نبودن از احوال متوکلان بے مکائد، غنیمت داشتن وجود دیگانگان کہ بیگانہ از خلق باشند، پیش داشتن ہمیشہ مصالح امور دنیا وعقبی بودند"

یہ نکات علمی اور عملی حیثیت سے کس قدر سبق آموز ہیں، عالمگیر نے ان کو شاہجہان کی بیاض سے نقل کرکے اپنے فرزند عالیجاہ شاہزادہ معظم کو بطور نصیحت لکھ بھیجا تھا،[1]

شعراء اکبر اور جہانگیر نے شعراء کی سرپرستی میں جو شاہانہ فیاضیاں کیں، ان کے غلغلہ سے ہندوستان اور ایران گونج رہا تھا، ایران سے شعراء ہندوستان امڈے چلے آرہے تھے، اور بقول مولانا شبلی ایران اور ہندوستان ایک مکان کے دو صحن بن گئے تھے، چنانچہ شاہجہان کے دربار میں بھی شعراء کی تعداد بکثرت رہی، وہ اپنی فیاضی و قدردانی میں اکبر اور جہانگیر دونوں سے بازی لے گیا، اس نے شعراء و فضلاء کے ساتھ جود و دہش اور انعام و اکرام کا ثبوت دیا ہے اس کی زرین مثال شاید ہی کسی حکمران خاندان میں پائی جائے گی،

لطف اللہ مہندس[2] نے جو دارا شکوہ کے مقربان خاص میں تھا، شاہجہانی شعراء کے نام مندرجہ ذیل اشعار میں نظم کئے ہیں:-

---

۱؎ وقائع عالمگیری مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی۔ ۲؎ لطف اللہ مہندس کے حالات کے لیے دیکھو مضمون "تاج محل اور لال قلعہ کے معمار" از علامہ سید سلیمان صاحب ندوی، معارف فروری و مارچ، اپریل ۱۹۳۶ء

پہونچی کر سیہ کار ظالموں نے حضرت عثمانؓ ذی النورین کی شمع زندگی کو بجھا دیا، اور اس حالت میں دنیا حق و صداقت پر قائم نہ رہ سکی، اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اقامت حق میں جو ان کا مقصود تھا کامیابی نہ ہو سکی" (عمل صالح جلد دوم صفحہ ۲۲)

شاہجہان شاعر تو نہ تھا، مگر شعر و شاعری سے اس کو غیر معمولی مناسبت تھی، جیسا کہ آیندہ صفحات سے اندازہ ہوگا، جب ہم شعراء کے ساتھ اس کی قدردانی کی تفصیل بیان کریں گے، مگر ایک بار اس نے شہزادہ اورنگ زیب کو ایک رباعی لکھکر اپنی پدرانہ محبت کا جو ثبوت دیا تھا، اس کا یہاں پر ذکر کرنا شاید بے جا نہ ہوگا، اورنگ زیب کی شادی کی تقریب انجام پانے والی تھی، اورنگ زیب دولت آباد سے چل کر دہلی آیا تو نور منزل میں مقیم ہوا، شاہجہان اس مسرت و انبساط کے جشن کے موقع پر غایت اشتیاق میں بیٹے سے جلد از جلد ملنا چاہتا تھا، اس لیے کلیم کی یہ رباعی اپنے ہاتھ سے لکھ بھیجی:

باناختہ پیش از خبر آئی چہ شود	با مژدہ اگر زود در آئی چہ شود
از رود اگر زود تر آئی چہ شود[۱]	زود آمدنت نظر بشوقم دیر است

شاہجہان اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود روزانہ کتابوں کا مطالعہ جاری رکھتا تھا، جب تمام کاموں سے فارغ ہو کر رات کو سونے جاتا، تو اس کے مقربان خاص پردہ کے پیچھے سے کتابیں پڑھتے تھے، جو زیادہ تر انبیاء، اولیاء و سلاطین کی سوانحمریاں اور تاریخیں ہوتیں، وہ ظفرنامہ اور واقعات بابری کو بہت پسند کرتا تھا،[۲]

اس کا گھر خود علم و ادب کا گہوارہ تھا،[۳] اس کے دربار میں علمی شان و شوکت، دیرینہ روایات کے ساتھ قائم رہی، وہ اہل علم و فضل کو کن نظروں سے دیکھا کرتا تھا، یہ ذیل کے پند و نصائح

---

[۱] عمل صالح جلد دوم ص ۳۰۴ [۲] بادشاہ نامہ اول ص ۱۵۰، [۳] شاہجہان کی اولاد کی علم نوازی کا حال ہم تیموری شہزادوں اور شہزادیوں کے علمی ذوق کے سلسلے میں لکھیں گے،

قدسی کو انعام میں دیدیں۔[۱] ۱۰۴۲ھ میں قدسی شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ایک قصیدہ کہا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

اے قلم برخود ببال از شادی و بگشا زبان   در ثنای قبلۂ اقبال خاقان زمان

جوہر اول شہاب الدین محمد کز ازل   از برای خدمتش زد چرخ دامن بر میان

اختر برج کرامت مظہر لطف الٰہ   جوہر تیغ شجاعت مصدر امن و امان

آنکہ از آغاز فطرت بستہ شہباز ظفر   چو عقاب تیر بر شاخ کمانش آشیان

گر مخالف ور موافق از ولایش دم زنند   با بد و نیک است چون خورشید گرم و مہربان

سرمۂ چشم غزالان سازد از داغ پلنگ   سازگاریہای عدلش چو نہد پا در میان

شہرت آثار عدلش زود بر خواہد گرفت   تہمت زنجیر عدل از گردن نوشیروان

خوش نشست از نقش پایش نقش ہفت اقلیم را   ربع مسکون گو دگر بنشین بعیش جاودان

آفتابی اینچنین طالع نشد در ہیچ قرن   از زمان حضرت صاحبقران تا این زمان

حبذا دولت کہ بیند با تو خود را در رکاب   مرحبا نصرت کہ باشد با تو دائم ہمعنان[۲]

مرآۃ الخیال کے مؤلف کی روایت ہے کہ اس قصیدہ کے صلہ میں شاہجہان نے قدسی کے منہ کو سات دفعہ جواہرات سے بھرا، اصل عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

"چند روز کے بعد (یعنی عبد اللہ خان سے انعام پانے کے چند دن کے بعد) محمد جان نے صاحبقران ثانی کی مدح میں اور بھی زیادہ رنگین قصیدہ کہکر سنایا، بادشاہ عبد اللہ خان کی بخشش کا حال سن چکا تھا، اس نے کہا کہ حاجی! عبد اللہ خان نے تم کو جو انعام دیا ہے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا ہے لیکن اس نے جواہرات کی مختلف قسمیں طلب کیں،

۱؎ مرآۃ الخیال ص ۱۳۷ ۲؎ عمل صالح ج ۲ ص ۹ - ۳۰۸،

وحید دہر امانی بن مہابت خان — ولے بجان زمان ہست شہرۂ دوران
دگر یگانہ ظفر خان تخلص احسن — ربودہ گوے سخن از سخنوران دفن
دگر وحید زمن آشنا عنایت خان — بود بحر سخن آشنا عنایت خان
دگر وحید زمن شادمان غم پرور — بیان شادی و غم در کلام او مضمر
دگر سخنور کشمیر محسن فانی است — بقاے نام وے از دولت سخندانی است
مہ سپہر سیادت یگانہ میر عماد — کہ بود در غزل و مدح و مثنوی استاد
لبیب عصر محمد حسین آشوب است — سخنورے کہ سخنہاش جملہ مرغوب است
دگر وحید زمان ہست طالبائے کلیم — کہ شعر او ید بیضا است نزد طبع سلیم
دگر فرید جہان قدسی محمد خان — بعہد شاہجہان گو ربودہ از اقران
الہی ہمدانی است در سخن استاد — سخنورے است کہ داد سخنوری می داد
لبیب از منہ امی نخواندہ ہیچ کتاب — ز فیض حق شدہ مفتوح بر رخش صد باب
دگر وحید زمن باقیا ترانہ او — خوش است ہمچو غزلہاے عاشقانہ او
فصیح از منہ فتحا کہ چو غزل می گفت — چو عندلیب غزلخوان در دگر می گفت

اس چمنستان شعرا کا گل سرسبد حاجی محمد جان قدسی تھا، جس کو تمام انواع سخن پر قدرت حاصل تھی، مشہد کا رہنے والا تھا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تعلیم پاکر ہندوستان آیا، خواجہ عبداللہ خان زخمی کی مدح میں، جو ہفت ہزاری منصب کا شاہجہانی امیر تھا، ایک قصیدہ کہا، عبداللہ سفر میں تھا، قدسی نے قصیدہ پڑھا، تو عبداللہ خان اس قدر متاثر اور محظوظ ہوا کہ اپنی مسند سے اٹھ گیا، اور قدسی کو اپنی جگہ پر بٹھایا، پھر باہر نکل کر اپنا خیمہ اور اس کے تمام متعلقات اور لشکر کی تمام چیزیں

لہ دیکھو مضمون ہذا و فہرست کتب خانہ شاہ اودھ از ڈاکٹر اسپرنگر ص ۱۱

کے دربار مین ملک الشعراء طالب آملی کے مقابلہ مین اگرچہ اسکو فروغ حاصل نہ ہوسکا لیکن شاہجہان کے عہد مین کلیم کا کلام شعلۂ طور بن کر چمکا، اس کے اشعار کے حسن تعلیل، خیال بندی، ترکیبون کے سلجھاؤ، روزمرہ کی صفائی، محاورات کی برجستگی، شستگی اور روانی سے اس عہد کی شاعری جگمگا اٹھی، اسی لیے شاہجہان کے دربار سے اس کو ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۱۰۴۲ھ مین جب شاہجہان نے ایک کرور روپیہ کی لاگت سے تخت طاؤس تیار کرایا، اور آگرہ مین جشن نوروز کے موقع پر اس پر جلوس کی رسم ادا کی تو دربار کے شعراء نے اس تقریب مین قصائد کہہ کر اپنی لیاقت و ذہانت کا ثبوت دیا، کلیم نے بھی ایک قصیدہ کہا جس کے جستہ جستہ اشعار ملاحظہ ہون،

خجستہ مقدمہ نوروز و غرہ شوال ‍ ‍ ‍ فشاندہ اند گل عیش بر سر مہ و سال
بچشم مردم دار الخلافہ عید نویست ‍ ‍ ‍ غبار موکب شاہجہان جہان جلال
شرف پذیرد و نوروز در چنین عیدی ‍ ‍ ‍ کہ بادشاہ نشیند بہ تخت استقلال
بوصف تخت مرصع گہر فشان گشتم ‍ ‍ ‍ خدا نصیب کند عمر خضر و طول مقال
ہزار سیلان یاقوت و صد بدخشان لعل ‍ ‍ ‍ برو نمائی گرفت است تا نمود جمال
توان ز آتش یاقوت آن چراغ افروخت ‍ ‍ ‍ کہ نے ز باد رسد آفتش نہ ز آب زلال
فتادہ پرتو یاقوت و لعل بر الماس ‍ ‍ ‍ چنانچہ عکس چراغان فتد در آب زلال
زمردینش تازہ تر ز سبزۂ نو ‍ ‍ ‍ کہ اجتماع نقیضین را شمردہ محال
طلاے تخت شدی آب ز آتش یاقوت ‍ ‍ ‍ اگر نہ قطرہ فشانی می شدی زلال لال
بماند ار دو دیگر ہر انچہ خواہی ہست ‍ ‍ ‍ ز شان و شوکت و فر و شکوہ و حسن و جمال

شاہجہان کو یہ قصیدہ اس قدر پسند آیا کہ کلیم کو اس کے صلہ مین روپے کے برابر تلوایا جو ۵۵۰۰ وزن مین آئے، اور اس کو عطا کیے، ۱۰۴۳ھ مین جشن وزن شمسی کے موقع پر شاہی خزانہ سے کلیم کو کچھ

۱؎ بادشاہنامہ حصہ دوم ص ۹۰ و عمل صالح ج ۲ ص ۱۰۰

اور حکم دیا کہ اس کا (یعنی قدسی کا) منہ سات باران موتیون سے پر کیا جائے، سامنے سونے کا طشت رکھا ہوا تھا، قدسی کا منہ بھر جاتا تو اس طشت میں موتیوں کو گرا دیتا تھا (۵۱)

اس قصیدہ کے بعد شاہجہان نے قدسی کو اپنے دربار سے منسلک کر لیا، جہان سے اس کو روزانہ وظیفہ ملتا تھا، اور جب اس نے دربار مین اپنی شاعری و نکتہ سنجی کا سکہ بٹھا دیا، تو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، ۱۰۴۵ھ مین اس نے جشن نوروز کے موقع پر ایک قصیدہ لکھا جس کو شاہجہان نے بہت پسند کیا، انعام مین اس کو روپے مین تلوایا، جو وزن مین پانچ ہزار پانچ سو تھے[۵۲] ۱۰۴۹ھ مین قدسی کو کچھ اشعار کے صلہ میں سو اشرفیان مرحمت ہوئین، جہان آرا بیگم کی صحت یابی کے موقع پر قدسی نے ایک قصیدہ کہا تو شاہجہان نے دو ہزار روپے عطا کئے[۵۳] جہان آرا بیگم کے جلنے کے موقع پر قدسی نے ایک رباعی لکھکر گذرانی، اس کی آخری بیت یہ ہے (کلمات الشعراء)

پروانہ زعشق شمع واسوختہ است	تا سر زدہ از شمع چنین بے ادبی

قدسی کا انتقال ۱۰۵۶ھ میں ہوا، طالب کلیم نے ایک مرثیہ لکھا جس کے ایک ترکیب بند سے تاریخ نکلتی ہے، ع دو رازان بلبل قدسی جہنم زندان شد،

قدسی نے ایک مثنوی "تعریف کشمیر و صعوبت راہ" بھی لکھی، (کلمات الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

قدسی کا مد مقابل ابو طالب کلیم تھا، کلیم کاشان کا رہنے والا تھا، جہانگیر کے عہد حکومت مین ہندوستان آیا، لیکن ۱۰۲۸ھ مین وطن واپس چلا گیا، پھر ہندوستان آیا، جہانگیر

---

۵۱ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۱۴۲، ۵۲ عمل صالح حصہ دوم ص ۱۸ ام، سرو آزاد (ص ۶۲) مین ہے کہ قدسی بادشاہ نامۂ صاحبقرانی بنظم اوردہ"۔ تذکرۂ سرخوش مین ہے کہ "ظفر نامہ شاہجہان با حسن وجوہ وطرز دلخواہ بفصاحت و بلاغت تمام ادا کردہ"

مین صرف کرتا تھا، مگر بقول مولانا شبلی کلیم کا اصلی کمال غزل گوئی ہے[۱]، اس کا خاص رنگ مضمون بندی اور خیال آفرینی ہے، اس کا ہر شعر قوت تخیل کا ایک منظر ہے، جب اس کا انتقال ہوا تو غنی کشمیری نے تاریخ وفات یہ کہی

گفت تاریخ وفات او غنی ۔۔۔ طور معنی بود روشن از کلیم
۱۰۶۱ھ

کلیم نے بہت سی مثنویان بھی لکھین، تعریف اکبر آباد، قحط دکن، صعوبت دکن کے علاوہ ایک مثنوی بادشاہ نامہ بھی نظمبند کی، جس مین عہد شاہجہانی کے ۱۰۴۶ھ تک کے حالات ہین، یہ شاید قدسی کی مثنوی ظفرنامہ شاہجہانی کے تتبع مین لکھی گئی جس مین ۱۰۴۰ھ تک کے واقعات ہین،

(بقیہ حاشیہ) بعہد عدل او واپس ستاند ۔۔۔ چمن از خاک زرہاے خزان را

کفش پرداخت کان گوہر و زر ۔۔۔ فلک برچید آخر این دکان را

درون شیشۂ افلاک بیند ۔۔۔ لبان سے فضاے آسمان را

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] مراۃ الخیال ص ۱۰۹-۱۱۲) مین کلیم کی کچھ منتخب غزلین منقول ہین، ان مین سے ایک ہم بھی ناظرین کی ضیافت کے لیے پیش کرتے ہیں،

پیری رسید و مستی طبع جوان گذشت ۔۔۔ ضعف تن از تحمل رطل گران گذشت

وضع زمانہ قابل دیدن دوبار نیست ۔۔۔ رو پس نکرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت

در راہ عشق گریہ متاع اثر نداشت ۔۔۔ صد بار از کنار من این کاروان گذشت

طبعی بہم رسان کہ بسازی بعالمی ۔۔۔ یا ہمتی کہ از سر عالم توان گذشت

در کیش ما تجرد عنقا تمام نیست ۔۔۔ در قید نام ماند اگر از نشان گذشت

بدنامی حیات دو روزی نبود بیش ۔۔۔ آنہم کلیم با تو بگویم چسان گذشت

یک روز صرف بستن دل شد باین و آن ۔۔۔ روز دگر بکندن دل زین و آن گذشت

اشعار کے صلہ مین ایک ہزار روپے ملے، ۱۰۴۹ھ مین کلیم شاہجہان کے ساتھ کشمیر گیا، اس جگہ کی دلآویزیون اور رنگینیون کو دیکھ کر فریفتہ ہوگیا، بادشاہ سے وہان قیام کی اجازت چاہی، جو منظور ہوئی، یہین بیٹھکر شاہی فتوحات منظوم کرتا تھا، جس کے لیے کلیم کو سالانہ وظیفہ ملتا تھا، ۱۰۵۵ھ مین شاہجہان پھر کشمیر گیا، تو کلیم نے تہنیت کا قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس کے انعام مین خلعت اور دو سو اشرفیان پائین، شاہجہان جب واپس ہونے لگا، تو کلیم نے پھر ایک قصیدہ کہا، اور دو سو اشرفیان پھر انعام مین ملین[1]، کلمات الشعراء، مؤلفہ سرخوش مین ہے کہ قیصر روم نے شاہجہان کو خط لکھ کر یہ اعتراض کیا کہ صرف ہندوستان کا بادشاہ ہوکر شاہجہان کا لقب اختیار کرنا صحیح نہیں، اس اعتراض پر شاہجہان بھی کچھ پریشان ہوا، اور یمین الدولہ سے اپنے لقب کو بدلنے کے لیے مشورہ کرنے والا تھا، کہ کلیم نے ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس مین لقب کی یہ توجیہ کی،

ہند و جہان ز روی عدد ہر دو چون یکیست　　شہ را خطاب شاہ جہانی مبرہن است[2]

شاہجہان نے خوش ہوکر روپے مین اس کو تلوا دیا،

کلیم نے بہت سے قصائد کہے[3]، ان قصائد مین طبیعت کا اصلی زور تشبیب خصوصاً بہاریہ تمہید

---

[1] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۴۹۶، نیز شعر العجم حصہ سوم، مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۸۔ [2] یہ شعر اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے

ہند و جہان ز روے عدد چون برابر است　　بر شہ خطاب شاہجہان زان مقرر است

[3] مولانا شبلی شعر العجم حصہ سوم (ص ۲۱۶) مین اس کے ایک قصیدہ کا کچھ حصہ نقل کرتے ہین، جو شاید شاہجہان ہی کی شان مین کہا گیا تھا، اس کی جدت آفرینیان ملاحظہ ہون

بعہدش آنچنان در خواب امن است　　کہ بادپا سبانے پاسبان را

بجلکش راہ زن مانند جادہ　　بمنزل میرساند کاروان را

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۳)

بھی اس کا بڑا قدردان تھا، ارباب علم کے ساتھ اس کی فیاضی مشہور تھی، مآثرالامرا، جلد ۲ (ص ۷۶۱)، مین ہے،

"ظفرخان ایرانیون کو بکثرت روپے دیتا تھا خصوصاً شعرا کے ساتھ خوب بذل وکرم کرتا، صاحب استعداد شعرا، اپنے وطن سے دل برداشتہ اس کی بارگاہین پہنچتے، اور جن احسانات کی توقعات کے ساتھ آتے، وہ پوری ہوتین، افصح المتاخرین مرزا صائب تبریزی ایران سے کابل آیا تو اس کی (یعنی ظفرخان کی) گرمجوشی اور فیاضی سے اس کی صحبت مین اس کی دلبستگی ایسی ہوئی کہ مدتون ظفرخان کے ساتھ ہندوستان مین رہا، چنانچہ کہتا ہے"

خانِ خانان را بہ بزم ورزم صائب دیدہ ام
درسخا در شجاعت چون ظفرخان تو نیست

ظفرخان کے ذوق شاعری کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ وہ اپنے عہد کے تمام شعرا مثلاً صائب، کلیم، قدسی، سیدای زرگری، سالک یزدی، سالک قزوینی، دانش اور میرصیدی وغیرہ کے کلام کو ایک بیاض مین ہرایک کے دست خاص سے لکھوایا تھا، اور ہرایک کی تصویر اس کے ساتھ منسلک کرائی تھی[۱]، وہ خود بھی صاحب دیوان تھا، میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اس کے دیوان سے مآثرالکرام جلد دوم (ص ۹۶) مین حسب ذیل اشعار منتخب کئے ہین:

دلم بکوے تو امید وار می آید — نگاہ دار کہ روزے بکار می آید
درگوشۂ میخانہ ہمین گفت وشنید است — بیاران برسانید دماغ شب عید است
دربتان ہند چون او دلبر خود کام نیست — رام رامم گرچہ می گوید ولیکن رام نیست

[۱] مآثرالامرا جلد دوم ص ۷۶۱ و مجمع النفایس

کلیم کو شاہ جہاں کی فرمائش پر شعر کہنے کی قدرت اتنی حاصل تھی کہ اس نے شاہی تخت مرصع، شاہی سپر، شاہی شمشیر اور شاہی قلمدان پر اشعار کہے، شاہ جہاں نے اپنی ہر چیز پر اس کے اشعار کندہ کرا دیے تھے۔ (کلمات الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

ظفر خان احسن کو شاہ جہانی عہد کا عبدالرحیم خانخانان سمجھنا چاہیے، مجمع النفائس میں ہے [۱]

"بعد از عبدالرحیم خانخانان مثل او از امرائے ہند بہ نشان ندارد"

نام اصلی احسن اللہ، تخلص احسن اور ظفر خان خطاب تھا، اس کا باپ خواجہ ابوالحسن تربتی خراسان سے اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آیا، شہزادہ دانیال کا وزیر اور دکن کا دیوان مقرر ہوا، جہانگیر کے زمانہ میں پہلے میر بخشی پھر دیوان کل کے عہدہ پر مامور ہوا، اور پنج ہزاری منصب سے سرفراز کیا گیا، کابل کا حاکم بھی مقرر ہوا، شاہجہان کے زمانہ میں شش ہزاری و شش ہزار سوار کا منصب اور کشمیر کا علاقہ عطا ہوا، اس کے مرنے کے بعد احسن اللہ شاہانہ عنایت سے مستفیض ہوا، جہانگیر کے زمانہ ہی میں وہ باپ کی جگہ کابل کا حاکم، اور ظفر خان کے خطاب سے سرفراز کیا جا چکا تھا، شاہجہان نے خواجہ ابوالحسن کی زندگی ہی میں ظفر خان کو کشمیر کی حکومت تفویض کی، جہاں سے اس نے تبت پر فوج کشی کی، کچھ دنوں ٹھٹھہ کا بھی حاکم رہا، وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، مرزا صائب سے مشق سخن کرتا ..... رفتہ رفتہ اس کا ذوق اتنا بڑھا کہ خود مرزا صائب اس کی سخندانی کا مداح ہوگیا، وہ جب صائب کے کلام پر نکتہ چینی کرتا تو خود صائب اس کی داد دیتا، چنانچہ صائب ظفر خان کو مخاطب کرکے ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

توجان زدخلِ بجا مصرع مرا دادی تو از فصاحت وادی خطاب سحبانم

صائب کو ظفر خان کی مداحی پر فخر تھا، اس کی شان میں بہت سے قصائد کہے، ظفر خان

---

[۱] مجمع النفائس قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

بڑی قدرت تھی، آشنا تخلص کرتا تھا، سنا ہے کہ دو سال ہوئے اسکا انتقال ہوگیا ہے"

یہ لکھکر آشنا کی رباعیان اور اشعار بھی نقل کئے ہین، مثلاً شاہی آئینہ خانہ کی تعریف مین وہ کہتا ہے:

حبذا این نشیمنِ والا | کہ بود رشک عالم بالا
دل ز کلفت بردہ حسن دلجویش | طاق آئینہ چشم و ابرویش
کردہ بنای این نکو منزل | از یک آئینہ اش تمام چو دل

ایک غزل کے دو شعر ملاحظہ ہون:

چشم آن لحظہ کہ در ہجر تو بیمار شود | خاربشت مژدہ ام غیرت گلزار شود
عقل ناچار کشد زحمت زآلایش نفس | دایہ پرہیز کند طفل چو بیمار شود

ایک رباعی بھی سننے کے قابل ہے:

کم ظرف ز عشق خرمن ہستی سوخت | بر حوصلہ نور زندگانی افروخت
کاہید خرد ز عشق و افزود جنون | از باد چراغ مرد و آتش افروخت[1]

کشمیر پر ایک مثنوی بھی لکھی[2]، ایک ساقی نامہ بھی اس کی طرف منسوب ہے، وہ جب شاہی کتب خانہ کا نگران تھا، تو عبدالحمید لاہوری اور محمد امین قزوینی کی تاریخون کا ایک ملخص تیار کیا، جس مین شاہجہانی عہد کے پہلے تیس سال کے حالات تھے[3]، الیٹ نے شاہجہان نامہ کے نام سے اس کے اقتباسات جلد ہفتم مین دیے ہین،

جہانگیری عہد کے جلیل القدر امیر اور شاہجہان کے مربی مہابت خان سپہ سالار کا لڑکا

۱؎ تذکرہ نصرآبادی ص ۵۹-۶۰ ۲؎ فہرست کتبخانہ شاہ اودھ ص ۲۳۹ ۳؎ برٹش میوزیم کیٹلاگ، فارسی مخطوطات جلد اول ص ۲۶۰

شادم بدل شکستگی خود کہ پیش من — قدر دل شکستہ چو زلف شکستہ است

گوشۂ چشمی اگر ساقی بما دارد بجاست — عمرہا در گوشۂ میخانہ خدمت کردہ ام

ظفرخان نے دو مثنویاں بھی لکھیں، ایک لاہور، پنجاب، کشمیر اور آگرہ وغیرہ کی تعریف میں تھی، دوسری مثنوی کا نام میخانۂ راز تھا،[1]

مرزا محمد طاہر **آشنا**۔ ظفرخان کا لڑکا تھا، اس کی ماں بزرگ خانم ممتاز محل کی بڑی بہن ملکہ بانو کی لڑکی تھی، شاہ جہان نے اس کو بہت ہی کم عمری میں یعنی جب وہ صرف سات سال کا تھا منصب عطا کیا، اور جب سن شعور کو پہنچا تو ہزار و پانصدی کے منصب پر مامور ہوا، اور اسی کے ساتھ "داروغہ حضور" بنایا گیا، یہ عہدہ صرف خاندان کے معتبر اراکین کیلئے مخصوص ہوتا تھا، شاہجہانی عہد کے آخر میں وہ شاہی کتب خانہ کا داروغہ مقرر ہوا، شاہجہان نے اس کو ہمیشہ اپنا ندیم خاص بنا کر رکھا، آشنا نے اپنی عمر کا آخری حصہ کشمیر میں گذارا، عالمگیر کے زمانہ میں اس کو چوبیس ہزار روپے سالانہ کا وظیفہ ملتا تھا، باپ سے شعر و شاعری کا ذوق وراثت میں پایا تھا، مآثر الامراء میں ہے:

"در معنی بندی و سخن سنجی استاد است، صاحب مثنوی و دیوان"[2]

تذکرہ نصرآبادی کا مولف رقمطراز ہے:

"بڑا سمجھدار جوان تھا، لیکن طبیعت میں شوخی تھی، اپنے دوستوں مثلاً ابوطالب کلیم اور دوسرے شعراء کو اپنے گھر میں بلاتا، اور کھانے کی چیزوں میں نشہ آور چیزیں ملا دیتا، ...... مجھ پر بھی وہ مہربان تھا، اور اس سے غائبانہ ملاقات تھی، کئی بار خط بھی لکھا، اپنا دیوان، خسرو کی غزلیات اور دوسری کتابیں بھی میرے پاس بھیجیں، شاعری میں اس کو

---

[1] فہرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۲۲۶۔ [2] مآثر الامراء جلد دوم ص ۶۶۲۔

سے مالا مال کرتا رہتا تھا[1]، جب تخت طاؤس تیار ہوا تو قدسی، کلیم اور دوسرے درباری شعراء کے ساتھ شادمان نے بھی ایک قصیدہ کہا جو پسند کیا گیا، اور وہ یہ ہے:

صبحدم کز فیض گشتم ہمنشین آفتاب — نقش نام شاہ دیدم در نگین آفتاب
شاہ دین پرور شہاب الدین محمد بادشاہ — ثانی صاحب قران مد قرین آفتاب
تا قرین آفتابش گفتہ ام ہستم خجل — زانکہ باشد سایۂ حق برترین آفتاب
معجز وصف سریرش بین کہ میکارم بذوق — تخم گلہاے مدیحش در زمین آفتاب
تخت شاہنشاہ ما از آب گہر پیدا کند — موج دریاے خجالت بر جبین آفتاب
صفحۂ اشعار من از وصف تخت بادشاہ — چون ید بیضا بود در آستین آفتاب
روے اورنگ شہنشہ زآب و تاب لعل و در — خیرگی بخشد بچشم دوربین آفتاب
خوبی اعجاز مدح شاہ را نازم کہ ساخت — از بلندی معنی من دلنشین آفتاب
شادمان ظل شہنشہ بر جہان پاینده باد — تا بود رخش فلک در زیر زین آفتاب[2]

شیخ محمد محسن فانی کشمیری ملا طاہر غنی کشمیری کے استاد تھے، جو ان کے علمی کمالات کی بہت بڑی دلیل ہے، مراۃ الخیال میں ہے

"سالک مسالک نکتہ دانی شیخ محسن فانی فاضل متبحر و صاحب جاہ و پاکیزہ روزگار وخوش گو و خوش صحبت بودہ"۔ (ص ۲۵۲)۔

ید بیضا میں آزاد بلگرامی لکھتے ہیں

از اہالی کشمیر است، درویشی صوفی مشرب صاحب ذوق بودہ، غنی کشمیری بخدمت وی

---

[1] مراۃ الخیال ۲۵۱ میں ہے: شادمان باوجود لکنت زبان طبعی بغایت چالاک داشت و صاحب قران ثانی بانگرش بحوادر سرخوش بودہ مورد انعامات فاخرہ میگردانند۔ [2] ایضاً ۲۵۱

مرزا امان اللہ بھی صاحب علم اور صاحب سخن تھا ۔ امانی تخلص کرتا تھا، جہانگیر کے زمانہ میں اس کو سہ ہزاری منصب اور خانہ زاد خان کا خطاب ملا، شاہجہان نے اس کو پنجہزار سوار کا منصب اور خان زمان کا خطاب عنایت کیا، مختلف اوقات میں وہ کابل، بنگالہ، مالوہ اور دکن کا صوبیدار رہا، شجاعت و سپہگری کے علاوہ علوم و فنون کی سرپرستی کے لیے بھی مشہور تھا، اس کی کئی تصنیف تھیں، تاریخ سلاطین عالم، مجموعۂ گنج بادآورد، اور ایک دیوان تھا[۱]، اس کی سخن سنجی کی داد تذکرہ نگاروں نے دی ہے، تذکرہ نصرآبادی میں ہے (ص ۵۹)

"شورش خالی از لطفی نیست۔"

آزاد بلگرامی ید بیضا میں لکھتے ہیں:

"در وادی شعر نہایت خوش سلیقہ است۔"

مرزا محمد طاہر نصرآبادی نے اس کے جو اشعار پسند کئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

بر دور جام ما بنویسید نام او | تا نام ما بدور بماند ز جام ما
دوران اگر بکام نگردید گو مگرد | این بس کہ دور جام بگردد بکام ما

ہر نفس از گریہ می شوئیم دل افسردہ را | شست شو از آب حیوان می دہم این مردہ را

(رباعی)

بیگانہ خویشم آشنائی خواہم | در پہلوی عندلیب جائی خواہم
چون غنچہ جیای شگفتن شدہ ام | تحریک نسیمی از صبا می خواہم

سلطان شادمان۔ پنجاب اور حسن ابدال کے درمیان بسنے والی قوم گکھر کے حکمران خاندان کی نسل سے تھا، مرأة الخیال کا مصنف اس کو ایک "عالی فطرت" اور "نیکو بیان" شاعر کہتا ہے، اس کی زبان میں لکنت تھی، مگر شاہ جہان کو اس کا کلام بہت پسند تھا، اسی وجہ سے اس کو انعام و اکرام

[۱] مآثر الامراء، جلد اول ص ۷۴۴،

چلنیہ می گیرد چو نرگس دست گلچین را بزر	لالہ می بندد حنا چون گل بپای باغبان
گل ز شبنم ہار چنبیلی بگردن افگند	تا تواند شد حریف شاہد ہندوستان
باغ و صحرا سبز شد از فیض ابر نوبہار	شد ہمہ صحن زمین ہمرنگ بام آسمان
چشم نرگس از سواد ہند روشن می شود	در گلستان لالہ از سرمہ پر شد سرمہ دان
گرچہ گلہا ہم غزلہا خواندہ در وصف بہار	لیک نبود در چمن چون سبزہ کس رطب اللسان
بسکہ سوسن می کند بادہ زبان وصف چمن	دور نبود گر ز حیرت غنچہ را وا شد دہان
تا لب جو سبز شد از فیض ابر نوبہار	جدول زنگار دارد صفحۂ آب روان
سیم و زر دامن می گیرد ز چنبیلی و بیل	نرگس از بہر نثار ثانی صاحبقران
بادشاہ قدردان شاہ جہان گر فیض او	گوشۂ باغ جہان شد رشک گلزار جنان
از ہوای کرم در ہندوستانش پاک نیست	بر سرش سایۂ بال ہما شد سایبان
نیست تنہا بردبار وقار او زمین	بستہ گردون ہم کمر در خدمتش از کہکشان
جزیہ از کافر گرفتن پیش او چون فرض بود	ہمت از حاتم گرفت و عدل از نوشیروان
ہیچ کس از سفرۂ احسان او بے بہرہ نیست	شد ز دود مطبخش آباد چندین دودمان
در زمان دولتش نبود عدو ہم بے نصیب	می کشد در چشم دشمن سرمہ از میل سنان[1]

شیخ فانی نے ایک مثنوی مصدر الآثار بھی لکھی۔ اس کا آغاز اس شعر سے کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم	تازہ نہالے است ز باغ قدیم[2]

محمد حسین آشوب کے بارہ میں غلام علی آزاد بلگرامی صرف اتنا لکھتے ہیں کہ ماژندران سے آکر ظفر خان احسن کے دربار سے وابستہ ہوا۔ مگر لطف اللہ مہندس کی نظم سے پتہ چلتا ہے کہ

[1] مرآۃ الخیال صفحہ ۲۵۔ [2] ید بیضا صفحہ ۱۰۱ قلمی نسخہ دار المصنفین

کسب کمالات کردہ"

صبح گلشن (ص ۳۰۸) مین ہے :

"دی در اکثر علوم علم یکتائی می افراشت "

داراشکوہ کے بھی ندیم خاص رہے، اور اس کے یہان بڑی ثروت و عظمت حاصل کی، شاہجہان نے الہ آباد کی صدارت تفویض کی، یہان حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی قدس سرہٗ سے سلوک کی تعلیم پائی، اور تصفیۂ دل اور تزکیۂ باطن کی نعمت سے سرفراز ہوئے، مگر جب نذر محمد خان والیٔ بلخ و بخارا کو شاہی فوجون سے شکست ہوئی تو اس کے مال و اسباب مین شیخ فانی کا ایک دیوان بھی پایا گیا، جس مین اس کی شان مین ایک قصیدہ بھی تھا، شاہجہان کو یہ بات ناگوار ہوئی، اور شیخ فانی کو صدارت کے عہدہ سے معزول کر دیا، لیکن ان کے علم و فضل کی قدر کی، اور سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا، فانی نے بقیہ عمر کشمیر مین گزاری، ان سے فیضیاب ہونے کے لیے ان کے یہان امراء اور تلامذہ کا ہجوم رہتا تھا، ان کے کلام مین بڑی رنگینی، روانی اور لطافت ہوتی تھی، مثال کے طور پر ہم ایک قصیدہ پیش کرتے ہین، جو انھون نے شاہجہان کی مدح مین کہا تھا، اس مین ہندی الفاظ اس طرح استعمال کیے گئے ہین کہ ان کی وجہ سے قصیدہ مین قبح کے بجائے حسن پیدا ہو گیا ہے، شاہجہان کی فیاضی، کرم گستری اور زرپاشی کے ساتھ ہندوستان کی جو تعریف کی گئی ہے، وہ بھی لائق توجہ ہے،

نو بہار آمد بسیر گلشن ہندوستان | زیبد ار طوطی بجاے پر برآرد برگ پان

چشم مردم از سواد ہند روشن می شود | کو نیارد کس متاع سرمہ را از صفہان

در چمن ہر صبح مینا می کند راگ بسنت | نیست طوطی را بجز کلیان چو بلبل بر زبان

بسکہ دارد در چمن میل گرفتاری بسرو | زیبد ار قمری ز طوق خویش بندد آشیان

تا دلم در صفت حسن غزل خوان شدہ است ‌ ‌ ‌ ‌ وصف ابروئے تو سر مطلع دیوان شدہ است

باقیا نائینی شاہ جہانی دربار کا ایک مقبول شاعر تھا، نام باقی، اور وطن نائین تھا، عراق میں حکیم شفائی، اور خراسان میں مرزا فصیحی کی صحبت سے فیضیاب ہو کر ہندوستان آیا، طالب آملی کی وساطت سے مرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ کے دربار میں پہنچا، اور ایک قصیدہ پیش کر کے تقرب حاصل کیا، پھر شہزادہ خرم کی خدمت میں حاضر ہوا،[۱] اور جب شہزادہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کو اپنی شاہانہ نوازش سے برابر سرفراز کرتا رہا، چنانچہ ۱۰۴۶ھ میں جشن نوروز کے موقع پر باقیا نے ایک قصیدہ کہا تو شاہ جہان نے قدسی اور کلیم کی طرح اس کو بھی روپیے سے تلوایا جو وزن میں پانچ ہزار..... ہوئے،[۲] شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی ماہر تھا، چنانچہ معاصر مورخین ان فنون لطیفہ میں اس کے کمال کے مداح اور معترف ہیں، عبد الحمید لاہوری کا بیان ہے:

"باقیا نائینی را در شعر طبیعت روان و تصانیف فارسی او از آمیزش نغمات ہندوستانی تاثیر دارد"

عمل صالح (حصہ دوم ص ۲۳۰) میں ہے:

"سخنورے طبع روان دارد، و در تصنیف و تالیف نغمات بروش موسیقاے یونان و فارس بے نہایت ماہر است و تصانیف خود راکہ بر وفق ریختہ، طرز امیر خسرو دہلی نغمہ ہوش ربائے ہند بر آمیختہ لہذا مرغوب و مطبوع سامع و طبائع افتادہ"

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۲) بہ ہند است لیکن کام فکر بر جادۂ خوشخیالی می گذاشت، در عہد شاہجہان بادشاہ بشاہجہان آباد رسیدہ، قصائد فصیحہ بحضور شاہی گذرانید و بجوائز مترقبہ متمتع گشتہ بوطن خود باز گردید، (ص ۱)

(حواشی صفحہ ہذا): [۱] میخانہ ص ۵۰۰، [۲] مآثر الکرام جلد دوم ص ۹،

وہ شاہجہانی دربار کے شعراء مین سے تھا، آزاد بلگرامی اس کے حسب ذیل دو شعر نقل کرتے ہین، مگر یہ بھی لکھتے ہین کہ یہ دونون شعر حسن بیگ رفیع کی طرف بھی منسوب ہین،

سبزہ از مژگان من نیز مشق شادابی گرفت　　نرگس از چشم ترم تعلیم بے خوابی گرفت
نقد اشکم را بزور از مردم چشمم ربود　　گرد او گردم کہ باج از مردم آبی گرفت[1]

میر الٰہی ہمدانی - ہمدان کے علاقہ اسدآباد کے سادات مین سے تھا، اصفہان مین حکیم صفائی اور آقا رضی کی صحبت سے فیضیاب ہوکر ہندوستان آیا، اور شاہجہان کے دربار مین ملازم ہوا، آزاد بلگرامی اس کے کلام کے بہت مداح ہین، لکھتے ہین:

کلامش لطافتے و عذوبتے دارد، و مذاقہا را لذتے خاص می بخشد[2]

غنی کشمیری بھی اس کے شاعرانہ کمال کا معترف تھا، چنانچہ الٰہی کی وفات پر یہ تاریخ کہی، ع

برد الٰہی زجہان گوے سخن

کلام کا نمونہ یہ ہے:

زمانہ بسکہ مرا خاکسار مردم کرد　　ز آب دیدۂ من می توان تیمم کرد

رُباعی

از دوریت اے تازہ گل باغ مراد　　چون غنچہ چیدہ خندہ ام رفتہ زیاد
گریان چو پیالۂ پرم در کف مست　　نالان چو سبوی خالیم در رہ باد[3]

امی شیرازی - نوشت و خواند سے بے بہرہ تھا، مگر شعر گوئی مین کافی شہرت حاصل کی، شاہجہان کے جود و سخا کی شہرت سنکر شیراز سے شاہجہان آباد آیا، اور شاہی دربار مین کئی قصائد پیش کئے، انعام و اکرام پاکر وطن لوٹ گیا، اس کا یہ شعر روز روشن مین منقول ہے:

---

[1] ید بیضا ص ۱۹۲ [2] مآثر الکرام جلد دوم ص ۹۳ [3] ایضاً، [4] روز روشن مین ہے: امی شیرازی اگرچہ از نوشت و خواند
(باقی حاشیہ ص ۱۹۳ پر)

سے ملاقات ہوئی، پھر دونوں ایسے شیر وشکر ہوئے کہ اب بھی دونوں کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ظفر خان کشمیر کا صوبہ دار مقرر ہوا تو مرزا صائب کو ساتھ لے گیا، ظفر خان کو مرزا صائب کی مداحی پر اور مرزا صائب کو ظفر خان کی شاگردی پر ناز تھا، ١٠٤٢ھ میں صائب نے مشہد اقدس کی زیارت کو جانا چاہتا تھا تو شاہجہان نے زادِ سفر کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت کئے، صائب کے باپ کو اس سے ایسی محبت تھی کہ اس کی جدائی زیادہ دنوں تک گوارا نہ کی، اور خود ہندوستان آکر اس کو اپنے ساتھ وطن واپس لے گیا، ایران میں شاہ عباس ثانی نے اس کی بڑی قدر دانی کی، اور ملک الشعراء کا خطاب دیا، لیکن صائب کو ہندوستان کی فیاضیاں رہ رہ کر یاد آتی تھیں

جب نواب جعفر خان عالمگیر کے عہد میں وزیرِ اعظم مقرر ہوا تو مرزا نے یہ شعر لکھ کر بھیجا،

دور دستان را باحسان یاد کردن ہمت است ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افگند

جعفر خان نے پانچ ہزار روپے اور ایک دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار اشرفیاں بھیجیں، ١٠٨٠ھ میں وفات پائی، اس کے مزار پر اس کی ایک غزل کندہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

در ہیچ پردہ نیست نباشد نوائے تو عالم پر است از تو و خالیست جائے تو

ایک صاحب سخن نے اس کے مزار کو ایک پر فضا مقام پر دیکھ کر یہ شعر بھی لکھ دیا ہے:

اے صبا آہستہ پا بر برگ گلہائے غنچہ نہ پاسبانا نند گلہا صائبا خوابیدہ است [1]

مولانا شبلی شعر العجم حصہ سوم (ص ١٨٩) میں لکھتے ہیں کہ ایران میں شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور مرزا صائب پر ختم ہو گئی، اس وقیع رائے کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجایش نہیں، مولانا شبلی کلمات الشعراء کے حوالے سے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا کی زندگی ہی میں اس کے کلام کو یہ حسن قبول حاصل ہو چکا تھا کہ سلاطین اور امراء شاہ ایران سے اس کے کلام کی استدعا کرتے

---

[1] کلمات الشعراء، ذکر مرزا صائب

میخانہ کا مؤلف رقم طراز ہے (ص ۵۶۰)

"رسالہ در علم موسیقی ترتیب دادہ کہ تا لغایہ کسے باین روش ترتیب ناختہ

تذکرہ نصرآبادی کا مصنف بھی اس کی سخن سنجی کا معترف ہے، اور اس کے تین شعر اپنے تذکرہ میں نقل کئے ہیں (ص ۳۰۷)

ز ان زخم کوس توکل کاسمان ازبہر من | می رساند نزے وچرخ دگرہم می زند

ہمہ حاصل جہان را بر نشاط فقر حل کن | بر کافر و مسلمان بنشین و صلح کل کن

رفتہ بمنزلگہ مقصود عزیزان | باقیست کہ واماندہ درین مرحلہ تنہا

کچھ رندی و مستی کے اشعار بھی سنیئے:

توبہ کردیم کہ تا بادہ نباشد نخوریم | تا کہ ساقی پسر سادہ نباشد نخوریم

بادہ تا میکدہ معمور نباشد نکشیم | روزہ تا روز ہی آمادہ نباشد نخوریم[1]

لطف اللہ کے گنائے ہوئے شعراء کے علاوہ بہت سے اور بھی ارباب سخن بارگاہ شاہجہانی سے منسلک تھے، ان میں سب سے پہلے مرزا صائب پر نظر پڑتی ہے، صائب کی ولادت تبریز میں ہوئی، لیکن تعلیم اصفہان میں پائی، شاعری میں حکیم رکنا مسیح کاشی اور حکیم شفائی کا شاگرد تھا، جہانگیر کے زمانہ میں تجارت کے سلسلہ سے ہندوستان آیا، جہانگیر کے دربار میں اس کی رسائی ہوئی، لیکن اس کی شاعرانہ صلاحیت کا جوہر شاہجہان کے زمانہ میں چمکا، شاہ جہان جب تخت پر بیٹھا تو اس نے ایک تاریخی قطعہ لکھا جس کے صلے میں شاہجہان نے اس کو بارہ ہزار روپے دیئے، کچھ دنوں کے بعد منصب ہزاری اور مستعد خان کا خطاب بھی عطا کیا،[2] ۱۰۳۹ھ میں شاہجہان نے دکن کا رخ کیا، تو مرزا صائب اس کے ہمرکاب تھا شاہی دربار ہی میں ظفر خان احسن

[1] میخانہ ص ۵۶۰، [2] مراۃ الخیال ص ۱۴۰

اشعار دلپذیرش، بنہایت رنگین و اغلاف سخنانیش بے نہایت متین است"۔ (ص۳۰)

غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی خزانۂ عامرہ مین اس کے اشعار کی فصاحت و بلاغت کی بڑی تعریف کی ہے،

سرخوش کلمات الشعراء مین رقمطراز ہے:

"در معنی یابی ید بیضا داشت، بسیار خوش فکر است"

یہ لکھ کر طرز کلام کا یہ نمونہ پیش کیا ہے:

درمن آمیختہ ز تو اثر پیدا نیست ۔۔۔ ہمہ شیر است درین کاسہ شکر پیدا نیست

آنچنان با تو یکے گشت وجودم کہ دوست ۔۔۔ کہ ترا بے تو توان دیدن و بے من نتوان

تمام عمرم با شاہد و سالہ گذشت ۔۔۔ حباب وار مرا عمر در پیالہ گذشت

روز اول کاندرین ویرانہ بنہادم قدم ۔۔۔ بازمی بایست گشتن دہر دیواری نداشت

ہمچون نگین کہ بہر نگین دان شدست خلق ۔۔۔ اورا خدا برای کنار آفریدہ است

میخانہ مین اس کا ایک ساقی نامہ اور دوسرے اشعار بھی درج ہین، مخزن الغرائب مین بھی اس کے دیوان کے طویل انتخابات ہین، موخرالذکر تذکرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہانگیر کے زمانہ مین حکیم رکنا کاشی اس کی فیاضی کی بدولت ایک بڑی دولت حاصل کرکے وطن لوٹ گیا تھا، اور وہان سے پھر آیا تو ایک سو پانچ سال کی عمر مین وطن واپس گیا، حکیم رکنا کاشی کے دو بھائی حکیم قطبا اور حکیم نصیرا کا خاندان بھی شاہی جود و سخا سے فیضیاب ہوتا رہا، حکیم قطبا کا لڑکا ضیاء الدین رحمت خان شاہجہان اور عالمگیر کے منصبداری امراء مین سے تھا، اور ابو طالب کلیم کی لڑکی اس کے حبالۂ عقد مین تھی، (دیکھو مآثر الامراء جلد ۲ ص۲۹۰)

حکیم رکنا کاشی نے شیدا کے ذوقِ سخن کی داد دی ہے،

کرتے تھے، اور تحفہ اور سوغات کی طرح اس کی غزلیں بھیجی جاتی تھیں[1]،

ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ مرزا صائب نے شعر و شاعری میں حکیم رکنا مسیح کاشی سے تعلیم پائی،
اس کا پورا نام رکن الدین مسعود اور تخلص مسیح کبھی مسیحا اور کبھی مسیحی تھا، آبا و اجداد شیراز کے رہنے والے تھے لیکن کاشان میں توطن اختیار کر لیا تھا، طبابت خاندانی پیشہ تھا، اس لیے حکیم رکن کاشی کے نام سے بھی شہرت پائی، ایران میں شاہ عباس صفوی کا ندیم خاص تھا، مگر کسی سبب سے مکدر خاطر ہو کر اس نے شاہ ایران کے دربار سے قطع تعلق کر لیا، اور یہ مطلع لکھا:

گر فلک یک صبحدم با من گران باشد سرش　　شام بیرون می روم چون آفتاب از کشورش

اس کے بعد ہندوستان چلا آیا، اور اکبر و جہانگیر کے خوان کرم کی زلہ ربائی کی، کچھ دنوں مہابت خان اور اس کے لڑکے امان اللہ کی خدمت میں بھی رہا، شاہجہان جب تخت پر بیٹھا تو حسب ذیل قطعہ لکھ کر بارہ ہزار روپے انعام میں حاصل کئے،

بادشاہ زمانہ شاہ جہان　　خرم و شاد و کامران باشد
ہر سال جلوس او گفتم　　در جہان بادتا جہان باشد
۱۰۳۷ھ

۱۰۴۱ھ میں مشہد اقدس کی زیارت کی اجازت شاہ جہان سے لی تو خزانۂ عامرہ سے زاد سفر کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت کئے گئے، زیارت کے بعد وطن کی طرف مراجعت کی، اور وہیں ۱۰۶۶ھ وفات پائی، شاہجہان غائبانہ طور پر بھی اس کو یاد کیا کرتا تھا، اور وقتاً فوقتاً تحفے بھیجا رہتا تھا[2]، ایک دیوان چھوڑا جس میں ایک لاکھ اشعار تھے، مرزا صائب نے اس کے دیوان کا انتخاب کر کے حق شاگردی ادا کیا، میخانہ کا مولف اس کے محاسن شاعری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

---

[1] شعر العجم حصہ سوم ص ۲۰۰　[2] مآثر الکرام ص ۹۱ - ۸۹ ج ۲

زین رطب و یابسی کہ بود در کلام تو | گر منکر کلام الٰہی شوم رواست[۱]

قدسی نے ایک قصیدہ کہا تھا، جس کا مطلع یہ ہے

عالم از نالۂ من بے تو چنان تنگ فضاست | کہ شنید از سر آتش نتواند برخاست

شیدا نے اس قصیدہ کے ہر شعر پر اعتراض کیا، اور ان اعتراضات کو منظوم کیا جن میں سے کچھ اشعار یہ ہیں:

اے سخن سنج ہنرمند باندیشہ بسنج | نقد ہر حرف بمیزان خرد بے کم و کاست
نالہ در سینہ ہوائیست کہ بے قصد رود | چونکہ از سینہ ہوا گیر شد از جنس ہواست
عالم از وی نشود تنگ ولیکن ز ملال | خلق عالم کز او تنگ نشیند رواست
خود گرفتم کہ جہان تنگ شد از نالۂ تو | کہ ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست
نیست ترتیب دو مصراع بہم ربط پذیر | کہ سیاق سخن از ہر دو باندیشہ جداست
تنگی عالم از نالہ بکیفیت اوست | کہ جہان تنگ ز اندوہ شود برد لہاست
تنگی جاز کجا تنگی اندوہ کجا | بیشتر از تن و جان تفرقہ ہم پیداست[۲]

اسی طرح کی اور بھی ابیات ہیں، مراۃ الخیال کے مولف کا بیان ہے کہ شیدا کے یہ اعتراضات بہت مشہور ہوئے، مگر مرزا محمد طاہر نصرآبادی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ شیدا نے اپنے اعتراضات میں ناانصافی سے کام لیا ہے، (ص ۲۴۴)

شاہجہان بھی شیدا کی گستاخی اور بے باکی سے کئی بار رنجیدہ ہوا، ایک بار شاہجہان نے اس سے پوچھا کہ "تم شعر اچھا کہتے ہو یا حکیم حاذق گیلانی" شیدا نے بادشاہ کے اس سوال کو ناپسند کیا، کیونکہ وہ حکیم حاذق گیلانی کو اپنا مقابل نہیں سمجھتا تھا، اور اس کی ہجو کہہ چکا تھا،

[۱] ید بیضا ص ۶۲، [۲] مراۃ الخیال ص ۱۴۶-۱۴۷

میحا را بشیدا یان عالم الفتی باشد　　　بجز شیدا نگوید شعر گوکس در زمین من

اور یہ دادِ موجب تعجب ہے، کیونکہ تمام ایرانی شعرا شیدا سے نالان اور آزردہ خاطر رہے، شیدا کو ایرانی شعرا کے احساس برتری سے چڑھ تھی، کشمیر پر اس نے نثر مین ایک کتاب لکھی ہے، اس کے خاتمہ مین لکھتا ہے،

"اہل ایران ہندی نژاد ہونے کی وجہ سے میری کوئی حقیقت نہین سمجھتے ہین، وہ اسکو بھول گئے ہین، کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے دنیا مین آئے تو سراندیپ کی زمین کو اپنی ذات سے مشرف فرمایا، اور اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے، اس لیے حضرت آدم علیہ السلام ہندی ہین، اور جن لوگون نے ہند مین نشو ونما پائی ہے ان مین آدمیت زیادہ ہے، اصلی بات یہ ہے کہ ایرانی اور ہندی ہونا فخر کی سند نہیں ہے، آدمی کی عزت اس کی ذاتی عزت سے ہوتی ہے، اگر ایرانی طنز کرین گے کہ فارسی ہماری زبان ہے، تو اپنی زبان کو اپنے تالو مین نہ پائین گے، اور اگر زبان ان کے تالو مین ہو بھی تو مذاق شاعری سے آشنا نہ ہون گے، چونکہ شاعری کی قدرت نہین رکھتے ہین، مجبوراً ہاتھ پاؤن مارتے ہین، ظاہر مین لوگ جو صورت کو دیکھ کر معانی کا پتہ نہین پا سکتے ہین، میری ظاہری حالت کو دیکھتے ہین، میرے رنگین معانی ان کے خلعت کی طرح خوبصورت ہین، اور ان کے اشعار میرے کپڑے کی طرح بدصورت، یہ میرے کپڑون پر نظر رکھتے ہین اور مین ان کے سامنے رنگین معانی پیش کرتا ہون، جو کچھ کہ بے تکلفی سے کہا گیا وہ سچ ہے، اور سچ سے رنجیدہ ہونا عقلمندون کا کام نہین،" (قرۃ العین، ص ۱۰۵)

ان ہی جذبات کی بنا پر اس نے ایرانی شعراء کی ہجو لکھی، طالب آملی کی مذمت کا ذکر پہلے آ چکا ہے، الٰہی ہمدانی پر ایک قطعہ لکھا،

اے میر من کہ کردہ الٰہی تخلصی　　　از مزد لاہی ازچہ الٰہی شدن خطاست

موسوم بہ دولت بیدار اور ایک دیوان بھی چھوڑا، دیوان مین ایک لاکھ اشعار تھے، مرزا محمد طاہر نصرآبادی اپنے تذکرہ مین اس کے کلام کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے:

"خیالش غریب و انکارش لطیف است، شعر بسیاری گفتہ (ص۴۴۴)

غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام جلد دوم (ص۸۵) مین تحریر فرماتے ہین:

"صاحب ذہن رسا و فکر آسمان پیما بود شعر را بسرعت تمام می گفت، و بچشم زدن جواہر فراوان می سفت"

مگر خود شیدا کے معاصر منیر لاہوری نے اس کے کلام کی ہجو کی ہے،

شیدا گوید کہ شعر من لک بیت است　　ہر نقطہ من بصفوہ بے شک بیت است
یک بیت درست نیست در دیوانش　　از جفت بروت صاحب لک بیت است[۱]

یہ ہجو شاید اسی افراتفری کا نتیجہ ہے جس مین خود شیدا بھی مبتلا تھا، مراۃ الخیال کے مولف کا بیان ہے کہ شیدا بہت ہی ذی استعداد شاعر تھا، علم عروض مین اس کی مہارت کا ضرب المثل تھی، وہ ایسے شعراء کو خاطر مین نہین لاتا تھا، جو مقبول خاص و عام ہوتے تھے مگر فن شاعری سے بیگانہ تھے، ان کے کلام کے عیوب و نقائص کو بہت بے باکانہ طریقہ سے آشکارا کرتا تھا، اسی لیے اس کی بھی ہجو کہی گئی،

شاہجہانی دربار کے شعراء مین حکیم حاذق گیلانی کی رعونت اور خود پسندی مشہور تھی، وہ حکیم ہمام گیلانی کا لڑکا تھا، اس لیے وراثت مین طبابت اور امارت کے علاوہ علم و ادب کا بھی ذوق پایا، شاہ جہان نے اپنی تخت نشینی کے موقع پر اس کو منصب ہزار پانصدی شش صد سوار عطا کیا، اور اسی سال والئ توران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، وہان سے واپسی کے بعد اس کو

[۱] ایضاً ص۶۳

اس لیے جل کر بولا" ہم دونون سے رائے پائے داس بہتر کہتا ہے"، رائے پائے داس شاہی دربار کا ادنی ملازم تھا، جو مضحک اشعار کہا کرتا تھا، شاہ جہان اس جواب سے بہت کبیدہ خاطر ہوا، اور شیدا کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا، ایک موقع پر شیدا کا یہ مشہور شعر شاہجہان کو سنایا گیا

چیست دانی بادہ گلگون مصفا جوہرے   حسن را پروردگار و عشق را پیغمبرے

شاہجہان نے ام الخبائث شراب کی یہ توقیر اپنے قلمرو مین پسند نہین کی، اور فوراً شیدا کو شہر بدر کرنے کا حکم جاری کیا، شیدا نے اپنی برأت کے لیے پہلے جامی کا مندرجہ ذیل شعر استشہاد مین پیش کیا،

از صراحی دو بار قلقل مے   پیش جامی براز چہار قل است

پھر ایک طویل قطعہ معذرت مین لکھا جس کے کچھ اشعار یہ ہین:

جہان پناہا شاہا بقدر جاہ و جلال   نیا فرید خدا چون ترا عدیل و نظیر
بوصف مے زدہ سر از من این مصرعۂ خوش   کہ گشتہ ورد زبانِ ہمہ صغیر و کبیر
اگرچہ لفظش عام است معنیش خاص است   بخاص و عام بود شہرۂ ہمچو بدر منیر
چنین کہ میکش اسرار مولوی جامی   کہ بہت گفتہ او و دور از در تقصیر
بوصف مے ز صراحی دو بارہ قلقل مے   بہ از چہار قلش گفت و فارغ از تکفیر
مرا بکفر چہ نسبت بود کہ بہ زنے   سخن چنین کند و ہیچ نایدش بضمیر
مرا چو شاہ براند کجا توانم رفت   بگاہ راندن از کف کجا رود شمشیر[۱]

اس قطعہ کو سنکر شاہ جہان نے شیدا کو معاف کردیا، آخر عمر مین وہ کشمیر مین گوشہ نشین ہو گیا تھا، جہان اس کو شاہجہان کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا، اپنی علمی یادگار مین ایک مثنوی

۱ه کلمات الشعرا سرخوش

اور دونوں طاؤس کے درمیان ایک درخت نصب کیا گیا تھا، جو لعل، الماس، زمرد اور مروارید سے مرصع تھا، تخت پر چڑھنے کے لیے تین پائے کی ایک سیڑھی بنائی گئی تھی جو جواہرات سے آراستہ تھی تخت کے گرد تکیہ لگانے کے لیے گیارہ مرصع تختے تھے جن میں سے درمیان کا تختہ جس پر بادشاہ ہاتھ رکھ کر تکیہ لگا کے بیٹھتا تھا دس لاکھ روپے کی قیمت کا تھا، اور ان میں ایک لعل تھا جس کو شاہ عباس صفوی نے تحفتہً جہانگیر کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس پر پہلے امیر تیمور، مرزا شاہ رخ، مرزا الغ بیگ کے نام کندہ تھے، شاہ عباس نے بھی اس پر اپنا نام لکھوایا، پھر جہانگیر نے اپنا اور اکبر کا نام کھدوایا، اس کے بعد شاہ جہان نے اپنا نام کندہ کرایا، عالمگیر کے اوائل دور حکومت میں اس تخت کی ترصیع وترتیب میں اور اضافہ کیا گیا[۱]، بے بدل خان نے جب اس کو تیار کیا تو شاہ جہان نے خوش ہو کر بے بدل خان کو روپے میں تلوایا، اور جب آٹھویں سال جلوس کے جشن میں شاہجہان اس پر جلوہ افروز ہوا تو تمام شعراء نے قصیدے، نظمیں اور مثنویاں پیش کیں، حاجی محمد جان قدسی نے اس کی تاریخ اورنگ شاہنشاہ عادل نکالی، قدسی کی اس مثنوی کے کچھ اشعار یہ ہیں

زہے فرخندہ تخت پادشاہی	کہ شد سامان بتائید الٰہی
فلک روزے کہ میکردش مکمل	زر خورشید را بگداخت اول
بحکم کار فرما صرف شد پاک	بمینا کاریش مینائے افلاک
جز این تخت از زر و گوہر چہ مقصود	وجود بحر و کان را حکمت این بود
ریا تو تش کہ در قید بہا نیست	لب لعل بتا نرا دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ	گہر افسر بسر خاتم بدیدہ
بجز جش عالم از زر شد چنان پاک	کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۸۰-۸۱، مآثر الامرا جلد اول ص ۲۴۲

عرض مکرر کی خدمت تفویض کی گئی، اور سہ ہزاری منصب دیا گیا، کچھ دنون کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی، مگر اس زمانہ مین بھی شاہی خزانہ سے بیس ہزار اور پھر بعد مین چالیس ہزار روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا، کچھ دنون درباری مورخون کے ساتھ اس عہد کی تاریخ لکھنے مین بھی شریک رہا، اس کے اشعار صاف اور پاکیزہ ضرور ہوتے تھے، مگر اپنی خود بینی کی بنا پر اپنے کو انوری سے بھی بہتر تصور کرتا تھا، اپنے دیوان کو بڑی زینت و آرایش کے ساتھ لکھوا کر ایک مرصع طشت پر رکھتا تھا، اور جب کسی مجلس مین جاتا اور عمائدین سلطنت اس کی تعظیم کے لیے نہ اٹھتے تو برہمی کا اظہار کرتا دیوان کو ایک مطلا رحل پر رکھ کر اپنا کلام سناتا تھا، اس کے اس شعر کی داد تو آج بھی دی جا سکتی ہے

دلم ہیچ تسلی نمی شود حاذق ــــــ بہار دیدم و گل دیدم و خزان دیدم[1]

کچھ اور بھی سنیے

بوئے گل امشب ز دود شمع می آید گمہ ــــــ بلبل اشکے بر سر خاکستر پروانہ ریخت

زیر تسبیح و سلم عار دارد ــــــ کہ سبحہ بر میان زنار دارد

من آن تسبیح را بر دست گیرم ــــــ کہ او ذاکر بود گر من بمیرم[2]

سعیدائی گیلانی شاعر بھی تھا اور اعلیٰ قسم کا صناع بھی، اس کو زرگری مین غیر معمولی کمال حاصل تھا، اسی لیے شاہجہان نے اس کو زرگر خانہ کا داروغہ مقرر کیا، اور بے بدل خان کا خطاب دیا، شاہجہانی عہد کا سب سے بڑا صنعتی کارنامہ تخت طاؤس اسی کے ہاتھون انجام پایا، یہ ایک کروڑ روپے کی لاگت سے سات سال مین تیار ہوا، اس کا طول سوا تین گز، عرض ڈھائی گز بلندی پانچ گز تھی، اس تخت کے اندرونی حصہ مین زیادہ تر میناکاری کا کام اور کچھ حصہ مرصع تھا، چھت کے بیرونی حصہ مین لعل و یاقوت جڑے ہوئے تھے، اور اس کو زمرد کے بارہ ستون پر قائم کیا گیا تھا، چھت کے اوپر دو مرصع طاؤس بنائے گئے تھے،

[1] مآثر الامرا، جلد اول ص ۵۹۰، [2] تذکرہ نصرآبادی ص ۶۲

بسوی ہند عنان زد و تاب شد با جاہ | جہاندہ برق نما برشے چو باد وزان
بداد وجود بدار الخلافہ آمد باز | فلک بدور رکاب و ملک بدُر عنان
ہزار شکر بیفزود باز حسن جہان | ز نوبہار سریر جواہر الوان
بہر زمین کہ از آن سایہ فتاد فلک | بداد تا باید دستگاہ پایۂ کان
جمال و رنگ ز اورنگ بادشاہ زمن | بداد گیتی صد رنگ بر زمین و زمان
خدیو ملک و ملل بادشاہ دین و دل | جہان کشاد با مداد قوت ایمان
جہان پناہ شاہنشہی و دریا دل | محیطی از کرم وجود لیک بے پایان
ز سہم گرز و سنانت دل عدو جاوید | شود ہزیر زمین چو رگ جہنده طپان
از ان بود سر دشمن برنگ سنگ سیاہ | کہ از برائے حسامت بود مدام فسان[1]

عبد الحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ (جلد اول حصہ دوم ص ۳۵۹) میں سعیدای گیلانی کی شاعری کی بڑی ستایش کی ہے، لکھتا ہے:

"از رسائی طبع و روانی فکر اکثری بنظم معانی می پردازد. لفظش ہموارہ دلنشین است، و مضامین نو آئینش،

اور مثال کے طور پر بہت سے اشعار نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک غزل کے شعر ہم بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

سوارہ آن مہ زرین رکاب می آید | بچہرہ اشک ہزار آفتاب می آید
بآب تیغ تو دل می کشد ز آب حیات | چو تشنہ کو سوی آب از سراب می آید
کند عرق رخت اے نازنین ز تاب نگاہ | بدور حسن تو از آتش آب می آید

[1] عمل صالح جلد دوم صہ ۹۲-۹۰

رساند گر فلک خود را بپایش
دہد خورشید و مہ را زو بہایش

سرافرازی کہ سر بر پایہ اش شود
ز گردون پایۂ بر تخت افزود

اثر باقیست تا کون و مکان را
بود بر تخت جا شاہ جہان را

بود تختی چنین ہر روز جایش
خراج ہفت کشور زیر پایش

چو تاریخش زبان پرسید از دل
بگفت اورنگ شاہنشاہ عادل[1]

اس جشن میں ابو طالب کلیم، سلطان شادمان اور دوسرے شعراء نے بھی قصیدے کہے ہیں، کہ پہلے ذکر آچکا ہے، خود حیدای گیلانی نے ۴۳ شعروں کا ایک قصیدہ کہا جس کے مختلف اشعار سے شاہجہان کے مختلف واقعات سلطنت کی تاریخیں نکلتی تھیں، اسکے کچھ حصے یہ ہیں:-

خدائے واحد بیچون جہان نمو عیان
برائے شاہجہان بادشاہ کل جہان

بداد وجود باحسان شہنشہ آفاق
علیم و عالی و دانواز و ملک ستان

ہزار سال بماناد آنکہ ہر دم از و
بود بدور جہان صد ہزار جان شادان

بمدح شاہ جہان طبع این دوازدہ بیت
ز قسمت ازل اورد از دلم بزبان

ازان دوازدہ ہر مصرعی نگاہ نگار
کند تولد شاہ جہان پناہ بیان

باکبر آباد از جہد کامران بسریر[1]
جلوس کرد ز تائید عالم منان

ہزار بود و چہل و سہ بسال از ہجرت
کہ شد بدہلی بادشاہی و سپہ گران

بنو بہار بیاید گلشن سرہند
گل بہار آید باہوا چو گل خندان

ز کامرانی نور و ز عزم کردہ نمود
سوی مدینۂ لاہور بر جہان شادان

ہزار گونہ بود گل بکوہ ہر تسدمش
ہزار چشمۂ دلی ز چشمۂ حیوان

[1] مصرعہ ناقص معلوم ہوتا ہے، مگر اسی طرح منقول ہے،

رہا، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، کچھ دنون شاہزادہ شجاع کے دربار مین ملازمت کی، اور عبد اللہ قطب شاہ والی حیدرآباد دکن کے خوان کرم کا بھی ریزہ چین ہوا،[۱]

مرزا حسن بیگ رفیع قزوینی کچھ دنون مشہد مقدس مین حصول سعادت کے لیے مقیم رہا اس لیے نام کے ساتھ مشہدی بھی لکھا جاتا ہے، نذر محمد خان والی بلخ کے دربار مین ملازم رہنے کے بعد ۱۰۵۴ھ مین ہندوستان آیا، شاہجہان کی خدمت مین باریاب ہوا تو خلعت اور تین ہزار روپے ملے، اور شاہی ملازمون مین داخل کر لیا گیا، ۱۰۶۶ھ کے جشن جلوس پر ایک مثنوی کہی تو ایک ہزار روپیہ انعام پایا، شاہجہان نے اس کو منصب پانصدی بھی عطا کیا،[۲] عالمگیر کے زمانہ مین کشمیر کا دیوان بیوتات مقرر ہوا تھا، اس کو شعر و شاعری مین بڑی شہرت حاصل تھی، اپنے اس شعر پر فخر کرتا تھا،

عمر گر خوش گذرد زندگی خضر کم است　　　ور بناخوش گذرد نیم نفس بسیار است

میر معز موسوی خان نے اعتراض کیا کہ بناخوش صحیح نہین یا تو ناخوش ہونا چاہیے یا ناخوشی، مرزا رفیع نے با دل ناخواستہ "بہ تلخی گذرد" بنا دیا، مگر خود کہتا تھا کہ شعر کا مزہ جاتا رہا،[۳] کلمات الشعراء مین ہے کہ اس نے شاہجہان آباد پر ایک مثنوی بھی لکھی، تخت مرصع کی تعریف مین کہتا ہے:

اگر پا سبانش شود مست خواب　　　بروبش فشانند زیاقوت آب

شاہی عمارت کی تعریف کرتا ہے:

خدا رفعتش را بجائی رساند　　　کہ آتش زہمراہی سنگ ماند

میر صیدی طہرانی، اصفہان سے ہندوستان آیا، اور ۱۰۶۵ھ مین شاہجہان کی ملازمت مین داخل ہوا، تو ایک قصیدہ شاہی خدمت مین پیش کیا، جس کا مطلع یہ ہے

۱؎ مآثر الکرام حصہ دوم ص ۸۸-۸۷۔ ۲؎ ایضاً، ۳؎ کلمات الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

تو مست حسنے و من مست عشق ہیست تجا   چنین دوستی کے از شراب می آید

شعراء کے ساتھ شاہجہان کی زرپاشیون کی مثالین بکثرت ملین گی، میر یحیی کاشی نے شاہجہان آباد کی تعمیر کی حسب ذیل تاریخ کہی،

شد شاہ جہان آباد از شاہ جہان آباد

تو شاہجہان نے پانچ ہزار روپے انعام دلئے، ۱۰۶۵ھ مین ایک موقع پر شاہجہان نے اسکو ایک سو اشرفیان عنایت کین، [۱] کلمات الشعراء مین ہے کہ اس نے شاہجہان کے حکم سے بادشاہ نامہ کو منظوم کرنا شروع کیا، اس مین ایک شعر کہا کہ

سرراجپوتان جگت سنگہ بود   کہ بر شیشۂ نہ فلک سنگ بود

شاہجہان نے اعتراض کیا کہ جگت سنگہ کو اسکی حیثیت کے لحاظ سے سرراجپوتان کہنا صحیح نہین، پھر سنگہ اور سنگ کا قافیہ بھی درست نہین، یحیی نے جواب دیا کہ ہم مغل اس قسم کے الفاظ کی تفریق نہین کر سکتے، [۳]

مرزا رضی دانش مشہدی ہندوستان کے بادشاہون کی فیاضی سنکر وطن سے چلا تو اس ملک کے اشتیاق مین اس نے یہ شعر کہا:

راہ دور ہند پابست وطن دار و مرا   چو حنا شب در میان رفتن بہندوستان خوش ست

اس کے کلام کی صفائی، شیرینی اور دلآویزی مشہور تھی، شاہجہان کے دربار سے وابستہ ہوا تو اس نے ۱۰۶۰ھ مین ایک قصیدہ پیش کیا جس کا ایک شعر یہ ہے:

بخوان بلند کہ تفسیر آیۂ کرم است   خطے کہ کف دست مبارکش پیداست

شاہجہان نے اس پر دو ہزار روپے عنایت کئے، دارا بھی اس کا سرپرست اور مربی

[۱] ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۲۶۹، [۲] ماثر الکرام جلد دوم صفحہ ۶۳، [۳] کلمات الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

لکھکر شاہی خدمت مین پیش کی،

شاہے کہ مطیع او دو عالم گردد   ہر جا کہ سریست پیش او خم گردد
از بسکہ بدورش آدمی یافت شرف   خواہد کہ شرف نیز آدم گردد[1]

شاہجہان نے اس کو وقائع نویسی کے عہدہ پر مقرر کیا، اس عہدہ پر برہمن فخر کرتا تھا، کیونکہ وہ روزانہ بارگاہ شاہی مین حاضر ہوکر ہر روز کے واقعات و حالات سناتا تھا، شاہجہان نے بھی اس کے فرائض منصبی سے خوش ہوکر ایک ہاتھی انعام مین عطا کیا تھا، بعض سیاسی اغراض کی تکمیل کے لیے اودے پور کے رانا کے پاس بھی بھیجا گیا، اسی زمانہ مین چہار چمن لکھکر نوروز کے موقع پر سرہند مین بادشاہ کی خدمت مین گذرانی، اس مین برہمن کے ذاتی احوال و کوائف کے علاوہ شاہی دربار کے مختلف جشنون، اس کی شان و شوکت، بادشاہ کے روزانہ معمولات اور شاہجہان آباد اور دوسرے شہرون اور صوبون کا ذکر ہے، داراشکوہ برہمن کی نظم و نثر دونون کا مداح تھا، اس لیے اس کو اپنا میر منشی مقرر کیا، دارا جب قندھار کی مہم پر گیا تو برہمن بھی اس کے ساتھ تھا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ علامی سعد اللہ خان کی وفات کے بعد برہمن پھر دربار شاہی سے منسلک ہوا اور دفتر شاہی کا میر منشی مقرر ہوا، اور رائے کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا، عالمگیر تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس کی تخت نشینی پر یہ رباعی کہی،

شاہا عالم مطیع فرمان تو باد   لبریز ادائے شکر احسان تو باد
چون ذات تو خلق را نگہبان باشد   ہر جا باشی خدا نگہبان تو باد

ص ۱۸۳

برہمن دارا کا حامی تھا، اس لیے ایک خط مین برہمن نے اورنگ زیب سے یہ شعر لکھکر اپنے قصورون کی معافی مانگی،

شدیم پیر بعصیان و چشم آن دارم   کہ جرم ما بجوانان پارسا بخشد

زہے جہانِ خدا را سپہرِ عدل و کرم　　بزیرِ سایۂ قدرِ تو نیّرِ اعظم

شاہ جہان نے اس کے صلہ مین ہزار روپے دیے، اس نے شاہجہان کی شان مین بہت سے قصائد کہے، سرخوش نے کلمات الشعرا مین اس کو نازک خیال، بلند فکر، استاد فن اور کامل سخن کہا ہے، دیوان کے علاوہ کشمیر پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے، کلام کا نمونہ یہ ہے:

مارا بہ برگ سبز کجی یاد می کند　　آن گل کہ منع بوی خود از باد می کند

صیاد ما بنای تازہ کردہ است　　مرغی کہ پر شکستہ شد آزاد می کند

سوخت رشک شعلۂ شمعم کہ در راہ طلب　　از نظرہا کردہ پنہان جادۂ بیہودہ را

در بزم او مجال نشستن نیافتیم　　چون نرگس ایستادہ کشیدیم جام را

غباری وارد از خطاء رخسارش کہ گر کجا　　مصور جمع سازد صورت خالی نمی گردد

عماد، فتحا، عسکری کاشانی، کیفی نو مسلمان، اور رادہم مرزا وغیرہ نے بھی شاہجہان کے جود و سخا سے متمتع ہوئے لیکن ہم ان کی تفصیل بیان کرنے سے اس لیے گریز کرتے ہین کہ ہم تیموری دربار کے شعرا کا کوئی تذکرہ لکھنا نہین چاہتے، بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ تیموریون کی بزم مین ارباب سخن کی کیا قدردانی اور حوصلہ افزائی ہوئی، اور اس شاہانہ سرپرستی مین ان کا انداز کلام کیا رہا،

ہندو شعراء شاہجہانی عہد کا سب سے ممتاز ہندو شاعر اور ادیب چندربھان برہمن تھا، لاہور مین پیدا ہوا، شروع مین میر عبد الکریم میر عمارت لاہور کے یہان ملازمت کی، پھر امیر الامراء افضل خان دیوان کل کے دربار مین ملازم ہوا، شاید اس کی سرکار کا دیوان مقرر ہوا، افضل خان کی وفات کے بعد شاہجہان کے ایک امیر عاقل خان کی وساطت سے دربار مین پہنچا، اور خط شکستہ مین ایک رباعی

لہ اسلامک کلچر اپریل ۱۹۴۲ء اس مضمون مین چار چمن کا ایک اقتباس دکیر یہ بتایا گیا ہو کہ چندربھان برہمن ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کا شاگرد تھا،

اکبر و جہانگیر کی طرح شاہجہان بھی ہنود اہل کمال کی برابر سرپرستی کرتا رہا، ۱۰۶۰ھ مین ایک ہندی شاعر نے اس کے نام پر ایک کبت کہی تو اس کو دو ہزار روپے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا،[1] ہندی شعرا مین سندر اس کے دربار کا ملک الشعراء تھا، اس کی تصانیف سندر سنگار، اور سنگھاسن بتیسی برج بھاشا مین مشہور ہین، ہندی کے مشہور شعرا چنتامنی اور راجہ شمبھوناتھ سنگھ بھی اس کے دربار سے منسلک رہے، چنتامنی سہتا یعنی ترکیب نظم کا استاد تھا، راجہ شمبھوناتھ نے شاہجہان کی فرمائش پر کوندا کلپ لتا لکھی، اس کتاب مین شاہ جہان، دارا شکوہ اور جہان آرا پر مدحیہ نظمین ہین،[2] ایک بار یمین الدولہ نے تربہت کے دو برہمنون کو دربار مین پیش کر کے عرض کیا کہ یہ دونون دس ہندی کبتین جو دس شاعرون نے تازہ کہی ہون اور کسی نے نہ سنی ہون ایک بار سنکر یاد کر لیتے ہین اور اسی وزن اور مضمون مین دس شعر فی البدیہہ کہہ دیتے ہین، امتحان ہوا تو سچ ثابت ہوا، شاہجہان نے دونون کو خلعت اور ہزار ہزار روپے انعام دیے،[3]

امراء امراء جب کسی عہدۂ جلیلہ پر مامور کئے جاتے تو اس کا خیال رکھا جاتا تھا، کہ وہ نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے پختہ کار اور بیدار مغز ہون بلکہ مختلف علوم و فنون میں بھی ان کو امتیازی حیثیت حاصل ہو، شاہجہان کے خسر یمین الدولہ خانخانان **آصف خان** سپہ سالار کو ہر قسم کے علوم خصوصاً معقولات مین بڑی درک حاصل تھا، اس کے القاب کا جزء "شعلہ افروز فطرت اشراقیان، دانش آموز طبیعت مشائیان" تھا، خوش بیان، خوش نویس اور اعلیٰ قسم کا سیاق دان بھی تھا،[4]

شاہ جہان کے دیوان کل **افضل خان** علامی شکر اللہ شیرازی کا شمار جید علماء مین کیا گیا ہے، جب وہ دیوان کل کے عہدہ پر فائز ہوا، تو کسی نے تاریخ کہی، ع شد فلاطون وزیر اسکندر
۱۰۳۸

[1] خافی خان ج ۱ ص ۷۰۰، [2] کیی ہسٹری آف ہندی لٹریچر، [3] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۲۶۹، [4] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۵۸،

عالمگیر کے زمانہ مین وہ جہانگیر کے مقبرہ کی نگرانی کے لیے مامور کیا گیا تھا[1]، برہمن صاحب دیوان بھی تھا، اور دارا سے اپنی شاعری کا خراج تحسین برابر حاصل کرتا رہا، شاہی دربار کی حوصلہ افزائی کی بنا پر برہمن نے اپنا دیوان ایران بھیج کر وہان کے ارباب فن سے بھی داد طلب کرنے کی کوشش کی، چنانچہ اپنے دیوان کے کچھ نسخے بھی وہان بھجوائے، مگر ایرانی جب ہندوستان کے بڑے بڑے ارباب کمال کی ستایش کرنا اپنے لیے کسر شان سمجھتے تھے تو برہمن کو کب خاطر مین لا سکتے تھے لیکن خوشگو نے کلمات الشعرا مین اس کی تعریف کی ہے،

"طبعی درست داشت، شعر بطور قدما شستہ وصاف می گفت وسلیقہ انشا پردازی نیز داشت، در ہندوان غنیمت بود"

غلام علی آزاد بلگرامی نے سرو آزاد اور ید بیضا مین اس کا ذکر نہین کیا ہے، مراۃ الخیال کے مولف نے برہمن کے لیے اچھے الفاظ استعمال نہین کئے ہین، مگر اس کی یہ غزل پسند کی ہے:

کنم ز سادہ دلی بند دیدہ مژگان را | بمشت خس نتوان بست راہ طوفان را
جگر فشان شدہ ام بازجائے آن دارد | کہ لالہ زار کنم دامن وگریبان را
ہمیشہ زلف ترا اضطراب در کار است | چگونہ جمع کند خاطر پریشان را
شبے خیال تو آمد بخواب وآسودیم | دگر زہم نکشادیم چشم گریان را
برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم | کہ اعتبار نباشد دلیل وبرہان را

منشآت برہمن جو چندر بھان کے رقعات کا مجموعہ ہے، عرصہ دراز تک مدارس مین زیر درس رہی، اور یہ اس کی نثر نگاری کی مقبولیت کی دلیل تھی، اس کی اور تصانیف کے نام یہ ہین، گلدستہ، تحفۃ الانوار، کارنامہ، تحفۃ الفصحا، مجمع الفقرا، اور تحفۃ الوداد،

[1] اسلامک کلچر اپریل ۱۹۴۵ء

اقبال بڑھتا گیا، بادشاہ کی نظر عنایت نے اس کی ذاتی استعداد کی مدد کی، اور اس کی سعادت کا ستارہ قابلیت اور اقبال کے مشرق سے کمال کے مطلع پر نکلا، رفتہ رفتہ بادشاہ کی خاص مہربانی سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ دوسرے سال تین ہزار منصب، دو ہزار سوار اور خانسامانی کی خدمت سے سربلند ہوکر انجمن میں ہمدم و دمساز اور خلوت میں محرم و ہمراز ہوگیا، اور چوتھے سال بادشاہ کے فیض تربیت سے اس کے اقبال کا درخت طوبی کی طرح بڑھکر ہندوستان کی وزارت کے باغ کا زینت ہوا، اور ساتویں سال ہفت ہزاری ہفت سوار پنجہزار دو اسپہ سہ اسپہ کا منصب، دس کرور دام کا انعام، اور علامی وفہامی کا خطاب ملا۔"

(جلد دوم ص ۳۳۷، ترجمہ آزاد ہے)

محمد امین میر جملہ شہرستانی شاعر بھی تھا، امیر الامراء علی مردان خان کے دربار کی علم پروری مشہور تھی، نواب قاسم خان، ظفر خان احسن، عنایت خان آشنا، اور مرزا امان اللہ امانی کا ذکر پہلے آچکا ہے،

فضلاء

ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، ان کے بارہ میں آزاد بلگرامی رقمطراز ہیں:

اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور اس زمانہ کے لوگوں کے لیے موجب افتخار ہیں یقیناً تمام درسی علوم میں ہندوستان کی سرزمین سے ان کا ہمسر نہیں پیدا ہوا، اور کمیت و کیفیت اور حسن قبول میں متعدد علمی یادگاریں انکی طرح کسی نے دنیا میں نہیں چھوڑیں، سیالکوٹ جو لاہور کے مضافات میں ہے ان کا مولد ہے اور وہیں ان کی نشوونما ہوئی، جب ان کے سن شعور کا آغاز ہوا تو طالب العلمی شروع کی، اور زیادہ تر ملا کمال الدین کشمیری سے جو سیالکوٹ میں رہتے تھے فیض حاصل کیا، اور تھوڑی سی مدت میں بدر کامل ہو کر چمکے اور دنیا کو اپنے علمی فیوض و برکات سے بھر دیا، جہانگیر کے زمانے میں ضروری معاش پر قناعت کرکے اپنے

معقولات، منقولات، ہیئت، ہندسہ اور حساب مین اس کی اعلیٰ قابلیت مشہور تھی، فصاحت مین حسان وقت کہلاتا تھا، شاہ جہان کہا کرتا تھا کہ افضل خان کی زبان سے کسی نے کوئی برا کلمہ نہین سنا[1]

سعد اللہ خان کو عبد الحمید لاہوری بادشاہ نامہ مین علامۃ الوریٰ اور فہامۃ العصر لکھتا ہے وہ معقولات و منقولات کا ممتاز عالم ہونے کے علاوہ حافظ قرآن بھی تھا، اس کی تقریر کی فصاحت اور تحریر کی بلاغت کی بھی بڑی شہرت تھی، دربار مین پہنچکر اس نے جس طرح رسوخ و اقتدار حاصل کیا، اس کا ذکر عمل صالح مین اس طرح ہے،

رمضان ۱۰۵۰ھ مین موسوی خان صدر کل کی سفارش سے بادشاہ کے حضور مین (سعد اللہ خان نے) شرفیابی حاصل کی پہلی مجلس ہی مین بادشاہ کی کمال شناسی اور قدر دانی کی وجہ سے اس کی استعداد کا مرتبہ نمایان ہوگیا، اور بادشاہ کی دقیقہ رسی کے باعث اس کا کمال ظاہر ہوا، اس کی (یعنی سعد اللہ خان کی) دقت طبع، جدت فہم، کثرت فراست، استنباط دقائق، دریافت حقائق، اور تحصیل علم وہبی وکسبی وغیرہ کا حال اہل علم پر ظاہر ہوگیا، چونکہ بادشاہ شریعت کی ترویج، اکابر دین کی تقویت، علماء و صلحاء کی تعظیم و تکریم، طلبہ کی تربیت و اہتمام مین ہمیشہ رغبت ظاہر کرتا ہے، اس لیے اس کی خاص ہمزبانی کی وجہ سے جس مین آب حیات کی خاصیت ہے، اس نے (یعنی سعد اللہ خان نے) حیات جاودانی پائی، مناسب روزینہ خلعت اور گھوڑے سے سرفراز ہوکر ملازمان شاہی کے زمرہ مین منسلک ہوا، اور بادشاہ کے حسن تربیت اور اس کی مہربانی کی برکت سے ایک سال مین ایک ہزار دو سو سوار کا منصب خان کا خطاب، عرض مکرر کی خدمت اور غسل خانہ کی داروغگی کا عہدہ عطا ہوا، روز بروز اس کا

[1] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۵۱ و بادشاہ نامہ ج ۱ حصہ دوم ص ۳۳۹ و ج ۲ ص ۵۵

بزرگ مولانا خواجہ کوہی کی نسل سے تھے، جہانگیر کے عہد مین لاہور آئے، اور یہان شیخ بہلول کے حلقۂ درس مین شریک ہوئے، پھر اکبر آباد پہنچے، اپنے عزیز مولانا میر کلان محدث (نبیسہ مولانا خواجہ کاہی) کی وساطت سے جہانگیر کے دربار مین باریابی حاصل کی، جہانگیر نے ان کی دین داری اور پرہیزگاری سے متاثر ہو کر، کابل کا منصب قضاد تفویض کیا، اس کے بعد جہانگیر ہی کے عہد مین شاہی لشکر کے قاضی ہوئے، شاہجہان نے ان کو اپنے زمانہ مین بھی اسی عہدہ پر مامور رکھا، اور منصب ہزاری عطا کیا، اس خدمت کو ۲۰ سال تک انجام دیتے رہے، شاہجہان ان کی بڑی قدر کرتا تھا، اس نے اپنا امام خاص بھی بنایا تھا، ۱۰۵۰ھ مین ان کو روپے مین تلوایا، جو وزن مین ساڑھے چھ ہزار تھے، ایک بار گھوڑے سے گر گئے، تو چار مہینے صاحب فراش رہے، شفا پائی تو کابل گئے، شاہجہان نے دس ہزار روپے انعام مین دیے، ۱۰۶۰ھ مین وفات پائی، مزار لاہور مین واقع ہے، ان کے لڑکے میر محمد زاہد بھی جید عالم تھے، شاہجہان نے کابل مین واقعہ نویس کے عہدہ پر مامور کیا، عالمگیر کے زمانہ مین شاہی لشکر کے محتسب رہے، پھر کابل کی صدارت تفویض کی گئی، ۱۱۰۱ھ مین کابل مین عالم جاودانی کو سدھارے، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح تہذیب علامہ دوانی، حاشیہ تصور و تصدیق ملا قطب الدین رازی، اور حاشیہ شرح ہیاکل ان کی تصانیف ہین ان کی ایک اور تالیف رسالہ میر زاہد، معقولات مین درس نظامی کی اونچی کتاب سمجھی جاتی ہے، (مآثر الکرام جلد اول ص ۲۰۷ و بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۳۴۳)

قاضی محمد سعید کرہرودی، کچھ دنون تک داروغۂ داغ رہے، پھر عرض مکرر کی خدمت انجام دی، آخر مین بیوتات کے دیوان تھے، ہزاری منصب پر فائز تھے،

ملا میرک شیخ ہروی، ہرات سے ہندوستان آئے پھر مکہ معظمہ گئے، وہان حدیث

وطن ہی مین زندگی بسر کی لیکن جب شاہجہان کا زمانہ آیا اور علماء و شعراء کی گرم بازاری ہوئی تو وہ اس کے دربار مین حاضر ہوئے، اور جب جب دربار مین باریابی حاصل کرتے صلۂ گران پاتے تھے، دو مرتبہ روپے مین تولے گئے اور وزن مین جس قدر روپیہ چڑھا ان کو مل گیا،[1] اور چند گاؤن بطور جاگیر کے انعام مین پائے، اب وہ نہایت اطمینان و فارغ البالی کے ساتھ اپنے وطن مین مقیم رہ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے علم کی اشاعت کرنے لگے، اونکی تصنیفات عرب و عجم مین پھیلی ہوئی ہین، اور وہ یہ ہین، حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ تلویح، حاشیہ مطول، حاشیہ شریفیہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ خیالی، حاشیہ شرح شمسیہ، حاشیہ حاشیہ عبد الغفور، تکملہ حاشیہ عبد الغفور، حاشیہ شرح عقائد ملا جلال دوانی، درۂ ثمینہ در اثبات واجب تعالیٰ، حواشی در کنار حکمۃ العین، حواشی در کنار شرح ہدایۂ حکمت، حواشی در کنار مراح الارواح، ۲۰ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ مین وفات پائی، اور سیالکوٹ مین مدفون ہین" (مآثر الکرام دفتر اول ص۲۰۰)

ملا محمد فاضل، بدخشان کے رہنے والے تھے، کابل، توران، اور تبریز سے علم معقول و منقول حاصل کرکے ہندوستان آئے، تفسیر اور اصول کی تعلیم ملا جمال لاہوری سے حاصل کی، اپنی لیاقت کے سبب "عدالت اردوئے کیہان" سے وابستہ ہوئے، آخر عمر مین درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، شاہجہان کی طرف سے وظیفہ مقرر تھا، (بادشاہ نامہ، عبد الحمید لاہوری ص۳۴۲ ج ۱ حصہ دوم)

عبد السلام دیوی، معقول منقول، فقہ اور اصول فقہ مین مہارت تامہ رکھتے تھے، شاہی فوج کیساتھ منسلک تھے،

قاضی محمد اسلم۔ ہرات مین پیدا ہوئے، مگر کابل مین سکونت اختیار کی، خراسان کے مشہور

---

[1] مزید تائید کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ ج ۱ حصہ ۲ ص ۲۴۱

میر محمد صالح مشکین قلم، میر عبد اللہ زرین رقم کا لڑکا تھا، ایک کتاب مناقب مرتضوی لکھ کر شاہجہان کو گذرانی، شاہجہان نے چند ورق دیکھے، تو بہت پسند کی، پانچ ہزار روپے اور ایک ہاتھی انعام مین دیا،[۱]

اس عہد کے اور دوسرے علما و مشائخ کے نام یہ ہین، شیخ عبد الحق دہلوی، ملا یوسف، ملا عبد السلام لاہوری، مولانا محب علی، سید محمد رضوی، میان میر، سید جلال خواجہ خاوند محمود، خواجہ اسحق دہبیدی حجازی، ملا شاہ بدخشی، ملا خواجہ، شیخ بلاول قادری، شیخ پیر، میر حسام الدین بدخشی، شیخ ابو المعالی اور شیخ ناظر، ان کے فیوض و برکات کا ذکر عبد الحمید لاہوری کی تاریخ بادشاہنامہ جلد اول حصہ دوم مین ملے گا،

مورخین شاہان مغلیہ کو تاریخ سے خاص ذوق تھا، اس لیے ہر حکمران کے دور حکومت مین تاریخ نویسی کا باضابطہ محکمہ قائم تھا، شاہجہان نے اپنے عہد کی تاریخ نویسی کے لیے متعدد اہل قلم کی خدمات حاصل کین، چنانچہ اس کی فرمائش سے جو تاریخین مرتب ہوئین وہ مندرجہ ذیل ہین،

۱- بادشاہ نامہ از محمد امین قزوینی،

۲- بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری،

۳- بادشاہ نامہ از محمد وارث،

۴- شاہجہان نامہ از مرزا جلال الدین طباطبائی،

محمد امین قزوینی، محمد امین بن ابو الحسین قزوینی ایران سے آکر پانچوین سنہ جلوس مین شاہجہانی دربار مین منشی کے عہدہ پر مامور ہوا، شاہجہان اپنے دربار کے تاریخ نویسوں کے کام سے خوش نہین تھا، وہ ایک لائق اہل قلم کی تلاش مین تھا، اتفاق سے قزوینی نے بندیلہ کی جنگ

[۱] خافی خان جلد اول ص ۶۰۵،

کی تعلیم حاصل کرکے ہندوستان آئے، تو شاہجہان نے دارا شکوہ اور مراد بخش کی تعلیم کے لیے مقرر کیا،

ملا عبد اللطیف سلطانپوری، تقریر و تحریر اور علمی تحقیق مین یگانۂ روزگار تھے، دارا شکوہ اور اورنگ زیب کی تعلیم کے لیے مقرر تھے، آنکھون کی بصارت جاتی رہی، تو شاہجہان نے چند مکانات ان کو بطور انعام دیے، اور اجازت دی کر وطن جاکر علوم دینیہ کا درس دین،

میر محمد ہاشم گیلانی، معقولات، منقولات، طب اور ریاضی کے عالم تھے، بارہ سال حرمین شریفین مین رہ کر تعلیم پائی، منقولات مین شیخ محمد عربی محدث، شیخ عبد الرحیم حسائی اور ملا علی نبیرۂ ملا عصام الدین کے شاگرد تھے، اور معقولات مین میر نصیر الدین حسین اور مرزا ابراہیم ہمدانی سے تحصیل علم کی، طب حکیم علی گیلانی سے پڑھی، شاہجہان نے ان کی لیاقت کو دیکھکر تمام ملک کی "صدارت و طبابت" کی خدمت پر مامور کیا، پھر اورنگ زیب کی تعلیم انہی کے سپرد کی گئی، تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھکر شاہجہان کے نام معنون کیا،

شیخ محمد، اکبری عہد کے مشہور طبیب حکیم الملک کے پوتے تھے، مکہ معظمہ مین پیدا ہوئے وہان سے تعلیم حاصل کرکے ہندوستان آئے، پرہیزگاری، نیک کرداری اور دوسرے فضائل سے متصف تھے، شاہجہان نے انھین دار السلطنت کا میر عدل مقرر کیا،[۵۱]

ملا فرید دہلوی، یمین الدولہ آصف خان کے حسن اہتمام سے ملا فرید دہلوی نے اور منجمون کی مدد سے ایک زیچ تیار کی جس کا نام زیچ شاہجہانی رکھا، اس مین زیچ الغ بیگ کے بعض مسامحات بھی دکھائے گئے ہین، شاہجہان کے سامنے جب یہ زیچ پیش کی گئی، تو اس نے عام استفادہ کی خاطر ہندوستان کی زبان مین ترجمہ کے لیے حکم دیا،[۵۲]

---

۵۱ مذکورہ بالا علماء کے حالات کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ ج ۱ از عبد الحمید لاہوری ص ۳۴۶ - ۳۳۹،

۵۲ عمل صالح ج ۱ ص ۳۶۱،

بیان ، وا پرداختہ در معمورہ پٹنہ بزاویہ تنہائی ، و بیغولہ بے نوائی درساختہ است ، روش سخن پردازی و طراز انشا طرازی شیخ ابوالفضل نیک فراگرفتہ ، اگر نگارش معالی و مکارم این دولت والا و گذارش محامد و مآثر این سلطنت دست بالا ، ید و باز گذاشتہ آید ، آئینہ این تالیف منیف و این تصنیف شریف بنہجے کہ در خاطر دوربین صواب گزین مرکوز است نگاشتہ بود ،"[1]

یہ تصنیف شاہجہان کی بیس سال کی حکومت کی تاریخ ہے عمل صالح کا مصنف لکھتا ہے کہ شاہجہان اس کی خدمت سے اسقدر خوش تھا کہ اس نے دو مرتبہ اس کو روپے مین تلوا کر انعام عطا کیا ،[2]

محمد وارث ، آخر مین کبر سنی اور ضعف کے سبب عبدالحمید اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا ، اسلیے اسکے شاگرد محمد وارث کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی ، جس نے بقیہ دس سال کی تاریخ کو مکمل کیا ، وارث لکھتا تھا اور علامی فہامی سعداللہ خان دیکھتے تھے ، پھر علاء الملک طونی المخاطب بہ فاضل خان جو شاہجہانی عہد مین خانساماں کے عہدہ پر ممتاز تھا اور اورنگ زیب کے زمانہ مین وزیر ہوا ، اس پر نظر ثانی کرتا تھا ، آخر کا کچھ حصہ اس نے خود لکھا ،[3]

مرزا جلالہ طبا طبائی ، اصفہان سے ہندوستان ۱۰۴۶ھ مین آیا ، شاہجہان کے دربار مورخین مین داخل ہوا ، پانچ برس کی تاریخ لکھنے پایا تھا ، کہ دشمنون نے اس کے خلاف سازش کی ، اور وہ اس خدمت سے محروم کر دیا گیا ، "شش فتح کانگڑہ" اسی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے ، اس مین شاہجہان کی شاندار فتح کا حال لکھا ہے ، اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی تحریر مین چھ قسم کا طرز اختیار کیا ہے ،[4]

---

[1] بادشاہنامہ ج ۱ ص ۱۰ [2] عمل صالح [3] ایضاً ج ، ص ۱۲۱ [4] اس عہد کے اور بھی مشہور تاریخین ہیں ، مثلاً محمد صالح کی عمل صالح و مسعودہ ین اور محمد صادق خان کی شاہجہان نامہ ، مگر ان مورخون کا بظاہر کوئی تعلق شاہی دربار سے نہین معلوم ہوتا ہے ، اس لیے اس کتاب میں ان کا ذکر ضروری نہین سمجھا گیا ،

حالات لکھکر پیش کئے، شاہجہان اس کی لیاقت سے خوش ہوا، ۱۰۴۵ھ یعنی سنہ جلوس مین قزوینی سے فرمایش کی کہ وہ اس کی پیدایش سے لیکر اس عہد تک کی ایک مفصل تاریخ لکھے، قزوینی نے ابتدائی دس سال کے احوال قلمبند کئے، دوسرے دس سال کی تاریخ لکھنا چاہتا تھا لیکن بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر نہ لکھ سکا،[۱] عمل صالح مین اسکی حیثیت و قابلیت کا ذکر ان الفاظ مین ہے:-

"مرزا امینا در اصطلاحات زبان فارسی مہارت تمام دارد و قاعدہ فن انشا را بقانون
می شناسد، شاہد سخنش از لباس تکلف مبراست و صاحب طبع و ذہن مستقیم و فکر رسا،
سابق خدمت نگارش بادشاہ نامہ بدو متعلق بود و بعد ازان بخدمت جمع وقائع می پرداخت
مردے خوش ظاہر و خوش محاورہ بود"

عبدالحمید لاہوری، عبدالحمید کا مولد اور مسکن لاہور تھا، علامی ابوالفضل کا شاگرد تھا، اس لیے اسی کے طرز انشا مین لکھنے کی مہارت پیدا کی، لیکن زمانہ کی نا مساعدت سے ٹھٹھہ مین[۲] آکر عزلت نشین ہوگیا تھا، اس کے ادب و انشا کی خبر شاہجہان کو ملی، تو اس نے اس کو دربار مین طلب کیا، شاہجہان چاہتا تھا کہ ابوالفضل کی "اکبرنامہ" کے طرز پر اس کی حکومت کی بھی تاریخ لکھی جائے، چنانچہ اسی خواہش کو ملحوظ رکھتے ہوئے عبدالحمید کو تاریخ نویسی کے لیے مامور کیا، عبدالحمید خود لکھتا ہے:-

"بوسیلۂ بعضی از ملتزمان بساط تقرب بعرض اشرف اقدس رسید، کہ عبدالحمید لاہوری
المولد و المنشا، کہ دل رمیدہ را از اختلاط این و آن و خاطر شوریدہ را از ارتباط فلان و

[۱] ایلیٹ ج ۷، ص ۱، برٹش میوزیم کیٹلاگ ص ۲۵۹ [۲] ایلیٹ ٹھٹھہ کے بجائے پٹنہ لکھتا ہے، ایشیاٹک سوسائٹی کے مطبوعہ نسخہ مین بھی پٹنہ لکھا ہے، لیکن اورنٹیل لائبریری پٹنہ کے فاضل کیٹلاگر نے صاف طور سے بتایا ہے کہ پٹنہ نہیں ہے بلکہ ٹھٹھہ ہے، پٹنہ کتابت اور پڑھنے کی غلطی ہے، ملاحظہ ہو کیٹلاگ ج ۷، ص ۴۶

نے نہ صرف یہ کہ ان کو بجنسہ قائم رہنے دیا، بلکہ انھیں فروغ دینے کی کوشش کی، ان کے علاوہ جامع مسجد دہلی کے جوار میں اس نے ایک مدرسہ دار البقا نامی قائم کیا، جس میں طلبہ معقول و منقول کی تعلیم حاصل کرتے تھے، [1]

اس مدرسہ کا فیض عرصہ تک جاری رہا، کچھ عرصہ کے بعد اس کی عمارتیں مرمت طلب ہو گئیں، تو صدر الدین خان بہادر صدر الصدور شاہجہان آباد نے ایک کثیر رقم خرچ کر کے از سر نو تعمیر کرائیں، اور وہاں کے طلبہ کے کھانے اور کپڑے کے اخراجات خود ہی برداشت کیے،

[1] آثار الصنادید از سید احمد خان باب تیسرا ص ۱۲

خوشنویس | تیموریون نے اپنے دور میں فن خطاطی کو بھی بڑی ترقی دی، اکبری عہد کے خطاطون کا ذکر کیا جاچکا ہے، جہانگیر کو مصوری کے ساتھ اس فن سے بھی گہری دلچسپی تھی اور اس نے اپنے تمام لڑکوں کو اس کی خاص طور پر تعلیم دلائی، شہزادہ خسرو کی خوش خطی مشہور تھی، سلطان پرویز کلام اللہ کی کتابت مین اکثر مشغول رہتا، خود شاہجہان خط نستعلیق کا بڑا ماہر تھا، اس کی سرپرستی مین سید علی خان الحسینی جواہر رقم، عبدالباقی خداداد یاقوت رقم، محمد مراد شیرین قلم، میر صالح ولد عبداللہ مشکین رقم، ملا باقر کشمیری، محمد حسین کشمیری، مقصود علی، میر محمد کاشی، حافظ عبدالرحمن رشیدائی، عبداللہ، شکراللہ، محمد مقیم، محمد جعفر، کفایت خان، درایت خان، محمد اکبر اور محمد موسی نے نستعلیق تعلیق، نسخ اور شکستہ لکھنے مین بڑا کمال پیدا کیا، شاہجہان میر عماد الحسینی قزوینی کی خطاطی کا بڑا دلدادہ تھا، میر عماد ہندوستان نہین آیا، لیکن شاہجہان کی خدمت مین جب کوئی اس کی خطاطی کا کوئی نمونہ نذر کرتا، تو شاہجہان اس کو انعام مین یکصدی منصب عطا کرتا تھا، عبدالرشید دیلمی میر عماد کا بھانجہ اور شاگرد بھی تھا، وہ ہندوستان آیا تو دارا کا استاد مقرر ہوا، جس کے بعد اس نے دربار مین بڑا رسوخ حاصل کیا، تذکرۂ خوشنویسان کے مولف نے اس کو ملک خطاطی کا پیغمبر کہا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ فن اسی کے ساتھ ختم ہوگیا، اس کے ممتاز شاگردون مین داراشکوہ کے علاوہ، محمد اشرف خواجہ سرا، سعیدای اشرف، عبدالرحمن اور میر حاجی وغیرہ تھے،[۱]

کتب خانہ | شاہی کتب خانہ کا داروغہ بعض اوقات خوشنویسون ہی مین سے مقرر ہوتا تھا، چنانچہ ۱۰۵۵ھ تک اس خدمت کو عبدالرحمن رشیدائی نے انجام دیا تھا، اس کے بعد میر صالح ولد عبداللہ مشکین رقم اس عہدہ پر متعین ہوا،[۲]

درسگاہین | ان درسگاہون کو جو اکبر و جہانگیر اور ان کے امراء نے قائم کین شاہجہان

---

[۱] تذکرہ خوشنویسان ص ۹۰-۱۰۵ [۲] شاہجہان نامہ ص ۵۰۵ ج ۲

یہ الفاظ اورنگ زیب کے اس سوانح نگار کے ہیں جس نے اس کے خلاف تعصب اور عداوت کا اظہار کرنا اپنی زندگی کا واحد اور معنی نیز مقصد قرار دیا ہے، مگر اورنگ زیب کے علمی کمالات کے لیے مذکورۂ بالا تعریفی کلمات بادل ناخواستہ شاید اس لیے لکھ دیے گئے ہیں کہ اس عظیم المرتبت اور جلیل القدر فرمانروا کے آفتاب علم پر خاک ڈالنے کی کوشش بے سود ہوتی،

اورنگ زیب کی تعلیم لائق اور قابل اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی، جن ارباب علم و کمال سے اس نے فیض حاصل کیا، ان کے نام یہ ہیں:۔

مولانا عبد اللطیف سلطانپوری، مولانا ہاشم گیلانی، علامی سعد اللہ، ملا موہن بہاری، مولانا سید محمد قنوجی، ملا شیخ احمد معروف بہ ملا جیون، شیخ عبد القوی، دانشمند خان، [۱]

مولانا عبد اللطیف سلطانپوری، مولانا ہاشم گیلانی، اور علامی سعد اللہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

مولانا عبد اللطیف کے بارے میں اورنگ زیب کہا کرتا تھا کہ میرے تمام استادوں میں ان کا حق زیادہ ہے، کیونکہ وہ میری تعلیم میں کسی قسم کی مداہنت اور تساہل کو راہ نہ دیتے تھے، [۲]

ملا موہن کا اصلی نام محی الدین تھا، قصبہ بہار شریف کے رہنے والے تھے، نو سال کی عمر میں کلام پاک حفظ کیا، حضرت شاہ حیدر نبیرہ شیخ وجیہ الدین گجراتی سے شرف بیعت حاصل کیا، شاہجہان کے دربار سے منسلک ہوئے، تو اورنگ زیب کی تعلیم کی بھی خدمت ان کے سپرد ہوئی، ؁۱۰۸۰ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وطن ہی میں وفات پائی،

---

[۱] اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت اور انشاء و ادب پر جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے سابق رفیق دار المصنفین (حال پروفیسر اسماعیل کالج بمبئی) نے مقدمۂ رقعات عالمگیر (سلسلۂ دار المصنفین) میں نہایت فاضلانہ بحث کی ہے، راقم الحروف نے اس سے بھی استفادہ کیا ہے،

[۲] مرآۃ العالم قلمی نسخہ دار المصنفین، ورق ۳۱۹،

عالمگیر

"جسمانی ہمت اور تمکنت کے علاوہ اس نے اوائل زندگی ہی سے بادشاہت کی مشقتوں اور خطروں کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا، اور اس عظیم الشان عہدہ کے لیے احترام ذات، معرفت ذات اور ضبط نفس سے اپنے کو تیار کیا، بادشاہوں کے لڑکوں سے بالکل مختلف اورنگ زیب ایک وسیع النظر اور سلیم الفطرت عالم تھا، اور زندگی کی آخری سانس تک کتابوں سے محبت کرتا رہا، اگر ہم قرآن شریف کے ان متعدد نسخوں کو نظر انداز بھی کر دیں، جن کو اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک عابد کی سرگرم ریاضت کے ساتھ لکھا، تو بھی ہم اس کو فراموش نہیں کر سکتے، کہ وہ ایک مشغول حکمران ہونے کے باوجود اپنی قلیل فرصت کو عربی کی فقہی اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں شوق سے گذارتا، اور پرانے اور نادر مخطوطات مثلاً نہایہ، احیاء العلوم اور دیوان صائب کو کتابوں کے ایک کامل عاشق کی ہوس سے ڈھونڈتا، اس کے کثیر رقعات اس کی فارسی شاعری اور عربی ادب پر قدرت کی دلیل ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے ایک خط کو مناسب اشعار و اقتباسات سے مزین کرتا ہے، عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی اور ہندی بھی آزادی کے ساتھ بول سکتا تھا، یہ اسی کی جودت طبع اور سرپرستی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ فتاوی عالمگیری ہے، جو نہایت مناسب طور پر اسی کے نام کے ساتھ منسوب ہے اور جس نے بعد کے عہد میں ہندوستان میں اسلامی نظام عدل کو واضح طور پر آسان کر دیا ہے۔"[1]

[1] اورنگ زیب مصنفہ جادوناتھ سرکار صفحہ ۴۸۴،

اطاعت گذاری کے قصے اور لطیفے آج بھی مجلسون مین بیان کئے جاتے ہین، ملا صاحب کی پوری عمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف مین گذری، حرمین شریفین کی زیارت کو گئے تو مدینہ مین ربیع الاول ۱۱۰۵ھ مین منار کی شرح نور الانوار کے نام سے لکھنی شروع کی، ۷ جمادی الاول ۱۱۰۵ھ کو یہ شرح ختم کی، اور کسی کتاب سے مدد نہ لی، ان کی تفسیر احمدی آجتک مشہور ہے، ۱۱۳۰ھ مین دہلی مین وفات پائی، مگر امیٹھی مین دفن ہین،[۱]

شیخ عبد القوی برہان پوری اپنے علم وفضل، سچائی اور سلامت روی کے لیے مشہور تھے، اس لیے اورنگ زیب کے استاد مقرر ہوئے، اورنگ زیب نے جب زمام سلطنت سنبھالی تو ان کو ہزار وپانصدی کا منصب عطا کیا،[۲] اور اس کے مقرب خاص رہے، وہ ان کو اخوند کہا کرتا تھا، اور خلوت مین بلاکر ان کے مشورون سے مستفید ہوتا تھا، اسی لیے جلوس کے چوتھے سال اعتماد خان کا بھی خطاب دیا، تفسیر کے عالم ہونے کے علاوہ شرعی احکام یعنی فقہی جزئیات کا بھی بڑا لحاظ رکھتے تھے، احتساب مین بھی بہت سخت تھے، حضرت سرمد کی برہنگی کا سوال اٹھا تو عالمگیر نے ان ہی کو حضرت سرمد سے بازپرس کرنے کا حکم دیا، اور جب وہ ان کے سامنے لائے گئے، تو اپنی برہنگی کی وجہ یہ بتائی کہ شیطان قوی ہے اور پھر یہ رباعی پڑھی

خوش بالائے کردہ چنین پست مرا | چشمے بدو جام بردہ از دست مرا

او در بغل من است ومن در طلبش | دردے عجبے برہنہ کردہ است مرا

شیخ عبد القوی مطمئن نہین ہوے، مزید یہ کہ حضرت سرمد کی حسب ذیل رباعی سے ان کو انکار معراج کا بھی مجرم قرار دیا،

---

[۱] تذکرہ علماے ہند ی ص۲۶۴ [۲] مراۃ العالم مین ہے کہ دو ہزار وپانصدی کا منصب ملا (ورق ۲۰۶)

مولانا سید محمد قنوجی ریاضی اور ادب کے ماہر تھے، عالمگیر نے امام غزالی کی اکثر کتابیں خصوصاً احیاء العلوم ان ہی سے پڑھی، تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد بھی عالمگیر نے ان سے استفادہ جاری رکھا، اور ہفتہ میں تین روز اس کے یہاں علمی مجلس ہوتی، جس میں مولانا محمد قنوجی ضرور شرکت کرتے. فتاوی عالمگیری کی تدوین میں بھی وہ شریک رہے،[۱] ۱۱۰۱ھ وہ اجمیر جاکر عالمگیر سے ملے تھے ؛ اس کا ذکر ماثر عالمگیری کا مؤلف اس طرح کرتا ہے:-

"بیس محرم کو جامع الکمالات میر محمد قنوجی تخنگاہ سے آستانۂ شاہی پر حاضر ہوئے، اور شرف یابی سے شادکام ہو کر ایک ہزار روپیہ و دو خوان میوہ کے عطیات سے سرفراز ہوئے"[۲]

عالمگیر اپنے بعض اہم خانگی کام ان ہی کی نگرانی میں انجام دلاتا تھا، مثلاً شاہجہان کی تجہیز و تکفین شاہی غسل خانہ میں ہوئی، تو وہ بھی موجود رہے، شاہزادہ محمد اعظم کا نکاح ان ہی کی وکالت میں انجام پایا[۳] ان کے لڑکے سید احمد خان کو عالمگیر نے محتسب کے عہدہ پر مامور کیا تھا[۴]

ملا جیون کا اصلی نام شیخ احمد تھا، صدیقی تھے، امیٹھی ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے، کلام پاک حفظ کر کے اپنے عہد کے تمام ممتاز علماء سے تعلیم پائی، ملا لطف اللہ کوڑہ جہان آبادی سے فاتحۂ فراغ پڑھا، حافظہ بڑا قوی رکھتے تھے، ایک بار کوئی قصیدہ سن لیتے تو وہ پورا یاد ہو جاتا درس کی کتابوں کی عبارت بغیر دیکھے پڑھتے، عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہوئے تو اس نے ان سے بہت سی کتابیں پڑھیں، اور پھر زندگی بھر ان کا احترام کرتا رہا، ان سے اسی طرح ادب سے پیش آتا جس طرح بچے باپ سے پیش آتے ہیں، ملا صاحب کے بھولے پن اور عالمگیر کی سعادت مندانہ

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۹، [۲] ماثر عالمگیری ص ۵۱۴، اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ [۳] ایضاً ص ۳۰، ۵۲ [۴] ایضاً ص ۶۵،

سے سرفراز کئے گئے۔ شاہجہان کے آخری زمانہ حکومت مین کسی سبب سے گوشہ نشین ہو گئے تھے جب اورنگ زیب تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو پھر شاہی لطف وکرم سے نوازے گئے، میر بخشی اور مختلف عہدون کی خدمت ان کے سپرد ہوتی رہی، پنجہزاری منصب بھی عطا ہوا، فرحۃ الناظرین مین ہے کہ عالمگیر بادشاہ ہونے کے بعد بھی ان سے خاص خاص کتابین پڑھا کرتا تھا، امام غزالی کی احیاء العلوم ان ہی سے آخر تک پڑھی۔ دانشمند خان کے بارے مین مآثر الامراء مین ہے:

"امیر موصوف اپنے زمانہ کے بڑے فضلا مین سے تھے، نیک نفسی اور نیک اندیشی مین مشہور تھے۔ ان کے بعد اب تک نئے لوگون مین جنھون نے فضیلت اور امارت کو ایک ساتھ جمع کر لیا تھا، کوئی ان کے درجہ کا نہین پیدا ہوا"[1]

۱۰۸۱ھ مین وفات پائی،

اورنگ زیب کو علوم دینیہ سے فطری رغبت تھی، لائق اور فاضل اساتذہ کی نگرانی مین ان علوم سے اس کا شغف اور بھی زیادہ بڑھا، عالمگیر نامہ مین ہے:-

از کمالات کسبیہ آنحضرت کہ زینت بخش حالات قدسیہ وہبیہ گشتہ، تتبع علوم دینیہ از حدیث وتفسیر عربیہ وفقہ شریف حنفیہ است، از بس بممارست مراتب شرعیہ واستکشاف عقائد اصلیہ ومسائل شرعیہ اشتغال ورزیدہ اند، قوت حافظۂ اشرف، مخزن این حقائق شدہ وبسیاری از کتب طریقت وسلوک واخلاق چون احیاء العلوم وکیمیاے سعادت ودیگر تصانیف عرفا واکابر، رسائل ومولفات علماے باطن وظاہری بمطالعہ ہمایون

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص ۳۲ - ۳۰ نیز دیکھو مراۃ العالم قلمی ورق ۲۹۷، واقتباس فرحۃ الناظرین لاہور ص ۷۱

آن کو سر حقیقتش یا ور شد　　خود ہین تر از سپہر بہنا ور شد
ملا گوید کہ بر شد احمد بفلک　　سرمد گوید فلک با حمد در شد

اور اس کے بعد دوسرے فقہا کی رائے لیکر حضرت سرمد کے قتل کا حکم صادر کیا،

شیخ عبد القوی ایک جاسوس کے جرم کی تفتیش کے سلسلہ مین قتل ہوئے تو عالمگیر اپنے محبوب استاد کی موت پر بڑا متاسف اور دلگیر ہوا، ان کی اولاد کو اپنی نوازشون سے سرفراز کرتا رہا[1]

دانشمند خان خطاب، نام ملا شفیعائی. اور وطن یزد تھا، ایران مین معقولات ومنقولات کی تعلیم پاکر تجارت کے سلسلہ سے ہندوستان آئے، مگر تجارت کرنے کے بجائے شاہی فوج سے منسلک ہو گئے لیکن اس ملازمت سے بددل ہو کر وطن واپس جانے لگے شاہجہان کے مقربین نے ان کی استعداد ولیاقت کا ذکر اس سے کیا، تو اس نے فوراً شاہی فرمان بھیجکر ان کو دربار مین طلب کیا، وہ سورت پہنچ چکے تھے لیکن شاہی حکم پاکر لوٹے، دربار مین پہنچے تو شاہجہان نے ان کی لیاقت کو جانچنا چاہا، ایک روز علمی مجلس منعقد کرائی جس مین ملا عبد الحکیم سیالکوٹی خاص طور پر مدعو کئے گئے، شاہجہان کی فرمایش سے ملا شفیعائی یزدی اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی مین علمی مذاکرہ شروع ہوا، بادشاہ نے علامی سعد اللہ کو حکم مقرر کیا، بحث ایاك نعبد وایاك نستعین کی تفسیر پر تھی، ملا عبد الحکیم اور ملا شفیعائی نے اہم نکتے بیان کئے، اور جب بحث ختم ہوئی تو علامی سعد اللہ کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ دونون مین سے کس کا علم زیادہ گہرا اور وسیع ہے، شاہجہان ملا شفیعائی کی فصاحت گفتار سے خوش ہوا اور شاہی ملازمین کے زمرہ مین داخل کر لیا، وہ رفتہ رفتہ ترقی کر کے میر بخشی کے عہدہ پر مامور ہوئے، اور دانشمند خان کے خطاب اور سہ ہزاری ہشت صد سوار کے منصب

[1] مآثر الامراء ج ۲ ص ۲۹-۲۲۶، مرآۃ العالم ورق ۲۹۰

یاد تھا، اور اس امر مین بے حد اہتمام فرماتے تھے کہ کلام الٰہی کو نہایت صحت کے ساتھ یاد رکھین، قصۂ عالم کے شروع حفظ کی تاریخ خود قرآن کریم کی آیت سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ہے، اور ختم کلام مجید کا سنہ نُوْحٌ محفوظ کے اعداد سے برآمد ہوتا ہے، (۱۰۸۵ھ)

اورنگ زیب فن خطاطی مین ید طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اس نے سید علی خان الحسینی جواہر رقم[۱] اور عبد الباقی حداد (عبد اللہ) سے سیکھا،[۲] چنانچہ اسکو خط نسخ اور خط نستعلیق لکھنے مین کامل مہارت تھی، منشی کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے:-

از رتبۂ خط وحسن تحریر آن شہنشاہ فلاطون فطنت سکندر نظیر کہ صفحات روزگار و اوراق دفاتر لیل و نہار ازان زینت پذیر است خامۂ نکتہ پرواز جادو فن را چہ یارائے دم زدن بقدرت کلک بدائع آثار معنی استادی و سحر نگاری را چنان بر کرسی نشانیدہ اند کہ دست استادان اقالیم سبعہ خطدان نتواند رسید و برشحۂ فیض انامل در بار نہال موزون قلم را در خوشنویسی شاخ و برگی بخشید کہ یکتایان صنعت خط از تتبع آن شیوہ جز خجلت ثمری نتوانند چید، خط نسخ آن حضرت کہ رقم نسخ خط یاقوت و صیرفی تواند بود، در غایت پختگی و مزہ و متانت و اسلوب است و کمال قدرت در نوشتن آن دارند، اکثر اوقات توفیق ثواب اندوزی کتابت کلام اللہ از ضمائم عبادات و کرائم عادات آن شہنشاہ دین پناہ است،...... خط نستعلیق آنحضرت بے شائبہ اطرای مدح طرازی و اغراق نکتہ پردازی دران رتبہ است کہ قطعہائے کہ در عین ایام ذوق و ہر گرمی مشق رقم پذیر خامہ اشرف گشتہ بقطعہائے خوب استادان کہ عمر گرانمایہ صرف تحصیل آن سرمایہ ساختہ بتکمیل امرے دیگر نپرداختہ اند در نظر خط شناسان مبصر مشتبہ می شود، و شکستہ نیز در غایت مغز داری و صفا متانت و پختگی می نویسند،[۳]

۱؎ تاریخ خوشنویسان سند ۵ ۲؎ ایضاً ص ۱۲۵ ۳؎ عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۲

رسید مل..... عضلات و کشف اسرار آن فرمودہ اند و بالفعل نیز بعد فراغ از نظم مہام سلطنت و سروری تمہید مراسم دین پروری و عدالت گستری باین شرف اشتغال ہمیشگی دارند[1]

اسی چیز کو مآثر عالمگیری کا مصنف ان مختصر الفاظ میں پیش کرتا ہے،

قبلہ عالم کے کمالات کسبیہ کا عظیم الشان کارنامہ علوم دینیہ یعنی فقہ و تفسیر و حدیث کی تحصیل ہے، جہان پناہ کو حضرت امام غزالی کی تصنیفات، شیخ شرف الدین بخشی منیری کے منظومات اور شیخ زین الدین وقطب الدین محی الدین شیرازی کے رسائل سے خاص شوق تھا، اور یہ کتابیں اکثر مطالعے میں رہتی تھیں[2]

اورنگ زیب حافظ قرآن بھی تھا، اور یہ سعادت تیموری بادشاہوں میں صرف اسی کو حاصل تھی، اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس نے کلام پاک اس وقت حفظ کیا جب وہ اپنی عمر کے تینتالیسویں سال میں تھا، اور یہ دولت صرف ایک سال کے اندر جمع کی ۱۰۷۰ھ میں حفظ کرنا شروع کیا، اور ۱۰۷۱ھ میں ختم کیا، سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ سے ابتدا کی اور لوح محفوظ سے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے۔ اورنگ زیب کے ایک درباری شاعر نے اس موقع پر یہ شعر کہا:

تو حامی شرع و حامی تو شارع　　　تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو[3]

مآثر عالمگیری میں ہے:۔

حضرت کے فضائل میں سب سے اہم و عظیم الشان امر حفظ قرآن مجید کی سعادت ہے، اگرچہ ابتدا ہی سے قبلہ عالم کو اکثر سورتیں قرآن مجید کی حفظ تھیں، لیکن تمام و کمال کلام پاک کے حفظ سے بعد جلوس بہرہ اندوز ہوئے، حضرت کو قرآن پاک بہت اچھا

---

[1] عالمگیر نامہ ص۱۰۹۰، [2] مآثر عالمگیری ص۵۳۰، [3] عالمگیر نامہ ص۹۹۲ و مرآۃ العالم قلمی نسخہ،

اور دونون نسخے مدینہ منورہ مین حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بطور نذر رکھوا دیئے[1]

اورنگزیب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کلام پاک کے نسخے آج بھی ہندوستان کے مختلف حصون مین پائے جاتے ہین، ایک نسخہ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن کی ملکیت مین ہے، دوسرا جناب مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دیوانی حیدرآباد کے پاس ہے، تیسرا نواب صاحب مانگرول کے پاس ہے، جس کا عکس جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے شائع بھی کر دیا ہے، مگر یہ نسخہ مشکوک ہے، ایک پنج سورہ وکٹوریہ میموریل کلکتہ مین ہے[2]،

اور عبرت کی بات یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے ملک اور سب سے بڑی مملکت کے شہنشاہ نے کلام پاک کے انہی نسخون کے ہدیہ کی رقمون کو اپنی آخرت کی نجات کا ذریعہ سمجھا، چنانچہ اپنے وصیت نامہ مین لکھتا ہے:-

"چہار روپیہ و دو آنہ از وجہ کلاہ دوزی نزد آیہ بیگ محلدار است بگیرند، و صرف کفن این بیچارہ نمایند، و سہ صد و پنج روپیہ از وجہ کتابت قرآن در حرف خاص است، روز وفات بفقرا دہند[3]"

عالمگیر نے سلوک و طریقت کی بھی تعلیم پائی، اس سلسلہ مین وہ حضرت مجدد الف ثانی رح کی تعلیمات سے متاثر تھا، اسی لیے ان کے فرزند ارجمند حضرت محمد معصوم قدس سرہٗ کے رشد و ہدایت سے مستفید ہوتا رہا[4]، عہد اکبری مین بعض علمائے سو کی فتنہ سامانیون کی وجہ سے عام مسلمان اسلامی شعائر

---

۱ مراۃ العالم مین بھی ہے "دو قرآن مجید بخط اقدس صورت ترتیب پذیرفتہ، و مبلغ ہفت ہزار روپیہ بر لوح و جدول آن صرف شدہ، باماکن شریفہ ترسیل یافتہ" ۲ تفصیلات کے لیے دیکھو مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف ندوی ج ۱، ۳ سرکار، احکام عالمگیری صفحہ ۱۳۱ طبع ثانی، بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر از سید نجیب اشرف ندوی

۴ خزینۃ الاصفیا صفحہ ۴۱۶،

مآثر عالمگیری مین ہے،

"قبلۂ عالم خط نستعلیق و شکستہ بھی بہت خوب لکھتے تھے۔ ان خطوط مین حضرت کو کمال حاصل تھا"[۱]

بختاور خان مراۃ العالم مین لکھتا ہے،

"در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ"

اورنگ زیب نے خطاطی کا فن محض ذاتی زیب و زینت کے لیے نہین سیکھا تھا، بلکہ اس کے ذریعہ سے حصول سعادت دین کے ساتھ ساتھ کسب معاش دنیا بھی کیا کرتا تھا، وہ فرصت کے اوقات مین عموماً صبح کو پانچ بجے سے سات بجے تک اور سہ پہر کو ۲½ بجے سے ۵ تک کلام مجید کے نسخے اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا جس کا سلسلہ اس نے ایام شہزادگی سے لے کر آخر عمر تک جاری رکھا، عالمگیر نامہ مین ہے، (صـ۱۰۹۲)

"شہزادگی کے زمانہ مین بہت سے تحفون اور رقم خطیر کے ساتھ ایک مصحف لکھ کر بھیجا تاکہ وہان اس کی تلاوت ہو، تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد شاہانہ مشاغل کی کثرت کے باوجود مصحف کی کتابت اور عبادات و وظائف کے لیے بھی وقت الگ کر رکھا تھا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ مین ایک اور مصحف کی تکمیل کی، ان دو مصحفون کے علاوہ پنج سورہ اور دوسری قرآنی سورتین بھی لکھین۔ (یہ عبارت اصل کی ترجمہ ہے)

مآثر عالمگیری مین ہے کہ عالمگیر نے دو مصحف مدینہ منورہ بھیجے۔

قبلۂ عالم خط نسخ نہایت خوب تحریر فرماتے تھے، اور اس کی کتابت مین حضرت کو خاص قدرت حاصل تھی، جہان پناہ نے دو قرآن مجید اپنے قلم خاص سے تحریر فرما کر بمبلغ سات ہزار روپے ان کی جلد بندی اور جدول کی زیب و زینت مین صرف فرما دیے۔

---

[۱] مآثر عالمگیری ۵۳۳ و مراۃ العالم

احوال حاصل ہون تو وہ اس کے حق مین استدراج ہے، احوال باطنی کا احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے، اگر علوم لدنیہ کی مطابقت صریح علوم شرعیہ سے نہین تو ایسے تمام علوم کو حاصل کرنا الحاد اور بے دینی ہے،[۱] طریقہ سنت سے ہٹ کر جو ریاضتین اور مجاہدے لوگ کرتے ہین، ان کا کچھ وزن و اعتبار نہین' ایسی ریاضتین تو یونان کے فلسفی اور ہندوستان کے برہمن اور جوگی بھی کرتے ہین، لیکن ان کو گمراہی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہین ہوتا،[۲] نامشروع طریقون سے جو احوال و کیفیات مترتب ہون وہ استدراج ہین، احکام شرعیہ کے اثبات مین صرف کتاب و سنت کا اعتبار ہے، اور قیاس و اجماع امت بھی مثبت احکام ہین، ان چار ادلہ شرعیہ کے بعد کوئی ایسی دلیل نہین جس سے احکام ثابت ہون،[۳]

ہم نے حضرت مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا بہت سرسری خاکہ پیش کیا ہے، عالمگیر نے ان تعلیمات کی تمام جزئیات کا خود بھی مطالعہ کیا تھا، پھر حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی صحبت اس کے حق مین مے دو آتشہ بنگئی، وہ عالم دین اور حافظ قرآن تو پہلے ہی سے تھا پھر حامی دین اور پابند شریعت بننے مین اس کو کیا دیر لگ سکتی تھی، ہندوستان کے اس مسلمان بادشاہ کی جو قلمی تصویر مآثر عالمگیری کے مولف نے پیش کی ہے اس کو ہم ہوبہو ہدیہ ناظرین کرتے ہین:

> حضرت خلد مکان اپنی فطری سعادت اندوزی کی وجہ سے مذہبی احکام و شعائر کے بے حد پابند تھے، قبلۂ عالم حنفی المذہب سنی تھے، اور اسلامی فرائض خمسہ کی پابندی اور نیز ان کے اجرا مین بے حد کوشان رہتے تھے، حضرت ہمیشہ با وضو رہتے، اور کلمۂ طیبہ اور نیز دیگر اوراد و وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے تھے، نماز اول وقت مسجد مین جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، اور تمام سنن و نوافل کو بے حد خلوص و حضور قلب سے

---

[۱] مکتوب نمبر ۳۰ دفتر اول [۲] مکتوب نمبر ۳۲۱ [۳] مکتوب نمبر ۵۵

سے بیگانہ ہو کر کفر و ضلالت کی طرف مائل ہو گئے تھے، ان کی زندگی بدعت، شرک اور زندقیت سے ملوث ہو گئی تھی، بعض صوفیہ نے اپنے کو بزرگان دین کہکر طریقت و معرفت کے نام سے تصوف کی ایسی تعلیم دی تھی جس سے شریعت کے تمام قوانین نظرانداز کر دیے گئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علم جہاد بلند کر کے اسلام اور پیروان اسلام کی زندگی کو مشرکانہ رسوم، ملحدانہ عقائد، اور غیر شرعی رجحانات سے پاک و صاف کیا، اور ایک بار پھر کتاب و سنت کے احکام کی تجدید کی، ان کی تعلیم تھی کہ ہر مسلمان خواہ وہ بادشاہ ہو یا ادنی رعایا، عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب، عارف ہو یا سالک، اپنے عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق صحیح کرے[1]، اور کتاب و سنت سے جو علوم مستفاد ہیں ان میں سے وہی معتبر ہیں جن کو بزرگوں نے سمجھا اور اخذ کیا ہے، ورنہ ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کی بنیاد کتاب و سنت ہی پر رکھتا ہے، پس قرآن و حدیث سے جو شخص جو معنے سمجھے وہ سب معتبر نہیں ہیں[2]، اعتقاد صحیح وہی ہے جس کو علمائے اہل سنت نے کتاب و سنت اور آثار سلف سے سمجھا ہو، اگر بالفرض کشف و الہام سے جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنے معلوم ہوں تو اس کا اعتبار نہیں، بلکہ اس سے پناہ مانگنا چاہیے[3]، نجات ابدی اور فلاح سرمدی اسی میں ہے کہ ان ہی علماء کا تتبع کیا جائے جنھوں نے صحابہ کرام اور اسلاف صالحین کے سرچشمہ ہدایت سے فیض اٹھایا ہے، بعض عارف شرعی احکام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، مگر جو عارف ایسا سمجھتا ہے وہ جاہل ہے، عبادت کی جسقدر ضرورت عارفوں کو ہے مبتدیوں کو اس کے دسویں حصہ کی بھی حاجت نہیں[4]، شریعت کی پابندی کے بغیر اعمال کی اصلاح اور قلب کی سلامتی ممکن نہیں، جو شخص باطن کو درست کرتا ہے اور ظاہر کو یونہی چھوڑ دیتا ہے وہ ملحد ہے، اگر اس کو کچھ باطنی

[1] مکتوب نمبر ۱۹ دفتر اول [2] مکتوب ۱۹۳ [3] مکتوب نمبر ۲۸۶ دفتر اول، [4] مکتوب نمبر ۲۷۶ دفتر اول

کے زائرین و مجاورین کے لیے رقم کثیر ارسال فرماتے، اور حجاج کا ایک گروہ کثیر بادشاہ کی عنایت مین طواف حج و سلام رسانی وغیرہ خدمات عبادت مین ہمیشہ مصروف رہتا........

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی ذات پاک تمام صفات حسنہ کی جامع تھی، قبلۂ عالم نے ابتدائے سن تمیز سے تمام مکروہات و محرمات سے شدید پرہیز فرمایا، اور منکوحہ عورتون کے سوا کسی غیر محرم کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا،

بارگاہ شاہی مین نغمہ و سرود کے کامل استاد ہر وقت موجود رہتے اور باکمال سازندے اور اہل نشاط کا ایک گروہ دربار مین ہر وقت حاضر رہتا تھا، لیکن قبلۂ عالم اس طرف بہت کم توجہ فرماتے تھے، ابتدائے عہد معدلت مین تو کبھی کبھی نغمہ و سرود سن بھی لیتے تھے، لیکن آخر مین اس سے بالکل تائب ہو گئے تھے، ارباب نشاط کے گروہ مین سے جو شخص ہمیشہ سرود سے توبہ کر لیتا، حضرت اس کو مدد معاش کے طور پر کچھ جاگیر عطا فرماتے تھے، مرزا مکرم خان صفوی نے جو فن موسیقی کا بہترین ماہر تھا، قبلۂ عالم سے سوال کیا کہ نغمہ و سرود کی بابت حضرت کی کیا رائے ہے؟ قبلۂ عالم نے فرمایا کہ جو اس کے اہل ہین ان کے لیے حلال ہے، مرزا نے عرض کیا کہ پھر حضرت اہل ہونے کے باوجود کیون اس سے پرہیز فرماتے ہین، قبلۂ عالم نے جواب دیا کہ تمام راگ راگنیان بغیر مزامیر اور خصوصاً پکھاوج کے مزہ نہین دیتین، اور مزامیر بالاتفاق حرام ہین، حرمت مزامیر کی وجہ سے مین نے نفس سرود سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی،

حضرت نے کبھی غیر مشروع لباس زیب تن نہین فرمایا، اور چاندی اور سونے کے برتنون کے استعمال سے ہمیشہ پرہیز فرماتے رہے،

بادشاہ دین پناہ کی مجلس مین کبھی غیبت و کذب کا چرچا نہین ہوا اور حاضرین

ادا فرماتے تھے، ایام بیض کے روزون کے بے حد پابند تھے، اور ہفتے مین دوشنبہ پنجشنبہ اور جمعہ کو صائم رہتے تھے، جمعہ کی نماز بھی مسجد مین تمام مسلمانون کے ساتھ ادا فرماتے متعدد شب ہاے اسلامی مین بیداری و عبادت مین بسر فرماتے، اور انوار فیض الٰہی سے چراغ دین و دولت ہو کر اپنی دینی شعاع سے اہل علم کو منور فرماتے تھے،

قبلۂ عالم حق طلبی کے شیدائی تھے، حضرت کا معمول تھا کہ دولت خانے کی مسجد مین تمام رات اہل اللہ کے ساتھ سرگرم گفتگو و ذکر رہتے، اور خلوت مین کبھی تکیہ و مسند پر جلوس نہ فرماتے تھے،

زکوٰۃ شرعی ادا کرنے مین خاص اہتمام فرماتے اور قبل جلوس جو زکوٰۃ اپنی ضروریات زندگی کے حساب مین سے ادا فرماتے، اس کے علاوہ عہد حکومت مین مصارف ذاتی کے لیے جو چند مواضع خاص فرمائے تھے، ان کی زکوٰۃ بھی خود ادا فرماتے، اور اولاد امجاد کو بھی تاکید فرماتے کہ نصاب زکوٰۃ کامل طور پر ادا فرمائین،

رمضان کا مقدس مہینہ اداے صوم و پابندی سنن و تراویح وغیرہ عبادت دینی مین بسر ہوتا تھا، ماہ صیام مین دو بہر رات گذرنے پر بیدار اور علما و اولیا کے ساتھ ذکر و عبادت مین مشغول رہتے تھے،

رمضان کے آخر عشرے مین مسجد مین اعتکاف فرماتے، حج بیت اللہ حس کے ادا کرنے کے بے حد مشتاق و گرویدہ تھے، اگرچہ بظاہر تو ادا نہ فرما سکے، لیکن اس کا کافی تدارک فرماتے اور حجاج کے ساتھ جو خاص رعایتین کی جاتی تھین، ان کو نگاہ مین رکھنے کے بعد یہ امر یقینی ہے کہ خلد مکان ہر سال حج کبریٰ کا ثواب حاصل فرما لیتے تھے،

آپ نے عہد معدلت مین ہر سال اور کبھی کبھی دوسرے اور تیسرے سال کے بعد حرمین شریفین

مین پھیلے ہوئے ہین، کہین ایک جگہ مرقوم نہین، اور کوئی خاص کتاب جو تمام مسائل پر حاوی ہو، موجود نہین، اسلیے جب کوئی فقہی مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو اس پر فتوی دینے کے لیے تمام کتابون کی چھان بین کرنی پڑتی تھی، جو ایک دشوار طلب اور صبر آزما کام تھا، انہی مشکلون کا لحاظ کرکے عالمگیر نے تمام ہندوستان کے ممتاز علما کے ایک گروہ سے فرمایش کی کہ فقہ کی تمام کتابون سے مفتی بہ مسائل کا انتخاب کرکے ایک کتاب تیار کرین، عالمگیر نامہ کا مولف اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ مین لکھتا ہے:

چونکہ بادشاہ سلامت کو اس کا خاص خیال ہے کہ تمام مسلمان ان دینی مسائل پر عمل کرین جن کو حنفی مذہب کے علما روا کا بر واجب العمل سمجھتے ہین، لیکن یہ مسائل فقہ اور فتاوے کی کتابون مین فقہا و علما کے اختلاف کی وجہ سے روایات ضعیفہ اور اقوال مختلفہ سے مل جل گئے ہین، اور اسی کے ساتھ وہ کسی ایک کتاب مین موجود بھی نہین ہین اور جب تک مبسوط کتابین جمع نہ کی جائین اور ایک شخص کو احکام علم فقہ مین کامل مہارت حاصل نہ ہو، وہ مفتی بہ مسئلہ کو ان سے اخذ نہین کرسکتا، اس لیے بادشاہ سلامت کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ پایہ تخت کے علما کی ایک جماعت شاہی کتب خانہ کی اُن فقہی کتابون کو جو ایک مدت مین تمام اطراف عالم سے جمع کی گئی ہین سامنے رکھ کر نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ ان مسائل کو ایک کتاب مین جمع کرین تاکہ ہر شخص اس کتاب سے مسئلہ مفتی بہا کو آسانی سے معلوم کرسکے اور اسلام کے قاضی اور مفتی بہت سی کتابون کے جمع کرنے اور پڑھنے سے بے نیاز ہوجائین، اس کام کی ذمہ داری اور اس کا اہتمام شیخ نظام کے سپرد کیا گیا کہ تمام علما کے اتفاق رائے سے ان مسائل کو ایک کتاب مین جمع کرین، علما و فضلا کا ایک گروہ جو پایہ تخت مین موجود تھا،

دربار کو حکم تھا کہ اگر کسی شخص کا عیب بیان کرنا ناگزیر ہو جائے تو اس کو ایسے مناسب الفاظ میں بیان کریں کہ گفتگو عیب جوئی میں نہ داخل ہونے پائے . . .

بادشاہ رعیت نواز نے کبھی کوئی ایسا حکم صادر نہیں فرمایا جو رفاہ عام کے منافی ہو اور کبھی ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہوئے جو مخلوق خدا کی پریشانی کا باعث ہوا ہو، زنان بازاری اور دیگر فواحش کے شیدائی دارالحکومت سے خارج کر دیے گئے تھے، اور تمام ممالک محروسہ میں اسی قسم کے احکام جاری تھے، احتساب کا محکمہ قائم تھا، اور عاملان احتساب ہر شخص سے باز پرس کرتے تھے، اور تمام ممالک محروسہ میں سلطنت کی وسعت کے باوصف احکام شرعی جاری و نافذ تھے،

قبلۂ عالم نے کبھی اپنے نفس سے مغلوب ہو کر محض ذاتی بغض و عناد کی وجہ سے کسی فرد کو قتل نہیں کرایا، اور نہ کسی غیر کو اس سنگین جرم کے ارتکاب کی ہمت ہوئی، جہان پناہ اپنی قدردانی و پایہ شناسی سے سادات علما و اولیا کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، اور اس طرح اپنے فیض باطن سے بہترین طریقے پر اہل عالم کی رہنمائی کا فریضہ ادا فرماتے تھے۔

غرض کہ حضرت کے عہد معدلت میں دین متین کا آوازہ بلند ہوا، اور جس طرح ملک ہندوستان میں شریعت اسلامی کا کامل لحاظ رکھا گیا، اس کی نظیر فرمانروایان سابق کے کارناموں میں قطعاً معدوم ہے۔" (۳۸۲-۸۵)

کتاب و سنت کے احکام کی احیاء و ترویج کے لیے عالمگیر نے **فتاوی عالمگیری** کی تدوین کرائی، جس کو اس کے حربی فتوحات ہی کی طرح ایک عظیم الشان کارنامہ کہا جا سکتا ہے، اس نے اپنے زمانہ حکومت میں محسوس کیا کہ حنفی مذہب کے فقہی مسائل مخلوط طور پر تمام کتابوں

عالمگیر کے دل مین ان کے تبحر علمی کی وجہ سے انکی بڑی عزت اور وقعت تھی، وہ خلوت مین بلاکر ان سے احیاء العلوم پر مذاکرے کرتا تھا، شاہزادہ سلطان کا عقد راجہ کشتوار بادکی لڑکی سے ان ہی نے پڑھایا، اور جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو شاہی حکم کے بموجب ان ہی نے شاہزادہ کو حضرت قطب الاولیا، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار مین پیوند خاک کیا[۱]، دربار مین ان کے لیے کورنش و تسلیم کی کوئی پابندی نہ تھی[۲]، فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و جمع کے زمانہ مین ان کا معمول یہ تھا کہ ہفتے مین تین روز کچھ حصہ عالمگیر کو لیجا کر سناتے تھے، عالمگیر کی نظر مین جب کوئی مسئلہ کھٹکتا تو اس پر شیخ صاحب سے بحث و تمحیص کرتا[۳]

فتاوی عالمگیری کی تدوین اور دوسری خدمات کے سلسلہ مین عالمگیر نے شیخ صاحب کو غیر معمولی شاہانہ الطاف و اکرام سے نوازا، مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ ۱۰۹۰ھ مین قبلۂ عالم نے شیخ نظام کو مقرب خان سے سرفراز فرماکر شش ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا اور خلعت خاص و شمشیر و خنجر مرواریدہ، سپر مرصع و علم و نقارہ اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور تین عربی و عراقی گھوڑے اور دو ہاتھی بھی مرحمت کئے۔" (ص ۹۰۱)۔ عالمگیر شیخ صاحب کے لڑکون کو بھی اپنی نوازشون سے سرفراز کرتا رہا، شیخ داؤد، شیخ ملک منور اور شیخ عبد اللہ کو خطابات اور چار ہزاری مناصب عطا کئے، (ص ۲۰۹)۔ اور شیخ ابوالخیر کو داروغۂ جائے نماز مقرر کیا (ص ۱۹۷)، شیخ عبد اللہ کچھ دنون داروغۂ دواخانہ بھی رہے (ص ۱۸۰)

اورنگ زیب کے استاد مولانا میر محمد قنوجی بھی فتاوی کی ترتیب مین شریک رہے، ان کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہین، تقریباً پچاس علمانے اس عظیم الشان کو اختتام تک پہنچایا،

---

[۱] مآثر عالمگیری ص ۱۰۹، ۱۰۰ [۲] مراۃ العالم ورق ۲۹۷ [۳] مراۃ العالم ورق ۲۹۷، و انفاس العارفین مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحب (ص ۱۴۲) مین ہے کہ شیخ صاحب اس کام کیلئے روزانہ عالمگیر کی خدمت مین جاتے تھے،

اس کام مین مشغول ہوا، اور ہندوستان کے اطراف مین جو شخص علم فقہ مین شہرت اور کمال رکھتا تھا شاہی فرمان کے روسے طلب کر کے ان کا شریک کار بنایا گیا، اور یہ تمام علما، وفضلا معقول وظیفہ کے ساتھ اس کام مین مشغول ہو گئے، اور اس کام کیلیے جن کتابون کی ضرورت تھی وہ شاہی کتب خانہ سے ان لوگون کے حوالے کی گئین، اور ہر سال اس کام کے اسٹاف کے لیے ایک بہت بڑی رقم خزانہ شاہی سے صرف کی جاتی تھی کہ جب یہ کتاب مکمل ہو جائے گی تو دنیا تمام فقہی کتابون سے بے نیاز ہو جائیگی اور اس کا ثواب بادشاہ سلامت کے نامۂ اعمال مین درج ہوگا، (ص ۱۰۸۷)

فتاویٰ عالمگیری مصر مین چھ جلدون مین چھپ گئی ہے، ہر جلد مین تقریباً پانچسو صفحے ہون گے، اس مین فقہی مسائل کے استنباط کے سلسلہ مین جن کتابون اور انکے مآخذ سے مدد لی گئی ہے، ان کے نام اتنے کثیر ہین کہ ان کو گنایا نہین جا سکتا ہے، اور یہ تمام کتابین شاہی کتب خانہ مین موجود تھین، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتب خانہ مین مذہبی علوم وفنون کا ذخیرہ کس قدر وسیع تھا، علما کے وظائف مین بھی کثیر رقم خرچ ہوئی، آٹھ سال کی مدت مین جب یہ کتاب تیار ہوئی تو اس پر دو لاکھ روپے صرف ہوئے، مآثر عالمگیری کے مولف کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ "اس کتاب نے علما، وطلبہ کو تمام کتب فقہ سے بے نیاز کر دیا،" اور آج بھی اسلامی فقہ پر اس سے زیادہ مفصل، واضح، اور مبسوط کتاب کوئی اور نہین ہے

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین وترتیب کا نظام بہت ہی باضابطہ تھا، تمام فقہی ابواب مختلف حصون مین تقسیم کر دیے گئے تھے اور ہر حصہ کے لیے ایک صدر اور اس کے معاونین ہوتے تھے، تمام علمار کے گروہ کی صدارت **شیخ نظام** برہان پوری کو تفویض کی گئی، شیخ صاحب عالمگیر کی شہزادگی ہی کے زمانہ سے چالیس سال تک اس کے ساتھ رہے،

فتاوی عالمگیری کی ترتیب وتالیف مین شریک رہے، (ورق ۳۰۱) شاہ ولی اللہ صاحب کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب فتاوی کی تصحیح مین ملا حامد کے معاونین مین تھے، شاہ صاحب اپنے علم وفضل، عبادت، ریاضت، زہد، تقوی اور تورع کے لحاظ سے ہندوستان کے مایۂ ناز علما مین سے گذرے ہین، انہی کے خاندان سے علمی وروحانی فیوض وبرکات کا سرچشمہ پھوٹا ہے، جس سے آج تک ہندوستان کے ارباب علم اور اصحاب دل سیراب ہورہے ہین، ملا حامد شاہ صاحب کے ہمدرس رہ چکے تھے، اس لیے فتاوی کی تدوین مین ان کی معاونت بھی چاہی، اور مالی معاوضہ کی بھی امید دلائی، شاہ صاحب شاہی دربار سے کسی قسم کی وابستگی پسند نہین کرتے تھے، مگر اپنی والدہ کے اصرار پر فتاوی کی ترتیب مین شریک ہوگئے لیکن، شاہ صاحب کے مرشد حضرت خلیفہ ابوالقاسم نے دربار سے یہ تعلق کسی حال مین بھی پسند نہین کیا، اور جب شاہ صاحب کا دربار سے قطع تعلق ہوگیا تو عالمگیر نے کچھ زمین دینی چاہی لیکن اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردیا، عالمگیر ان سے ملنے کا برابر مشتاق رہتا، مگر شاہ صاحب بادشاہون اور امرا کے گھر جانا اپنے روحانی بزرگون کے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، ایک بار عالمگیر نے شاہ صاحب کے ایک مخلص کے ذریعہ شوق ملاقات کا پیام بھیجا، مگر وہ عالمگیر کے دربار مین جانے پر مطلق راضی نہ ہوے، بلکہ ایک معمولی کاغذ پر جسمین ان کا جوتا لپٹا ہوا رکھا تھا، یہ عبارت لکھ کر شہنشاہ ہندوستان کے پاس بھیجدی،

اہل اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہت برا ہے جو امیر کے آستانہ پر ہو، حق سبحانہ تعالی فرماتا ہے وَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَآ اِلَّا قَلِيْلٌ یعنی دنیاوی زندگی کا سرمایہ بہت ہی قلیل ہے، تم کو قلیل ترین حصہ ملا ہے، اگر بالفرض مجھے دوگے تو وہ جزء لایتجزی ہوگا، اس ٹکڑے کے لیے جو بھر ٹکڑا نہ ہوسکے گا، مین اپنے نام کو خدا تعالی کے دفتر سے کیون محو کرون

ان مین سے بعض مشاہیر کا ہم اجمالی طور پر ذکر کرتے ہین[۱]

ملا محمد جمیل، جون پور مین ۱۰۵۵ھ مین پیدا ہوئے، ان کے دادا ملا شمس نورا اور والد ملا عبد الجلیل اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے عہد کے مشاہیر فضلا مین سے تھے، ملا جمیل بھی اپنے صوری فضائل اور باطنی کمالات کی وجہ سے اپنے زمانہ مین بہت مشہور ہوئے، دہلی کے تمام علما ان کے علم و استعداد کے معترف تھے، اسی لیے فتاوی عالمگیری کی ترتیب مین شریک کیے گئے، مطول، شرح جامی کے ایک باب عطف، اور دوسری کتابون پر حاشیے لکھے، فقہ مین ایک رسالہ تحریر کیا، تصوف مین تنبیہات کے نام سے انکی ایک تصنیف ہے،

قاضی محمد حسین جونپوری، شاہجہان کے زمانہ مین جونپور کے قاضی تھے، عالمگیر نے ان کو منصب عطا کرکے الہ آباد کا قاضی مقرر کیا، ساتوین سنہ جلوس مین شاہی فوج کے محتسب کے عہدہ پر مامور ہوئے، مراۃ العالم کے مؤلف کا بیان ہے کہ ان کی وجہ سے احکام دینیہ کی بہت ترویج ہوئی، عالمگیر ان کے علم و فضل سے متاثر تھا، اسی لیے فتاوی عالمگیری کی تدوین مین ان کا حصہ بھی رہا، مراۃ العالم مین ہے، (ورق ۲۰)

یعنی از فتاوی عالمگیر شاہی باہتمام او زینت اتمام یافت،

عالمگیر کے تیرہوین سنہ جلوس مین وفات پائی،

ملا حامد جونپوری، میر محمد زاہد اور دانشمند خان کے شاگرد تھے، عالمگیر کے دربار مین شہزادہ اکبر کی تعلیم و تربیت ان ہی کے ذمہ تھی، مراۃ العالم کے مولف کا بیان ہے کہ

[۱] ہمارے ادارہ کے رفیق حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی نے معارف ۱۹۵۹ء و ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء کے متعدد نمبرون مین "مولفین فتاوی عالمگیری" کے عنوان سے ایک مبسوط اور مفید مقالہ لکھا ہے، اس سلسلہ مین ملک کے اور اہل علم نے بھی بعض مفید معلومات فراہم کئے ہین، ہم نے ان سب سے مدد لی ہے،

کے محتسب قاضی محمد حسین رمقرب درگاہ مسمی بختاور خان نے ان کے کمالات وہمہ گیر قابلیت سے قبلہ عالم کو آگاہ کیا، بادشاہ ہنر پرور نے ان کو ایک صدی منصب مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ حسین علی خان کی اعانت و امداد اور ذہنی سلیقہ شعاری سے رتبہ امارت وخانی پر فائز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔" (ص۶۲)

اور دوسرے علما، جو فتاوی کی ترتیب، تدوین اور تصحیح مین عالمگیری دربار سے وابستہ رہے، ان مین سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہین، سید علی اکبر سعد اللہ خان، سید نظام الدین ٹھٹھوی، جلال الدین محمد، مولانا محمد شفیع، ملا وجیہ الرب، مولانا محمد فائق ملا محمد اکرم، ملا محمد غوث، امیر میران علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معدن، ملا غلام محمد قاضی القضاۃ لاہور، اور قاضی سید عنایت اللہ مونگیری وغیرہ۔

عالمگیر نے فتاوی کا فارسی ترجمہ بھی کرایا، اور یہ کام مولانا چلپی عبداللہ رومی نے انجام دیا، ان کے بارہ مین مراۃ العالم مین ہے:۔

"چلپی عبداللہ رومی علوم ظاہری اور معارف باطنی سے بہرہ ور ہین، صوفیہ کی مصطلحات سے پوری واقفیت رکھتے ہین، عربی، فارسی اور ترکی عبارت خوب لکھتے ہین، اور اکثر فنون مین یگانہ اور بے مثل ہین، تصوف اور حکمت مین ان کی اچھی تصانیف ہین، فردوس آشیانی کے عہد مین روم سے ہندوستان آئے، فقیرانہ زندگی کے عادی تھے، علامی سعد اللہ خان ان کی ضروریات پوری کرتے تھے، اس عہد (یعنی عہد عالمگیری) مین ان کو روزانہ وظیفہ ملتا ہے، ان کے لیے نوکری معاف کر دی گئی ہے، فتاوی عالمگیر شاہی کے ترجمہ پر مامور ہین۔ (ورق ۱۰۰)

یہ فارسی ترجمہ شاید مقبول نہین ہوا، اسی لیے اس کا کوئی نسخہ پایا نہین جاتا،

چشت کے بعض ملفوظات مین مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر مین لکھ لیا جاتا ہے،
حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے (انفاس العارفین ص۱۹)

شاہ ولی اللہ صاحب اس خط کو نقل کرکے تحریر فرماتے ہین کہ عالمگیر کو جب یہ رقعہ ملا، تو اس نے اپنی جیب مین رکھ لیا، اور جب کپڑے بدلتا تو پھر اس کو اپنی جیب مین رکھ لیتا، فرصت کے وقت اس کو پڑھ کر روتا تھا،

شیخ وجیہ الدین گوپاموی اپنی تحریر کی دلکشی، تقریر کی دلآویزی، ذہانت کی تیزی اور ضمیر کی صفائی کے لحاظ سے ممتاز عالم سمجھے جاتے تھے، پہلے داراشکوہ کے ساتھ رہے، داراشکوہ کی موت کے بعد عزلت نشینی اختیار کرلی، مگر جوہر شناس عالمگیر نے ان کو دربار مین بلاکر منصب عطا کیا، فتاویٰ کا ربع حصہ ان ہی کی نگرانی مین تالیف کیا گیا، دس فضلا، ان کی مدد واعانت کے لیے مامور تھے، مراۃ العالم کے مولف نے اس سلسلہ مین ان کی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

در ترتیب و تالیف ربع از فتاویٰ عالمگیر شاہی مامور شد، دہ کس دیگر از فضلا بمدد واعانت او مقرر شدند او در آن کار مساعی جمیلہ بکار بردہ (ورق ۳۰۱)،

عالمگیر کے چودہوین سنہ جلوس مین وفات پائی،

شیخ رضی الدین، ماثر عالمگیری مین ہے:-

شیخ رضی الدین بھاگلپور بہار کے شرفا مین سے تھے، یہ فاضل مولفین فتاویٰ عالمگیری مین شامل تھے، اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی، شیخ رضی الدین علاوہ ایک فاضل متبحر ہونے کے فن سپاہ گری مین کامل تھے، اور عہدداری وندیمی وغیرہ کمالات مین بھی ان کو کافی دستگاہ تھی، حضور پرنو

نرم وگرم گفتگو سے کبیدہ نہین ہوتے تھے، ان کا معاصر مراۃ العالم کا مولف رقمطراز ہے کہ کمزوروں اور غریبون کی درخواستون کو بڑی توجہ سے سنتے ہین، اور داروغگی کی خدمت کو حسن وخوبی سے بجالاتے ہین، کثرت مشاغل کے باوجود رات کو طلبہ کو درس بھی دیتے ہین

شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی، مراۃ العالم کے مصنف کا بیان ہے کہ وہ عقلی ونقلی علوم کے کمال، ذکاوت وذہانت، اصابت رائے، فصاحت اور خوش بیانی مین اپنے تمام معاصرین مین ممتاز تھے، اپنے والد مولانا عبدالرشید سے جو اپنے زمانہ کے اکابر علماء مین تھے تحصیل علم کی، اور عنفوان شباب ہی مین درس وتدریس مین مشغول ہوگئے تھے، جو ۷ سنہ جلوس مین عالمگیر اکبرآباد گیا، تو دربار مین شیخ عبدالعزیز کا تذکرہ آیا، اور ان کی بعض تحریرین اس کی نگاہ سے گذرین، اس نے بڑے اشتیاق اور لطف سے شیخ صاحب کو دربار مین بلایا، اور الطاف خسروانہ سے عرض مکرر کے منصب پر مامور کیا، شاہی دربار مین اشراف مکہ اور ائمہ یمن کے جو خطوط آتے تھے ان کے جواب کی خدمت ان کے سپرد تھی، عربی فارسی انشاء مین یگانۂ عصر سمجھے جاتے تھے، متداول کتابون پر حواشی بھی لکھے، جس سے اہل علم ان کی قوت فکر اور جودت طبع کے معترف ہوئے، عربی، فارسی اور ہندی مین شعر بھی کہتے تھے، ان کے اشعار آبدار کی رنگینی اور مضمون آفرینی کی تعریف مراۃ العالم مین کی گئی ہے۔ (ورق ۳۰۰)

ملا قطب ہانس، ملتان کے نواح کے رہنے والے اور شیخ عبداللطیف برہانپوری کے مخصوص مریدون مین سے تھے، عالمگیر کی شہزادگی کے زمانہ مین برہانپور مین اس سے ملے، اور اسی وقت سے گہرے تعلقات قائم ہوئے، عالمگیر جب تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے ملا صاحب کی خدمت مین چار لاکھ دام پیش کئے اور ایک گاؤن بھی ان کے نام

اورودوسرے علما،	فتاوی عالمگیری کی جامعیت اس بات کا ثبوت ہے کہ عالمگیر کا عہد باکمال

علما، وفضلا کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھا، ان مولفین فتاوی کے علاوہ علوم وفنون کے اور مسند نشینوں نے بھی شاہی دربار کو زینت بخشی، جن مین سے کچھ اور کا ذکر یہان پر درج کیا جاتا ہے،

ملا محمد یعقوب، اپنے علم وفضل، ذہانت وذکاوت اور فطرت عالی کی وجہ سے عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، درس وتدریس کے سلسلہ مین بہت سی کتابون پر حواشی لکھے، تفسیر بیضاوی پر بھی حاشیہ تحریر کیا، اس حاشیہ کے متعلق مراۃ العالم کا مولف لکھتا ہے:-

> درین اوقات بر تفسیر قاضی بیضاوی حاشیہ مرقوم نمود کہ اہل استعداد وارباب فہم را از حواشی دیگر مستغنی گردانیدہ وتحقیقات ارجمند وتدقیقات بلند درآن مندرج ساختہ، (د۔ق ۳۰۰)،

ان کے علم وفضل اور ذہانت وراستبازی سے متاثر ہوکر عالمگیر نے ان کو میر عدل مقرر کیا تھا،

شیخ سلیمان منیری، معقولات ومنقولات کے جید عالم تھے، عالمگیر کی شہزادگی ہی کے زمانہ سے عزت وحرمت کے ساتھ اس کے دربار سے وابستہ رہے، اپنی بادشاہت کے عہد مین عالمگیر نے ان کو داروغۂ اردوئے معلی کے عہدہ پر فائز کیا، ون مین دومرتبہ ملک کے لاتعداد مستغیثون اور دادخواہون کو شاہی خدمت مین پیش کرکے ان کے حالات عرض کرتے، اور مظلومون کے حقوق دلاتے، دیانت دار ہونے کے علاوہ نہایت بردبار خلیق اور خندہ جبین تھے، فریادیون کے ہجوم، دادخواہون کے اژدحام، ان کے شوروا

مولف کا بیان ہے کہ علاوہ عالم وفاضل ہونے کے صاحب عرفان بھی تھے، اور اپنے اخلاق و اعمال مین اسلام کا بہترین نمونہ سمجھے جاتے تھے، عالمگیر نے ان کے اوصاف سنے تو ان سے ملنے کا مشتاق ہوا، چنانچہ ۱۰۶۶ھ مین حسن ابدال سے پیام شوق ملاقات لکھ بھیجا، اور جب عالمگیر لاہور پہنچا تو ملا عبداللہ بھی لاہور تشریف لائے، عالمگیر ان سے مل کر بہت محظوظ ہوا، خلعت خاص دو سو اشرفیان اور ایک ہاتھی دے کر وطن رخصت کیا، آخر عمر مین ملا صاحب فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے تھے، ۱۰۹۳ھ مین عالمگیر کو اجمیر کے قیام کے زمانہ مین ملا صاحب کی عسرت کی خبر ملی، تو اس نے ملا صاحب کو عہدۂ صدارت پر مامور کرنا چاہا، مگر اس بے نیاز عارف نے یہ کہلا بھیجا کہ "اب زمان فراق ہے نہ کہ وقت تحصیل شہرۂ آفاق"، عالمگیر کو ملا صاحب کا جواب بے حد پسند آیا، اجمیر مین ملا صاحب عالمگیر سے ملنے آئے، اور پھر وطن جا کر رحلت فرمائی، مآثر عالمگیری کے مولف کا لکھنا ہے کہ "شہریار فاضل نواز اور معارف پرور، کو ملا مرحوم کی وفات کی خبر ملی، تو ان کے چار لڑکون اور بیوی کے لیے خلعت تعزیت ارسال کیا اور ان کے وظائف مین بھی اضافہ کیا، [۱] ملا عبداللہ نے ہدایہ پر حاشیہ لکھا جو بہت مقبول ہوا،

قاضی عبدالوہاب، شیخ محمد طاہر بوہرہ کے پوتے تھے، شاہ جہان کے زمانہ مین اپنے مولد پٹن مین مفتی مقرر ہوئے، پھر اورنگ زیب کی دکن کی صوبہ داری کے زمانہ مین اس سے وابستہ ہوئے، جب اورنگ زیب تخت پر بیٹھا تو ان کو قاضی عسکر بنایا، پھر اقضی القضاۃ ہوئے مآثر الامراء مین ہے کہ

در علم فقہ و اصول مہارت تمام داشت (جلد اول صفحہ ۲۳۶)،

وہ اپنے فرائض کو بڑی دینداری اور سچائی سے انجام دیتے تھے، عالمگیر کو خود بھی شرعی

---

[۱] مآثر عالمگیری ص ۲۰۰ و ص ۱۶۲

سے موسوم کیا، اس گاؤں کا نام قطب آباد رکھا گیا،[1]

شیخ قطب برہانپوری، متورع، عابد اور زاہد ہونے کے علاوہ حافظ قرآن تھے، عالمگیر رمضان المبارک مین ان ہی کی امامت مین تراویح پڑھا کرتا تھا، ان کو عربی اشعار بھی بہت زیادہ یاد تھے، کچھ دنون شہزادہ محمد اعظم کے استاد بھی رہے،[2]

ملا عوض وجیہ، مآثر عالمگیری مین ہے:-

ملا عوض اخیسکت کے باشندے تھے، یہ مقام مضافات سمرقند مین داخل ہے، ملا عوض وجیہ میر عوض تاشکندی کے حلقۂ درس کے بہترین طالب العلم تھے جو اپنے تمام ہم سبق طلبہ پر سبقت لے گئے، ملائے مرحوم نے ایک مدت تک بلخ مین درس دیا، اور حضرت فردوس آشیانی کے عہد معدلت مین ۱۳ جلوس شاہجہانی مین اعلیٰ حضرت کی فضیلت پناہ بارگاہ مین حاضر ہوئے، حضرت فردوس آشیانی نے ملا عوض وجیہ کو مفتی لشکر کے عہدہ پر مقرر فرمایا، عہد مبارک عالمگیری مین ملا عوض محتسب لشکر مقرر فرمائے گئے، اس مین شبہ نہین کہ ملا عوض نے بے حد اتقاء و پرہیزگاری کے ساتھ احکام شرع کی پابندی کی، اور عوام کو اس راہ پر قائم رکھنے و نیز بدعات کا قلع قمع کرنے مین پوری سعی و کوشش سے کام لیا، اور یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہین ہے کہ ملائے مرحوم کے ایسا محتسب کوئی دوسرا نہین ہوا، ملا نے خدمت احتساب سے علحدہ ہونے کے بعد بقیہ عمر درس و تدریس مین بسر کی، اور ان کے فیض کمال کا ہر صاحب علم کو اعتراف ہے۔" (ص ۱۰۶)، ۱۰۸۳ھ مین وفات پائی،

ملا عبداللہ سیالکوٹی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے تھے، مآثر عالمگیری کے

[1] مراۃ العالم ورق ۳۰۱، [2] ایضاً ص ۳۰۱

مین کسی طرح تبدیلی نہ کی،[۱] بادشاہ نے مجبور ہوکر خود قاضی صاحب کی رائے سے سید ابوسعید کو جو عالی نسب سید اور قاضی عبدالوہاب کے داماد تھے، عہدۂ قضا مرحمت فرمایا، سید ابو سعید دارالخلافت سے بادشاہ کے حضور مین (احمد نگر) حاضر ہوئے، اور خلعت، شمشیر، حمدہ کے عطیہ و انعام سے خوش اور معزز کئے گئے۔" (ص ۱۶۰)

قاضی ابوسعید نے شہزادہ معزالدین کا نکاح سیدۃ النساء بیگم دختر مرزا رستم سے پڑھایا تو عالمگیر نے ان کو خلعت اور ایک ہزار روپے نقد مرحمت کیے، شیخ الاسلام کے لڑکے محمد اکرم کو عالمگیر نے احمد آباد کی صدارت دیکر شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا،[۲]

مولانا سید محمد بیجاپوری، حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کی اولاد اور بیجاپور کے برگزیدہ عالم اور بزرگ تھے، ۱۰۸۷ھ مین عالمگیر سے ملے تو اس نے ان کو چھ ہزار روپے سالانہ کے وظیفہ سے مطمئن خاطر کیا،[۳]

---

[۱] ۱۰۸۷ھ کے واقعات کے سلسلہ مین مآثر عالمگیری کا مولف لکھتا ہے، "محبت خدا دوستی و شفقت بندہ نوازی کے لحاظ سے شیخ الاسلام کے نام ایک اشتیاق آمیز فرمان ان کے برادر نورالحق کے ہمراہ ارسال ہوا، فرمان مبارک کا مضمون یہ تھا کہ شغل قضا سے مستغنی ہونے اور سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد ایک بار بھی حضور مین نہین آئے، اگر اس طرف توجہ کرین تو مناسب ہے، شیخ الاسلام اس وقت احمد آباد مین مقیم تھے، حضرت کا منشا یہ تھا کہ اگر شیخ مذکور حضور مین آجائین اور صدارت کی خدمت اختیار کرین تو یہ عہدہ جلیلہ ان کو تفویض پایا جائے شیخ کا ارادہ تھا کہ طواف کعبہ کا احرام باندھین کہ دفعۃً مرض نے شدت اختیار کی اور مرحوم کو سفر آخرت طے کرنا پڑا، اللہ مغفرت کرے، (ص ۲۸۲) [۲] مآثر عالمگیری ص ۲۰۷، و مآثر الامراء جلد اول ص ۲۴۰، [۳] ایضاً ص ۱۱۵،

امور کا لحاظ رہتا تھا، اس لیے قاضی عبدالوہاب نے بھی شرعی احکام کے نفاذ مین بڑی سختی کی جس سے بعض امرا ان سے بدظن ہو کر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے تھے، مگر عالمگیر کو ان کے زہد و تقویٰ پر برابر اعتماد رہا، مآثر الامرا کے مولف کا بیان ہے کہ قاضی عبدالوہاب کے عہد قضا "مین نظم و نسق مین شریعت کی اتنی پابندی رہی کہ پہلے نہین ہو سکی تھی، عالمگیر کو درباریون نے ان سے بدظن کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے اپنے احترام مین فرق ظاہر ہونے نہین دیا، شاہزادہ محمد اعظم، شہزادہ محمد اکبر، سلطان ایزدبخش ولد سلطان مرادبخش اور شہزادہ سلطان کا نکاح ان ہی نے پڑھایا[۱]، شاہی الطاف و اکرام اور ذاتی حسن اہتمام کی وجہ سے ان کے پاس بہت بڑی دولت جمع ہو گئی تھی، ایک بار ایک حاسد امیر نے ان کے تین لاکھ روپے راستے مین لٹوا دیے تھے، اس بربادی پر صبر کیا، پھر بھی ترکہ مین ان کے چارون لڑکون کو دو دو لاکھ روپے ملے[۲]،

قاضی عبدالوہاب کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ الاسلام اسی عہدہ پر مامور کئے گئے، وہ اپنے تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے مشہور تھے، مگر کچھ دنون کے بعد اس عہدہ سے کنارہ کش ہو گئے، مآثر عالمگیری مین ہے:-

قاضی شیخ الاسلام پسر قاضی عبدالوہاب اپنی ذاتی استعداد و فطرت سلیمہ کے تقاضے سے جذبۂ محبت الٰہی مین بے قرار ہوئے، اور دنیا سے قطع تعلق کرنے پر مجبور ہو گئے، ہر چند جہان پناہ نے ان پر عنایتین فرمائین اور ترک خدمت سے انھین منع کیا اور عہدۂ قضا، کو جو ایسے ہی مقدس و پاکیزہ نفوس کے لیے تھا، انھی کی ذات سے وابستہ رکھنا چاہا، لیکن قاضی صاحب نے اپنے ارادون

---

[۱] مآثر عالمگیری ص ۵۲، ۷۹، ۸۰، ۸۳ - [۲] مآثر الامرا، جلد اول ص ۲۳۳،

ملا محمد اکرم لاہوری، مراۃ العالم مین ہے کہ بڑے لایق معلم تھے، صلاح، حلم، بردباری، تقویٰ اور پرہیزگاری ان کے نمایاں اوصاف تھے، اس لیے جہانگیر نے ان کو شاہزادہ کامگار محمد کی تعلیم کے لیے مامور کیا،[۱] ماثر عالمگیری مین ہے کہ موروثی مفتی تھے، قاضی عبداللہ کے انتقال کے بعد اردوے معلی کے قاضی مقرر ہوئے،[۲]

حافظ ابراہیم، عالمگیر نے قرأت و تجوید ان ہی سے سیکھی، شہزادہ محمد سلطان کی تعلیم ان ہی کے ذمہ تھی، وہ اس کو کلام پاک بھی پڑھایا کرتے تھے،[۳]

ملا شرف الدین لاہوری، مراۃ العالم کا مولف لکھتا ہے:۔

فضیلت درست داشت، و بفصاحت و طلاقت لسان و حسن خلق موصوف بود،"

لاہور کے مفتی کے عہدہ پر مامور تھے، ان کے صاحبزادے ملا محمد باقر بھی صوری اور باطنی خوبیون سے آراستہ تھے، عالمگیر ان سے بھی خسروانہ نوازشون سے پیش آتا تھا،

ملا عبد الباقی جونپوری ملا محمد جونپوری مصنف شمس بازغہ کے لائق شاگرد تھے، ان کے علمی فضل و کمال کی ستایش ان الفاظ مین کی گئی ہے،

در اکثر علوم علی الخصوص در منقولات یگانہ بود و بدقت فکر و غور مطالعہ از فضلاے عصر گوے مسابقت می ربود"۔

ایک بار عالمگیر کے دربار مین آئے تو اس نے نوسو روپے سالانہ آمدنی کا ایک گاؤن ان کو عطا کیا، اس کے بعد مطمئن رہ کر تمام عمر وطن ہی مین درس و تدریس مین گذار دی،[۵]

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری کو ان کے والد بزرگوار سید عبد الغنی کی جگہ پر عالمگیر

---

[۱] مراۃ العالم ورق ۳۰۱، [۲] ماثر عالمگیری ص ۲۸۱، [۳] مراۃ العالم ورق ۳۰۱، [۴] ایضاً ۳۰۱،
[۵] ایضاً ورق ۳۰۲

حاجی احمد سعید، قصبہ بہار کے رہنے والے تھے، اپنے والد بزرگوار مولانا محمد سعید اور اس عہد کے دوسرے اکابر علما سے تحصیل علم کی، مراۃ العالم مین ہے:۔

"در علم فقہ مہارت کامل دارد"

شاہجہان کے زمانہ مین شاہی لشکر کے مفتی رہے، پھر حرمین شریفین کی زیارت کو گئے، وہان سے واپس ہوئے تو عالمگیر نے ان کو ہزار و پانصدی کا منصب عطا کیا، اور شاہی حرم کی سرکار مین دیوان کی خدمت تفویض کی گئی[1]

قاضی خلیل الرحمٰن، فدائی خان المخاطب بہ اعظم خان فوجدار گورکھپور کے زمانہ مین اس شہر کے قاضی تھے، اعظم خان نے عالمگیر سے ان کے علم، صلاح، تقویٰ، دیانت اور بزرگی کی تعریف کی، تو اس نے ان کو گورکھپور کا فوجدار مقرر کیا،[2]

سید علی اکبر سعد اللہ خانی، علامی سعد اللہ خان کے ہم جلیس وندیم تھے، اس لیے نام کے ساتھ سعد اللہ خانی کا جز بھی لکھا جاتا تھا، مراۃ العالم مین ہے:۔

اکثر فنون دانش ورزیدہ و بہ غوامض و دقایق علوم آگہی داشت، در علم فقہ نیک منحصر است،،[3]

علامی سعد اللہ خان کے لڑکے لطف اللہ کے معلم بھی رہے، ان کے مکارم اخلاق سے متاثر ہو کر عالمگیر نے شہزادہ محمد اعظم کی تعلیم بھی ان کے سپرد کی، پھر لاہور کے قاضی مقرر کئے گئے، فرحۃ الناظرین مین ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین مین بھی شریک رہے، مگر مراۃ العالم مین ان کی شرکت کا ذکر نہین کیا گیا ہے،

---

[1] مراۃ العالم ورق ۲۹۹ [2] مراۃ العالم ورق ۳۰۰، فرحۃ الناظرین مین ان کا نام قاضی عبدالرحمٰن مرقوم ہے، [3] مراۃ العالم ورق ۳۰۱،

عالمگیر کو جب ان کے فضل و کمال کا حال معلوم ہوا، تو ان کی مدد معاش کے لیے ایک مکان خانقاہ کے لیے اور دو گاؤن جن کی آمدنی سات آٹھ ہزار روپے سالانہ تھی نذر کئے، اورنگزیب کو ان کی ذات سے بڑی عقیدت تھی، دست خاص سے ان کو خط لکھا کرتا تھا، سید صاحب محض خلق اللہ کی نفع رسانی کی خاطر ہر خاص و عام کی سفارش شاہی بارگاہ مین کرتے تھے، عالمگیر نے ان کو لکھا کہ وہ صرف درویشون، عالمون اور دینداروں کے لیے سفارش کیا کرین مگر انھون نے بادشاہ کی بات نہ مانی، [1]

عالمگیر کو ایسے تمام مشائخ کے ساتھ جو شریعت کے پابند تھے بڑا والہانہ لگاؤ رہا، دکن کی صوبہ داری کے زمانہ مین اس نے حضرت عبد اللطیف برہانپوری کی خدمت مین پہونچکر کچھ گاؤن پیش کیے، مگر انھون نے یہ گاؤن قبول کرنے سے انکار کیا، اور یہ شعر پڑھا،

شاہ ما را دہ دہد منت نہد ۔۔۔ رازق ما رزق بے منت دہد

اورنگ زیب اس شعر کو سنکر متاثر ہوا، مگر اس نے عرض کیا کہ ہم فقرا اور اہل اللہ کی خدمت خیر دنیوی اور برکت اخروی کے لیے کرتے ہین، گاؤن پیش کرکے احسان کرنا مقصود نہین، حضرت عبد اللطیف نے فرمایا کہ اگر خیر و برکت حاصل کرنا ہے، تو گوشہ نشینون اور متوکلون کے لیے وظائف مقرر کرو، مظلومون کو ظالمون سے بچاؤ، کمزورون کو ان کے حقوق دو، وغیرہ وغیرہ، اورنگ زیب نے ان باتون کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا، اور اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ اس نے اپنے ایک رقعہ مین اس کا ذکر کیا ہے، [2] بادشاہت کے زمانہ مین بھی عالمگیر نے حضرت عبد اللطیف سے بہت ہی نیازمندانہ تعلقات قائم رکھے،

[1] منتخب اللباب از خافی خان جلد دوم ص ۵۰۰، [2] مقدمہ رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۱۳۲

نے سورج گڑھا اور گجرا (مونگیر) کا قاضی مقرر کیا تو اس نے محکمہ قضا کی سند عطا کرتے وقت اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی دو حمائل اور چالیس بیگہ زمین عنایت کی،[1]

قاضی ملک محب اللہ بہاری، موضع کرا، علاقہ بہار شریف (پٹنہ) کے رہنے والے تھے، ملا قطب الدین شمس آبادی اور دوسرے علماء روزگار سے تعلیم پاکر دکن گئے، جہاں عالمگیر نے شاہی ملازمت میں منسلک کر لیا، لکھنؤ اور حیدرآباد میں قاضی رہے، پھر عالمگیر نے اپنے پوتے رفیع القدر بن شاہ عالم کی تعلیم کے لیے مامور کیا، شاہ عالم کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض ہوا، اور فاضل خان کا خطاب ملا، ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی، اور محلہ چاند پورہ بہار شریف میں دفن ہوئے، منطق میں سلم العلوم، افادات، اصول فقہ میں مسلم الثبوت، جزء لایتجزیٰ کے بیان میں الجواہر الفرد، رسالہ مغالطہ عامۃ الورود ان کی تصانیف ہیں، ان کی استعداد و قابلیت مصنف تذکرہ علمائے ہند کے صرف ایک جملہ سے ظاہر ہوگی،

"بحرے بود از بحار علوم و بدرے بود بین النجوم" (ص ۱۷۵)

سید سعد اللہ، شیخ پیر محمد سلونی کے نواسے تھے، پینتیس ۳۵ سال تک اپنے نانا سے درس لیتے رہے، علم ریاضی کے ساتھ ساتھ معقولات و منقولات کی بھی تعلیم پائی، راہ سلوک میں گامزن ہو کر بیت اللہ کی زیارت کو گئے، جہاں بارہ سال تک تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا، شریف مکہ بھی ان کی بزرگی کا معترف تھا، اور ان سے اعزاز و اکرام سے پیش آتا تھا، عرصہ دراز تک حجاز، عجم اور ہند کے لوگ ان کی تعلیم عرفان سے متمتع ہوتے رہے، مگر بعض ناخوشگوار واقعات کی بنا پر ہندوستان واپس آگئے، اور بندر سورت میں قیام پذیر ہوئے،

---

[1] شاہی فرمان کے لیے دیکھو معارف ماہ اکتوبر ۱۹۴۱ء

لڑکیون مین بعض ناکتخدا کیون ہیں؟ یہ پوچھکر تلقین کی خاطر ایک وعظ کہا، عالمگیر نے ان کی نصیحتون کو خاموشی سے سنا،[1] میر مرتضیٰ واعظ ملتانی کو اس نے اس لیے پسند کیا کہ وہ شرعی اور مذہبی امور مین حق گوئی سے کام لیتے تھے، اسی لیے ان کو شہزادہ کام بخش کی اصلاح و تربیت کے لیے مامور کیا،[2] حضرت میر نصیر الدین ہروی کے صلاح و تقوی اور عارفانہ فضیلت سے متاثر ہوا، اس نے ان کی خدمت مین بھی کچھ گاؤن پیش کئے، مگر انھون نے جاگیر قبول کرنا پسند نہین کیا،[3]

عالمگیر کا ذوق ادب عالمگیر نے چار زبانین سیکھین، عربی، فارسی، ترکی اور ہندوستانی، وہ ترکون سے ترکی ہی مین باتین کرتا تھا، عالمگیر نامہ کا مولف لکھتا ہے کہ

ترکی چغتائی را بغایت خوب می داند (۱۰۹۵)

اور ہندوستان کے ایسے باشندون سے جو فارسی نہین بول سکتے تھے، وہ ضرورت کے وقت ان ہی کی زبان مین گفتگو کر لیتا تھا،[4] مگر اس کا انشا پردازانہ جوہر فارسی نثر لکھنے مین چمکا، بابر اور جہانگیر کی طرح اس کے قلم مین بھی غیر معمولی قوت تھی، اور اگر حکمرانی کرنے کے بجاے کوئی کتاب لکھتا تو بلا شک و شبہہ ایک معجز نگار اور سحر پرداز ادیب ہوتا، سلطنت کے کاروبار کی مشغولیتون ہی مین وہ شہزادون اور خاص خاص لوگون کو رقعے لکھتا، جو ظاہر ہے کہ منظر عام پر لانے کے لیے نہین لکھے گئے تھے، مگر یہی **رقعات** جب اکٹھے کر لیے گئے تو اس کے ادب و انشا کی داد ہر زمانہ کے اہل کمال نے دل کھول کر دی، وہ آیات قرآن مجید، احادیث نبوی اور سعدی، حافظ، نظیری اور نظامی کے اشعار اس برجستگی اور خوبی سے اپنے رقعات مین نقل کرتا ہے، کہ وہ سب کے سب ادبی شہ پارے بن گئے ہین، جن کو پڑھنے مین

---

[1] منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۵۱، [2] ایضاً ص ۵۶۴، [3] ایضاً ص ۵۵۲، [4] عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۵

ہر مہینہ اور ہر ہفتہ ان کو دست خاص سے رقعہ تحریر کرتا تھا[۱]

جنگ جانشینی کے لیے رخصت ہوتے وقت اورنگ زیب حضرت شیخ برہان کی خدمت مین برہان پور حاضر ہوا، شیخ برہان بادشاہ اور امرا سے ملنا اپنے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے اورنگ زیب بھیس بدل کر ان کی مجلس مین شریک ہوا، ایک نووارد کو دیکھکر شیخ برہانؒ نے نام پوچھا، اورنگ زیب نے جب اپنا نام بتایا تو وہ اس کی طرف مخاطب نہین ہوئے، ۔۔۔ نہ اور لوگون کی طرح اس کو کوئی تبرک دیا، اورنگ زیب دوسرے دن پھر ان کی خانقاہ مین پہنچا، شیخ برہان نے اپنی آزردگی کا اظہار کرتے ہوئے اوس سے کہا کہ یہ مکان تم کو پسند ہے، تو لے لو ہم کہین اور جگہ چلے جائین گے، مگر تیسرے دن اورنگ زیب پھر ان کے پاس گیا، وہ نماز کے لیے خانقاہ سے باہر نکل رہے تھے، کہ اورنگ زیب مودبانہ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور عرض کی کہ دارا نے شریعت کو نظر انداز کر رکھا ہے، اگر مجھکو حکومت ملی تو دین نبوی کے احکام کے ساتھ رعیت پروری بھی کرونگا، آپ باطنی توجہ فرمائین، شیخ برہان نے فوراً کہا کہ ہمارے جیسے کم اعتبار فقیرون کی دعا سے کیا ہوتا ہے، تم بادشاہ ہو، نیکی، عدل پروری، رعیت نوازی کی نیت کے ساتھ دعا کرو، ہم بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہین، اسی وقت اورنگ زیب کے ساتھی شیخ نظام نے اورنگ زیب سے کہا بادشاہی مبارک ہو،[۲]

اولیاء اللہ کی بے رخی سے عالمگیر کبھی دل گیر نہ ہوتا، ملا قطب الدین شہید سہالوی سے کئی بار ملنے کی خواہش ظاہر کی، مگر ہر بار ملا صاحب نے اس سے ملنے سے انکار کیا،[۳] حضرت شیخ بایزید نے ایک روز جامع مسجد مین تمام لوگون کے سامنے عالمگیر سے پوچھا کہ اس کی

---

[۱] منتخب اللباب ج ۲ ص ۵۵۵۔ [۲] ایضاً ص ۵۵۵۔ [۳] فرقہ اسلام ظرین ص ۸۰۔

مولانا آزاد "با دل ناخواستہ" لکھتے ہین، کہ

"عالمگیر نے دل متداول اور زبان قادر البیان پائی تھی، اسلیے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا، یا سامنے لکھواتا تھا، کاغذات پر خود حکم چڑھاتا تھا، وہ پچاس برس سلطنت کرکے ۱۱۱۸ھ مین فوت ہوا، اس کی تحریرین دیکھ کر تعجب آتا ہے، کہ جس طرح اورنگ سلطنت زیر قدم رکھتا تھا، اسی طرح کشور سخن بھی زیر قلم، دیکھو اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے بھی ملک رانی کے پیچوں مین الجھے ہوئے ہین، مگر عبارت صاف ہے، اور لفظ لفظ مین محاورے کا نمک دیا ہوا ہے، تمام انتظامی ہدایتین اور اکثر اخلاقی نصیحتین ہین کہ تاثیر مین ڈوبی ہوئی ہین، اس کی تحریر کو گلستان سے تشبیہ دون تو مضائقہ نہیں، اتنا فرق ہوگا کہ گلستان کے خیالی مضامین اور اس کے عالی عبارت، اکی جتنی پڑھنے مین سہل ہے اتنے ہی لکھنے مین دشوار ہے[1]"

عالمگیر کے خطوط کی ہمہ گیری کے متعلق سید نجیب اشرف صاحب ندوی مرتب "رقعات عالمگیری" کی رائے ہے، کہ

اورنگ زیب کے خطوط..... گلہائے رنگا رنگ کے بہترین مجموعہ ہین، کہین ذاتی حالات کے متعلق اظہار خیال ہے، تو کہین سیاسی و معاشرتی واقعات پر تنقید، کہین شوق وصال بے چین کئے ہوئے ہے، تو کبھی دردِ فراق نے مضطر کر رکھا ہے، کسی جگہ کسی کی شادی یا ولادت کی خوشی ہے، تو کہین کسی کی موت کا ماتم، کسی جگہ کسی افسر کی سفارش ہے، تو کہین تنبیہ، اگر ایک خط عمارتون اور قلعون کے مفصل حالات سے مملو ہے، تو دوسرا باغون اور چمنون کی رنگین بیانی سے پُر، کہیں عتاب ہے، تو کہین عنایت، کبھی گرمجوشی

[1] نیرنگ خیال.

بڑی گھلاوٹ اور لطافت محسوس ہوتی ہے، عالمگیر نامہ کا مولف اس کے انشار کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہے :-

"نکتہ دانی، معنی شناسی، ربط اور مناسبت فطری اس پایہ کی ہے کہ نثر و انشار کے معنی طراز، سخن سنج اور نکتہ پرداز فصاحت پیشہ لوگ ان کی تعلیم و ارشاد کے فیض سے مستفید ہوتے ہیں، کسی بیغ منشی سے جب کوئی منشور لکھواتے ہیں تو مقصود کی تلقین اس حسن و خوبی سے فرماتے ہیں کہ اگر یہ منشی ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر منشور لکھتے ہیں تو غور و فکر سے مستغنی رہتے ہیں، منشور کا مسودہ جب آپ کے مطالعہ میں آتا ہے تو قلم بدایع رقم ایسی اصلاحوں سے مزین کر دیتا ہے، کہ ادیب اسے دیکھتے ہی اپنے عجز و قصور کا معترف ہو کر ان سے سخن طرازی اور سلوب و قواعد سیکھتا ہے۔" (ص ۱۰۹۵)

مآثر عالمگیری میں ہے :-

فن خوشنویسی کے علاوہ جہان پناہ کو فن انشار میں بھی خاص مہارت تھی، اور نثر نگاری وانشار پردازی میں ید طولی حاصل تھا، جہان پناہ نثر نہایت خوب تحریر فرماتے تھی (ص ۳۵۹)

یہ تو درباری مورخین کے بیانات ہیں، لیکن بیسویں صدی کے ممتاز انشار پرداز اور نکتہ سنج ادیب بھی اسکے ادب کی تعریف اسی گرم جوشی کے ساتھ کرتے ہیں، مولانا شبلیؒ رقمطراز ہیں:

عالمگیر تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا، اس کی انشار پردازی کی داد مخالفوں تک نے دی ہے، اس کے رقعے باوجود اس کے کہ واقعات کا ذخیرہ، قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ اور خبر افیانہ اطلاعوں کی یادداشت ہیں تاہم ادائے مطلب کی قدرت، عبارت کی سادگی، فقروں کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو بہ پہلو جملے، دلنشین ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں۔" (مضامین عالمگیر ص ۱۴۲)

سیر گشتی سیر گوید نے ہنوز　　این است آتش انیت تابش انیت سوز

حق قدم بروے نہد از لامکان　　انگہ او ساکن شود از کن نکان

چونکہ جزو دوزخ است این نفس ما　　طمع کل دارد ہمیشہ جز وہا

این قدم حق را بود کو را کشد　　غیر حق خود کے کمان او را کشد

قوتے خواہم ز حق دریا شگاف　　تا بسوزن بر کنم این کوہ قاف

او تعالیٰ توفیق کرامت کند و ازین نیزہ روزہ رہائی بخشد، بحرمۃ محمد و آل محمد علیہم الصلاۃ والسلام[1]

ایک بار شہزادہ بیدار بخت (خلف اکبر محمد اعظم) نے اپنی محبوبہ بیگم شمس النساء صبیہ سید ممتاز خان کو غصہ کی حالت مین پاجی کی لڑکی کہا، خود دار بیگم نے شہزادہ سے بولنا چھوڑ دیا، عالمگیر کو خبر ہوئی. تو بیدار بخت کو اس دلچسپ انداز مین خط لکھا،

صبحدم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت　　ناز کم کن کہ درین باغ بسے چون تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نرنجم لیکن　　ہیچ عاشق سخن تلخ بمعشوق نگفت

بآن نور الابصار واضح باد کہ در ایام جوانی کہ اصطلاح رواج مصاحبان شما جوانی دیوانی می گویند ما را ہم در ان ایام این تعلق با شخصیکہ نہایت تبختر داشت ہم رسیدہ بود تا حیات محبت او را بانجام رسانیدیم و گاہے، از، دہ نکردیم دیگر آن کہ با سادات لفظ پاجی گفتن محض پاجی گریست، کسے اگر سید را پاجی بگوید البتہ پاجی نخواہد شد، اگر از نوشتہ محلدار و ناظر رضامندی آن سیدہ نشود بعتاب، بلکہ عقاب گرفتار خواہید شد، جزاءً بما کانوا یعملون،[2]

شاہزادہ محمد اعظم کو ایک موقع پر تنبیہ کرتا ہے،

عجب از آن فرزند کہ صحبت ما ہیچ اثر نہ کردہ؟ از احتیاط و دور بینی ہزار مرحلہ دور افتادہ

۱؎ وقائع عالمگیر مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی ص ۹۰-۸۹، ۲؎ ایضاً ص ۷۰،

ہے، تو کبھی سرد مہری، کبھی الزامات کی صفائی ہے، تو کہیں دوسرے کے خلاف شکایت، غرضکہ وہ کونسی چیز ہے جو اس مجموعہ میں نہیں ہے، پھر وہ کونسی شے ہے، جس میں حقیقت نگاری کے ساتھ کمال ادب کو جگہ نہیں دی گئی ہے"[1]

عالمگیر کا ذوق شعری | عالمگیر کے دربار میں کوئی ملک الشعراء نہیں تھا، اس سے عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ عالمگیر کو شعر و شاعری سے نفرت تھی، اس لیے اس عہدہ کو اپنے دربار سے ختم کر دیا، مگر اہل نظر یہ کیونکر یقین کر سکتے ہیں، جب کہ اس کے اکثر خطوط اشعار اور لمبی لمبی نظموں سے مزین نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر بعض نمونے ملاحظہ ہوں، ایک خط میں لکھتا ہے:-

خان جہان بہادر درگذشت، انا للہ وانا الیہ راجعون، سبحان اللہ آدمی چہ قدر غافلست؟ ونفس تا کجا بروغالب؟ درین ایام صوبہ داری دکھن می خواست وبچہ ودیگری آرزوے آن کرد؟ آرے کار نفس بدتر ازین است، ؎

کشتن این کار عقل وہوش نیست | شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست
عالمے را لقمہ کرد و درکشید | معدہ اش نعرہ زنان ہل من مزید
دوزخ است این نفس و دوزخ اژدہاست | کو بدریا ہا نگردد کم و کاست
ہفت دریا را در آشامد ہنوز | کم نگردد سوزش این خلق سوز
سنگہا و کافران سنگ دل | اندر آیند اندران خوار و خجل
ہم نگردد ساکن این چندین غذا | تا زحق آید مرا ورا این ندا

---

[1] مقدمۂ رقعات عالمگیر از نجیب اشرف ندوی ص ۵۶-۵۵، ہم نمونے کے لیے اورنگزیب کے رقعات کو یہاں پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتے، کیونکہ مولف ہذا نے اورنگزیب کے خطوط پر ادبی حیثیت سے نہایت ہی مبسوط ناقدانہ اور فاضلانہ بحث کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمۂ رقعات عالمگیر ص ۵۵ تا ۹۰

جو شعر اس کو پسند آتے تھے ان کو خود اپنی بیاض مین لکھ لیتا تھا، اور اکثر اوقات اپنے لڑکون کی بیاض مین بھی بالالتزام لکھواتا تھا، ایک رقعہ مین لکھتا ہے،

ہدایت اللہ زرین رقم بگوئید، کہ این رباعی در بیاضے کہ بپادشاہزادہ کام بخش مرحمت می شود، بخط خود بنویسد ؎

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش　　من خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش

کس دشمن من نیست منم دشمن خویش　　اے وائے من و دست من و دامن خویش[1]

علالت اور حتی کہ بستر مرگ پر بھی عالمگیر کی زبان پر شعر ہوتے تھے، ۱۱۱۶ھ مین ایک بار بیمار پڑا، تو ضعف کی حالت مین یہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھ رہا تھا،

بہشتاد و نود چون در رسیدی　　بسا سختی کہ از دوران کشیدی

دران جا چون بصد منزل رسانی　　بود مرگے بصورت زندگانی

امیر خان نے جو اس وقت اس کے ساتھ تھا، عالمگیر کو شعر پڑھتے سنا تو عرض کیا کہ نظامی گنجوی نے ان ابیات کی تمہید مین یہ بیت کہی ہے،

پس آن بہتر کہ خود را شاد داری　　دران شادی خدا را یاد داری

عالمگیر نے اس شعر کو کئی بار سنا، پھر اپنی بیاض مین لکھوایا، اور مدت تک یاد رکھا،[2] بستر مرگ پر یہ شعر اکثر اس کے ورد زبان رہتا تھا،

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم　　دگرگون می شود احوال عالم[3]

یہ تعجب سے سنا جائے گا وہ خود بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کرتا تھا لیکن ہم کو اسکا صرف ایک شعر مل سکا۔

---

[1] وقائع عالمگیر ص۵، [2] مآثر عالمگیری واقعات ۱۱۱۶ھ، [3] واقعات ۱۱۱۸ھ

الحزم سوء الظن بخاطر نیاوردہ و از آیت ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ بہرہ نیافتہ؛

مرغے کہ زیرکست درین بوستان سرا   گل را خیال چنگل شہباز می کند

خون می چکد ز زخم نمایان ز خندہ اش   کبکے کہ بے ملاحظہ پرواز می کند

مردے در تہوری و بے باکی نیست بلکہ در خود شکنی ست

کمال مردی و فرزانگی ست خود شکنی ست   ببوس دست کسے را کہ این کمان شکند

ایک دوسرے رقعہ میں لکھتا ہے :-

بفرزند عالیجاہ عرضداشت کند کہ ایشان استشفاع تقصیر اعتبار خان کردہ اند، احتمال قوی کہ سید سعد اللہ در ریش نوشتہ باشند بنویسید کہ عبد القادر بیدل درین مقام دو مصراع دلچسپ گفتہ

بترس از آہ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید[1]

سعدی، حافظ، نظامی، نظیری، صائب، ملا شاہ اور فانی کشمیری کے دواوین عالمگیر خاص طور سے پڑھتا تھا، اور ان کے اشعار زبانی یاد رکھتا تھا، بخشی الممالک مخلص خان نے ایک بار دیوان صائب پیش کیا، جس میں ایک لاکھ اشعار تھے، عالمگیر صائب کے ایسے اشعار پڑھ کر بہت محظوظ ہوا، جو معرفت و تصوف میں ڈوبے تھے، اور اس دیوان کو محبوب رکھنے لگا، اس کی مندرجہ ذیل غزل ایک مدت تک اپنی محفل میں بار بار پڑھ کر سنتا تھا،

خم چو گردید قد افراختہ می باید رفت   پل برین آب چو شد ساختہ می باید رفت

ہر چہ در کار بود ساختنش خود سازیست   گو مشو کار جہان ساختہ می باید رفت

این سفر ہیچو سفرہائے دگر صائب نیست   رخت ہستی ز خود انداختہ می باید رفت[2]

[1] وقائع عالمگیری ص ۱۳۲،
[2] مآثر عالمگیری ص ۲۷۲

قد تو در خرام بگلگشت بوستان — صد پیچ و خم ز شرم بسرو چمان دہد

آنجا کہ دست نالۂ عاشق کجا رسد — گر بال جبرئیل بمرغ فغان دہد

از چشم جانستانش چو خواہم حیات نو — مژگان جواب من بزبان سنان دہد

گر دل ستاند از نگہ عشوہ آفرین — صد دل عوض ز طرۂ عنبر فشان دہد

چون شیشۂ شراب کہ با محتسب دہند — کس دل چرا بدست تو نامہربان دہد

نازم بچہرۂ کہ بہنگام مے ز عکس — رنگینیٔ بہار بفصل خزان دہد

ہر چیز را نجا صفتے آفریدہ اند — کے سرمہ در گلو اثر زعفران دہد

من خود بدیدہ یار خوشم ورنہ روزگار — کے این قدر الم بدل شادمان دہد

چشمش بابروان و مژہ گشت عالمی — کس ترک مست را ز چہ تیر و کمان دہد

زلفش مزوریست مکن اعتبار او — از عشوہ گر دلی بتو شب درمیان دہد

مضمون دلنشین کہ رسد از جہان غیب — یاد از طراوت سخن باستان دہد

مردان بود کہ گر ہمہ عالم بدو دہند — دل کم دہد بشادی و غم تا کہ جان دہد

ما جان بنقد مہر و وفا دادہ ایم و بس — دیوانہ نیستیم کہ جانی بنسیان دہد

شاید مراد من کہ خود خواہم ز آسمان — اورنگ زیب عادل گیتی ستان دہد

شاہے کہ از برائے سر دشمنان دین — بہر نثار گوہر تیغ یمان دہد

بہرام صولتے کہ ز بیمش پے گریز — گردون عنان تو دہ بکہکشان دہد

تا ارض بہ سکون و سما در تحرک است — تا چتر آفتاب ز مشرق نشان دہد

زیبندہ باد بر سر اورنگ سلطنت — تا ابر و مہر راتب دریا و کان دہد

باوجودیکہ اورنگ زیب اپنی مدح سرائی مطلق پسند نہ کرتا تھا، اور شاعروں کی قصیدہ

غم عالم فراوان ست و من یک غنچہ دل دارم　　چسان در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیابان را[1]

ان شواہد کی موجودگی مین یہ کہنا کہان تک درست ہے، کہ عالمگیر کو شعر و سخن سے دلچسپی نہین تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ عملی اور کارفرما دل و دماغ لیکر آیا تھا، وہ تفریحی مشاغل کا شیدانہ تھا، اس کی سنجیدہ اور متین طبیعت شعراء کی مبالغہ طرازیون، خوشامدانہ مداحیون، اور جھوٹی بناوٹی باتون کو نہین پسند کرتی تھی، چنانچہ مراۃ العالم مین ہے؛

و در مراتب نثر و انشا دستے تمام داشت و در مہارت نظم ہم بہرہ تمام اما بمودای مستشہد صادق کریمہ والشعراء یتبعہم الغاؤون متمسک گشتہ توجہ باستماع شعر نداشتند تا بشنیدن اشعار چہ رسد الا شعرکہ متضمن موعظت باشد

نہ کردہ بہر رضائے خدائے عز و جل　　نہ چشم سوے غزال و نہ گوش سوے غزل

مآثر عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے،

جہان پناہ اگرچہ نظم و نثر کے سمجھنے اور لکھنے مین کمال قدرت رکھتے تھے لیکن بیفائدہ اشعار اور خصوصاً کاذب مدح سرائی کے سننے سے پرہیز فرماتے تھے نصیحت آمیز اشعار سے البتہ بے حد ذوق تھا،[2]

ایک بار سلطان شادمان نے اسکی مدح مین مندرجہ ذیل قصیدہ اس کے سامنے پڑھا،

آن کیست کو ز حلقۂ لعلت نشان دہد　　در خواب اگر دہد بطریق گمان دہد

آب حیات خضر کہ عمریست جاودان　　تا کے ز حسرت لب لعل تو جان دہد

فکر سخن جدا ز کہ خضریست فی المثل　　خود در عدم رود چو نشان ز ان میان دہد

ابر قلم کہ آب سیہ می چکد از و　　رنگ سخن ز وصف لب گل رخان دہد

[1] بحوالہ بادشاہ نامہ عالمگیری از دلگار اللہ ص ۵۱۰ [2] مآثر عالمگیری ص ۳۸۹

کا قائل نہ تھا، اور نفس شاعری کو ذریعۂ معاش ٹھہرانا پسند نہ کرتا تھا، یہی سبب ہے کہ اس نے دربار کے شعراء کو بھی ان کی استعداد و لیاقت کے مطابق ملکی منصب دیکر روزی کمانے کا ذریعہ فراہم کیا، اس نے نفس شاعری کا منصب قائم رکھنا پسند نہیں کیا،

دربار کے متوسلین شعراء کی تعداد تو زیادہ ہے، مگر ہم یہاں پر صرف تھوڑے سے ارباب سخن کا ذکر کرتے ہیں

نعمت خان عالی، عالی تخلص تھا، اور مرزا محمد علی نام، حکیم فتح الدین شیرازی کا لڑکا تھا، مرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوا، لیکن صغر سنی میں باپ کے ساتھ شیراز چلا گیا، اور وہیں تعلیم پائی، ہندوستان آیا تو ملا شفیعائی یزدی کے سامنے بھی زانوے تلمذ تہ کیا، یہاں طب کا آبائی پیشہ اختیار کیا، پھر اورنگ زیب نے اپنے ملازمان خاص میں داخل کر لیا، اورنگ زیب نے جب حیدرآباد فتح کیا، تو اس نے یہ تاریخ کہی،

از نصرتِ پادشاہ غازی　　　گردید دل جہانیان شاد
آمد بقلم حساب تاریخ　　　شد فتح بجنگ حیدرآباد

اورنگزیب نے خوش ہو کر اس کو خلعت و انعام عطا کیا[1]

۱۱۰۱ھ میں اس کو نعمت خان کا خطاب ملا، اور باورچی خانہ کا داروغہ مقرر ہوا، آخر عہد میں اورنگزیب نے اسے مقرب خان کے خطاب سے سرفراز کیا، اور جواہر خانۂ نگین دولت کا داروغہ بنایا، شاہ عالم کے زمانہ میں دانشمند خان ہوا، اور بہادر شاہ نامہ لکھ رہا تھا کہ زندگی کو خیرآباد کہا، اس کی مختلف تصانیف کا ذکر آگے آئیگا، لیکن یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اس کی کتاب وقائع نعمت خان میں عالمگیر کی ہجو ملیح بھی ہے، احمد علی سندیلوی، مخزن الغرائب میں لکھتے ہیں:

---

[1] مآثر عالمگیری واقعات ۱۰۹۷ھ

خوانی کو فعل عبث سمجھتا تھا، چنانچہ شادمان کو آئندہ مدح سرائی سے منع کر دیا، لیکن قصیدہ کے بعض بعض اشعار کو شاعرانہ نقطۂ نظر سے بہت پسند کیا، اور بار بار پڑھوا کر سنا۔ مراۃ الخیال میں ہے،

سلطان شادمان قصیدۂ مشتمل بر مدح گفتہ بسمع مبارک رسانید وبعض ابیاتش پسند خاطر فیاض افتاد وبتکرار استماع فرمودند[۱]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس ذوق شعری کے ملک الشعراء کا عہدہ عالمگیر نے کیوں تخفیف کر دیا، دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دربار کے ممتاز ترین شعراء کون تھے، نعمت خان عالی، عاقل خان رازی، ملا اشرف ماژندرانی اور موسوی خان وغیرہ وغیرہ کیا ان میں کوئی ایسا تھا جو فیضی طالب آملی، قدسی اور ابو طالب کلیم کا مدمقابل ہو سکتا تھا، اگر ان میں سے کسی کو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کر کے ان نادرۂ روزگار شعراء کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا، تو کیا عالمگیر کے علم و ادب کے بلند اور اعلیٰ ذوق پر حرف نہ آتا، ان میں سے کسی ایک میں بھی فیضی کا جوش بیان اور استعارات کی شوخی، یا طالب آملی کی تشبیہات کی ندرت، یا قدسی کا جوش و خروش، یا کلیم کی مضمون آفرینی اور خیال بندی پائی جاتی ہے؟ مولانا شبلی قمطراز ہیں کہ مرزا صائب کے بعد بھی لوگوں نے طبع آزمائیاں کیں لیکن وہ شمار کے قابل نہیں، وہ تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایران میں شاعری مرزا صائب پر ختم ہو گئی، ہندوستان میں بھی یہ کہنا صحیح ہے، کہ شاہجہانی دور میں فارسی شاعری اوج کمال پر پہنچ کر زوال کی طرف مائل ہوتی گئی، بعد کے شعراء پرانی شراب کو صرف نئی بوتلوں میں انڈیلتے رہے،

شعراء یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ عالمگیر کا دربار شعراء سے خالی ہو گیا تھا، اس کے دربار میں بھی شعراء تھے وہ ان کے اشعار سنتا، اور موقع بموقع اپنے جود و سخا سے ان کو فیضیاب کرتا تھا، مگر وہ مفت خوری

---

[۱] مراۃ الخیال ص ۲۵۲، ۲۵۳

حاوی فنون، فر بود و جامع علوم متکاثر ...... مرزا محمد در نظم و نثر قدرت عالی دارد خصوص در وادی نثر طلسم حیرت می بندد"

مآثر الامرا، کا مصنف اس کو ہمیشہ حاجی کے نام سے یاد کرتا ہے، اور لکھتا ہے،

"ہیچ یکے از زبانش نرستہ"[1]

عالمگیر نے نعمت خان عالی کے لڑکے حکیم حاذق کو حکیم الملک کا خطاب دیا، محمد شاہ کے عہد مین یہ خطاب حکیم الملوک ہوگیا، اور پنجہزاری منصب بھی ملا۔[2]

عاقل خان رازی، میر عسکری نام، خواف کا رہنے والا تھا، شاہجہان کے عہد مین ہندوستان آیا، اور شہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ دکن مین قلعدار مقرر ہوا، ایام شاہزادگی مین اورنگ زیب کی ایک کنیز (دیکھیے از پرستان خاص) کا انتقال ہوگیا اس سے اورنگ زیب روز "تازہ بتازہ و نو بنو" گانے سنکر محظوظ ہوا کرتا تھا، اس کے انتقال پر ملال پر اورنگزیب بہت ہی غمگین ہوا اسنا غم غلط کرنے کے لیے دوسرے روز شکار مین چلا گیا، میر عسکری بھی ساتھ تھا، تنہائی مین میر عسکری نے پوچھا کہ اندوہ و ملال کی شدت مین شکار کھیلنے کے کیا معنی؟ اورنگ زیب نے جواب مین یہ شعر پڑھا:-

نالہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست   در بیابان می توان فریاد خاطر خواہ کرد

میر عسکری نے یہ شعر سنکر عرض کیا، کہ

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود   ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

---

[1] مآثر الامراء جلد سوم ص ۶۵۰، اس کے حاجی کے نمونے مخزن الغرائب مین ملاحظہ ہون، کلیات نعمت خان عالی کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن مین ہے، کلام کے کچھ نمونے مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۲۳۰ پر بھی درج ہیں۔ [2] مآثر الکرام ص ۱۳۰

بے حد شوخ، بے باک، حاضر جواب اور لطیفہ گو تھا، محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی ملازمت سے سرفراز ہوا، بادشاہ قابل دوست اور جوہر شناس تھا، اس نے اس کو منصب دے کر نعمت خان کا خطاب دیا، مگر اس نے اپنے ولی نعمت کے حق نمک کا خیال نہین رکھا، اور ہجو ملیح لکھی

نمک سودہ الماس شیبا است ہم　　ہر کہ این را بغلط خورد دگر جان نبرد

آخر اپنی نامناسب اور ناشایستہ باتون سے لوگون کی نظرون سے گر گیا۔ اس کی غزلون کے اشعار مین تو کوئی لطف نہین، بلکہ بے مزہ اور لطف سے خالی ہین، مگر اس کی مثنوی، ہجو اور نثر پسندیدہ ہے،[1]

اورنگ زیب نعمت خان عالی کی دریدہ دہنی سے واقف تھا، لیکن اس سے وہ قصداً اغماض کرتا تھا، ایک بار کامگار خان نامی ایک امیر کی شادی کے موقع پر نعمت خان عالی نے ایک ہجو لکھی، تو امیر نے اورنگ زیب سے اس کو تنبیہ کرنے کی درخواست کی، لیکن اورنگ زیب نے لکھا:

خانہ زاد سادہ لوح (کامگار خان) می خواہد کہ ما ہم درین رسوائی شریک سازد کہ او ہر چہ خواہد درباب ما بگوید، و بنویسد، و شہرۂ عالم سازد، و بیشتر ہم درباب ما مقصر نبودہ[2]، تلافی باضافہ انعام شدہ کہ دیگر ارتکاب نکند، باوجود این خودکی نکردہ زبان بریدن و گردن زدن مقدور نیست، باید سوخت، و باید ساخت، رفیق لا یدافقک ولا یفارقک[3]

میر غلام علی آزاد اس کے بارے مین لکھتے ہین، کہ

[1] مخزن الغرائب قلمی نسخہ مملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ، [2] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ فتح دکن کے موقع پر تاخیر ہوئی تو بعض امرا نے اورنگ زیب سے واپس جانے کی درخواست کی، اورنگ زیب واپس جانے کے خلاف تھا اس موقع پر نعمت خان عالی نے چڑھ کر کہا:۔ بنشستہ جہان قوی کہ برداشتنش بجز کارے دگرے نیست خدا بردارد عالمگیر ہنش پڑا، [3] وقائع عالمگیر ص ۶۶،

کا قصہ ہے، مہروماہ میں ایک ہندوستانی قصہ منظوم ہے[۵۱]، مصنف مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ مثنوی مولانا روم کے دقائق کو حل کرنے میں وہ اپنے کو یکتا خیال کرتا تھا[۵۲]، اس کے تغزل کا رنگ یہ ہے

خشک کنم ز سوز دل دیدۂ اشکبار را — چند در آب افگنم آئینۂ نگار را

منتظران یار را جلوہ بہر صور نکوست — سرمہ بود غبار رہ دیدۂ انتظار را

قبلۂ مست می کند خانۂ مے فروش را — آنکہ بکعبہ می برد سالک ہوشیار را

پائے طلب براہ نہ شرط ادب نگاہدار — چونکہ تو کردی اختیار تہمت اختیار را

چند غمی جہان خوری دل بچہ نہی برین چمن — باد خزان چو در پے است جلوہ این بہار را

بست گرہ ز خون دل نافۂ آہوے من — تا بکشاد آن غزال طرۂ مشکبار را

ساقی مست را ز پا ساغر بہشتی دہد — این مے اگر نمی چشی بس کہ کشی خمار را[۵۳]

ملا محمد سعید **اشرف** ماژندرانی، ملا محمد صالح ماژندرانی کے لڑکے اور ملا محمد تقی مجلسی کے نواسے تھے، عالمگیر کے اوائل حکومت میں ہندوستان آئے، ان کی استعداد و قابلیت کو دیکھکر عالمگیر نے ان کو زیب النساء کا اتالیق مقرر کیا، ۱۰۹۳ھ میں زیب النساء سے اجازت لے کر اصفہان واپس گئے، پھر واپس آئے تو شہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم کے ساتھ عظیم آباد میں رہے، شہزادہ انھیں بہت ہی محبوب رکھتا تھا، باوجود کبر سنی کے انھیں اپنے پاس برابر بٹھائے رہتا تھا، آخر عمر میں بیت اللہ کی زیارت کو جا رہے تھے کہ مونگیر پہنچکر مالک حقیقی سے جا ملے، یہیں ان کی قبر بھی ہے، ان کے دیوان میں قصائد، قطعات، غزلیات کے علاوہ مثنویان بھی ہیں، ان کی بعض غزلوں کے پسندیدہ اشعار یہ ہیں،

بدنیا چون در آید آدمی بدبخت می گردد — ہوا چون در میان مشک آید سخت می گردد

[۵۱] ہمیشہ بہار از کشن چند اخلاص بحوالہ فہرست مخطوطات کتب خانۂ شاہ اودھ مرتبہ اسپرنگر، ص ۱۴۴ - ۳۰۵
[۵۲] مآثر عالمگیری ص ۲۰۴ - [۵۳] مراۃ الخیال ص ۲۴۶

اورنگزیب نے شعر سنا تو اس پر رقت طاری ہوگئی، اور اس کو بار بار پڑھتا رہا۔[1]

میر عسکری، حضرت برہان الدین رازی کا معتقد تھا، اس لیے رازی تخلص کرتا تھا، جب اورنگزیب دکن سے دارا سے لڑنے چلا، تو قلعۂ دولت آباد میں اپنے اہل وعیال کو چھوڑا، میر عسکری اس شہر کا نگہبان ہوا، اورنگ زیب جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کو عاقل خان کا خطاب دیا، اور دوآبہ کا فوجدار مقرر کیا، لیکن چند مہینے کے بعد میر عسکری صحت کی خرابی کیوجہ سے خانہ نشین ہوگیا، اس مدت میں اس کو ۰۰ ۵ ، روپیہ یاہوار ملتے رہے، ۱۰۷۰ھ میں پھر ملازمت شاہی میں منسلک ہوا، اور داروغہ حرم خاص مقرر ہوا جس پر بہت ہی معتمد امیر مامور ہوتا تھا، اس زمانہ میں اورنگزیب کے عنایات واکرام سے برابر فیضیاب ہوتا رہا، ۱۰۸۱ھ میں اس کو ایک شاہی خلعت عطا کیا گیا، اور ڈاک چوکی کا داروغہ مقرر ہوا لیکن اس عہدہ سے مستعفی ہوگیا، ۱۰۸۷ھ میں اس کا ایک ہزار روپیہ وظیفہ مقرر ہوا، ۱۰۹۰ھ میں بخشی دوم کے عہدہ پر مامور ہوا، ۱۰۹۱ھ میں اسکو دہلی کی صوبہ داری سپرد کی گئی، اس عہدۂ جلیلہ پر اپنی وفات تک فائز رہا، مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ عاقل خان کی خدمات، دیانت داری اور اخلاص کی وجہ سے عالمگیر اسکی خودرائی وخودبینی وخودآرائی سے چشم پوشی کرکے عمدہ اور اہم خدمات اسکے سپرد کرتا تھا،[2]

ظفرنامۂ عالمگیری، ایک دیوان، مرقع تصنیف رازی، اور چند مثنویاں، نغمات العشق، ثمرات الحیوٰۃ، شمع وپروانہ، اور مہروماہ اس کی یادگار ہیں، ظفرنامۂ عالمگیری میں عہد عالمگیر کے واقعات جنگ بیجاپور سے میر جملہ کی وفات تک درج ہیں، مرقع تصنیف رازی میں مولانا جلال الدین رومی کے طرز پر ایک مثنوی ہے، ثمرات الحیوٰۃ اس کے مرشد شیخ برہان الدین رازی کی تصنیف ہے، اس نے اس کو ترتیب دیا ہے، شمع پروانہ میں رتن سین اور پدماوت

[1] مرآۃ الخیال ص ۲۶۳، [2] مآثر عالمگیری ص ۲۸۳،

وہ لکھتا ہے :-

مرزا روشن ضمیر آسمان فضل وکمال کے بدر منیر تھے، بڑے صاحب استعداد و بلند فطرت تھے، لطائف خسروی کو عربی اور فارسی مین رائج کیا، اور ہندی کے علم مین اس فن کے استادون سے آگے بڑھ گئے تھے، ہندی کے اکثر اساتذہ ان کے سامنے تعظیم بجالاتے تھے، فن موسیقی مین اسقدر کمال حاصل کیا تھا، کہ بڑے بڑے ماہرین ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے، چودہ ہزار راگنیون سے اہل صحبت کو محظوظ کرتے تھے، عربی، فارسی اور ہندی گیت بناکر طرح طرح سے گاتے تھے، (ص ۲۲۸)

نغمے اور رقص پر ہندی زبان مین پارجاتک ایک مشہور کتاب ہے، ضمیر نے اس کا ترجمہ فارسی زبان مین کیا،[1]

رفیع خان **باذل** کا خاندان مشہد سے ہندوستان شاہجہاں کے زمانہ مین آیا، اس کا چچا مرزا محمد طاہر، وزیرخاں عالمگیر کے زمانہ مین برہان پور، اکبرآباد اور مالوہ کا صوبہ دار رہا، رفیع خاں باذل شاہجہاں آباد مین پیدا ہوا، جوان ہوا تو عالمگیر کے دامن دولت سے وابستہ ہوکر سرکار بانس بریلی کا فوجدار مقرر ہوا، بڑا قادر الکلام شاعر تھا، فردوسی کے شاہنامہ کی تقلید مین غزوات نبوی پر ایک مثنوی حملۂ حیدری لکھی جس مین مآثر الامراء کے مؤلف کے بیان کے مطابق چالیس ہزار اور مآثر الکرام کے مصنف کے مطابق نو ہزار اشعار تھے۔[2]

التفات خان نقدہ صفاہانی **طاہر** نام مرزا محمد طاہر تھا، اصفہان کا رہنے والا تھا عالمگیر کے عہد مین ہندوستان آیا، مخلص خان کے ذریعہ سے شاہی ملازمت اور منصب حاصل کیا، پہلے التفات خان پھر ملتفت خان کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، مضافات اورنگ آباد

---

[1] ید بیضا قلمی نسخہ دار المصنفین، [2] مآثر الامراء جلد سوم ص ۶۹۱ و مآثر الکرام جلد دوم ص ۱۱۲

ساقیا ساغر بگردش آر تمکین واگذار　　کشتی دریا کنان را لنگری در کار نیست

گشت مستغنی ز وصل اشرف بیاد عارضش　　همچون آن حافظ که مصحف را تمام از بر نوشت

در جوانی روش حالت پیری دارم　　چون گل زرد بهارم بخزان می ماند

رفته رفته ابر و را بر طرف سازد غضب　　آب را چندانکه چو شانند کمتر می شود[1]

روشن ضمیر، ایران کا مشہور شاعر تھا، ہندوستان آیا تو عالمگیر نے اس کی سرپرستی کی اور رفتہ رفتہ شاہی منصبداروں میں داخل ہوگیا، جب اورنگزیب شہزادہ شجاع سے لڑ رہا تھا تو ضمیر نے مندرجۂ ذیل تاریخ لکھ کر پیش کی،

اے حرز تو سورۂ تبارک بادا　　پیوستہ ترا تاج مبارک بادا

جستم ز پے سکون فتحت تاریخ　　دل گفت شود فتح مبارک بادا

اورنگزیب کو یہ تاریخ بہت پسند آئی، اس نے انعام میں پانچ ہزار روپے مرحمت کئے[2] عالمگیر نے جب کلام پاک حفظ کیا تو اس موقع پر، روشن ضمیر نے یہ تاریخ لکھکر گذرانی،

محی الدین و مصطفٰے حافظ تو　　صاحب سیفی و مرتضی حافظ تو

تو حامی شرع و حامی تو شارع　　تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

عالمگیر نے خوش ہو کر اس کو انعام میں سات ہزار روپے عطا کئے[3]، وہ کچھ دنوں تک بندر سورت کا واقعہ نگار اور بخشی کے عہدہ پر بھی مامور رہا[4]۔

ضمیر ایرانی نژاد ہونے کی وجہ سے بھاشا و سنسکرت کے الفاظ کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتا تھا مگر اپنی ذہانت اور جودت سے ہندی کا بلند پایہ شاعر ہوا، ہندی میں اس کا تخلص پتی تھا، خافی خان اس کو امیر خسرو ثانی کہتا ہے، مراۃ الخیال کا مولف ضمیر کی مجلسوں میں شریک رہا ہے،

[1] مآثر الکرام ج ۲ صفحہ ۱۱۸-۱۱۹۔ [2-3] منتخب اللباب از خافی خان جلد دوم صفحہ ۔ [4] مراۃ الخیال صفحہ ۲۲۱

مارا بخدای خویشتن راہے ہست — درظلمت تن نور شہنشاہی ہست

چشمک زدن ستارہ بے چیزے نیست — در پردہ عنبرین شب ماہی ہست

تحسین، غلام علی نام تھا، عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہوکر اس کے لڑکے شہزادہ معظم کا ندیم خاص رہا، ۱۰۸۴ھ میں شہزادہ لاہور سے عالمگیر کے پاس جارہا تھا کہ راستے میں تحسین سے ترشروئی کے ساتھ گفتگو کی، جس کو وہ برداشت نہ کرسکا، اور راستہ ہی میں جان بحق ہوگیا، اس کے کلام کا رنگ یہ ہے:۔

بتاب مہر زبس نرم شد دل کہسار — توان کشود رگ سنگ را بہ نشتر خار

خندہ از یاد لبش چون گنبد مینای من — آب حیوان ریزد از ہر قطرہ صہبای من

مست بیباکم من و یارم بدوش دیگرست — گردن میناست خم از بار عصیان ہای من

درخاک فرو بردہ خیال لب یارم — یاقوت برآید چو کنی سنگ مزارم[۱]

صہبائی، نام عبد الباقی، مراۃ العالم میں ہے کہ وہ شاہی ملازمون کے زمرہ میں داخل تھا، مگر ملازمت کی نوعیت معلوم نہیں ہوسکی، خط نستعلیق کا بھی ماہر تھا، مراۃ العالم کے مولف کے بیان کے مطابق اس کا کلام نشاط بخش اور شور انگیز ہوتا ہے، اسکے دو شعر یہ ہیں:

لب فرو بستیم از ہستی و دم ہوشی نیست — سخنی نیست کہ شرمندہ خاموشی نیست

ز دست سرکشی شانہ سینہ چاک شوم — کہ کاکل تو در آغوش ہر بو گیرد

مرزا محمد علی ماہر اکبرآبادی۔ اپنے عہد کے اساتذہ فن میں شمار کئے جاتے تھے، کلیم، قدسی اور میر یحیی وغیرہ کی صحبت میں ان کے ذوق سخن کا نشو و نما ہوا، کچھ دنوں دانشمند خان شفیعا یزدی کے ہم جلیس رہے، پھر دارا شکوہ نے ان کو اپنے یہان طلب کر لیا، اور مرید خان

---

[۱] فرحۃ الناظرین ص۹، مراۃ العالم،

مین بیڑ کا فوجدار مقرر ہوا، نثر لکھنے مین غیر معمولی مہارت رکھتا تھا، اور ایک ہی وقت مین تین کاتبون کو مختلف عبارتین لکھواتا اور ربط و تحریر کو قائم رکھنا۔ بلکہ خود بھی کتابت کرتا جاتا تھا، اس کے کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

مکن گویا بعرض مدعا یارب زبانم را — ببند از موی چینی تار قانون فغانم را

شہید بیکسیم پوشیدہ ام بعد از قبای خود — برنگ مردہ فیروزہ نیلی در عزای خود

شہرت حسن تو شد از کشتۂ دیدار تو — از نسیم بال بلبل بشگفد گلزار تو[1]

حکیم محمد کاظم صاحب، عالمگیر کے خاص طبیبون مین سے تھا، پانصدی منصب بھی شاہی دربار سے عطا ہوا تھا، اس نے متعدد مثنویان لکھین، جن مین سے کچھ کے نام یہ ہین، آئینۂ خانہ، پری خانہ، ملاحت احمدی، صباحت یوسفی، کمال محمدی، کلیات کو انفاس مسیحی کے نام سے ترتیب دیا تھا، اس کو مصحف شریف کی طرح رحل پر رکھ مطالعہ کیا کرتا تھا، اس نے خود ستائی اور خود بینی مین خود ہی مسیح البیان کا خطاب اختیار کر لیا تھا، اس کے متعلق سرخوش کے جستہ جستہ فقرے یہ ہین:۔

اکثر شعر بطرز مولوی روم می گفت، دیوانے ضخیم پر از رطب و یابس ترتیب دادہ، بر طبع واستادی خود مغرور بود، از غایت بر خود غلطی اکثر شعر پوچ و بے معنی می گفت وازمردم چشم تحسین می داشت"

اس کی کچھ رباعیان ملاحظہ ہون:۔

برلالہ خط کشیدہ کان سنبل موست — گل را بگلاب شستہ کین صفحہ روست

عالم ہمہ اوست لیک نتوان گفتن — شہ را بسر انگشت نمودن نہ نکوست

[1] مآثر الکرام ج ۲ ص ۱۴۵

می کشد معشوق از پہلوی عاشق دلبری	از پر خود شمع را پروانہ می سازد پری
تا دل گرویدہ ام خورسند عالم از من است	در قناعت بود از یکدانہ عاجز خرمن است
بسکہ در ہجر تو چون نال قلم کاہیدہ ام	از تنم صد پیرہن بالیدہ تر پیراہن است
دوبار سوز دوانہ و فغان بلند کشد	مے دو آتشہ در سوختن سپند کشد

محمد افضل سرخوش، ۱۰۵۰ھ مین کشمیر مین پیدا ہوا، اس کا باپ محمد زاہد شاہ جہانی امیر عبداللہ خان زخمی کی سرکار مین ملازم تھا، سرخوش بھی اس امیر کے ملازمون کے زمرہ مین داخل ہوا، پھر اس کی وفات کے بعد نواب بخشی الممالک روح اللہ خان کی وساطت سے عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہوا، وہان سے اس کو منصب ملا، اور ۱۰۸۰ھ مین حسن ابدال مین شرفی عدالت کے عہدہ پر مامور ہوا، سرخوش نے عالمگیر کے دربار سے اپنی وابستگی کو فخر و امتیاز کے ساتھ لکھا ہے :-

خادم درویشان بلکہ خاکپاے ایشان محمد افضل سرخوش از خانہ زادان شاہ عالمگیر است

آخر مین شاہجہان آباد مین خوشحالی اور عزلت نشینی کی زندگی بسر کی، بہتر سال کی عمر مین ۱۱۲۷ھ مین وفات پائی، شاعری مین مرزا محمد علی ماہر اکبر آبادی، منعم حکاک شیرازی اور میر معز موسوی خان سے فیض حاصل کیا، مرزا محمد علی ماہر اور موسوی خان اس کی شاعرانہ صلاحیتون کے بعد معترف تھے، مرزا محمد علی کو اس کی شاگردی پر فخر تھا، موسوی خان نے ہندوستان کے صرف تین شاعرون کو تسلیم کیا تھا، جن مین سے ایک سرخوش تھا، بقیہ دو ناصر علی اور غنی کشمیری تھے، سرخوش نے بھی لائق شاگرد پیدا کئے، بندرابن خوشگو، حافظ محمد جمال تلاش، تنعم بیراگی، شیخ اللہ گلشن، عبدالرحیم لنگو کشمیری اور حکم چند ندرت وغیرہ اسی کے شاگرد تھے، سرخوش نے اپنا دیوان خود ہی مرتب کیا تھا، اس میں تقریباً ۴ ہزار اشعار تھے، اس کے علاوہ بہت سی

کا خطاب عطا کیا، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عالمگیر کے دربار سے بھی وابستہ رہے یا نہیں، اگر اسکی مدح میں ظہوری کے تتبع میں ایک رسالہ گل اورنگ لکھا جس کا انداز یہ ہے :-

در عہد صبی بمقتضای سن اگر بیازی گنجفہ دست کشادی شمشیر سروا کردی؛ زر سرخ و سفید بخرج دادی تا از مرکب ساز سر کارش نام سیاہی بادام شنیدہ بادام چو پستہ خندان در پوست نگنجیدہ

از داز مہر مشق شاہ مدام ۔۔۔ چشم خوبان سیاہی بادام

در عہد خوش نویسی اش از بسکہ یاقوت را مناسبتی بنقطہ نویسی نمی بیند، محرران دفتر ہمایونش یاقوت را قطعہ نمی نویسند"

مرزا محمد علی ماہر کی طبیعت میں قناعت پسندی اور درویشی تھی، اس لیے ترک دنیا کر کے عزلت نشین ہو گئے، کلمات الشعرا کا مولف محمد افضل سرخوش ان کا محبوب شاگرد تھا، ایک روز سرخوش نے استاد سے عرض کیا کہ دانشمند خان بخشی اور ہمت خان تن بخشی آپ پر مہربان ہیں، ان کے ذریعہ سے کیوں نہیں کسی منصب کی کوشش فرماتے ہیں، مرزا محمد علی ماہر نے جواب دیا کہ اب مشہور ہو چکا ہے کہ میں نے دنیا چھوڑ کر فقیری لے لی ہے، اگر دنیا کی طرف رغبت کروں گا تو میرا حال اس ہندو عورت کی طرح ہوگا جو شوہر کے مرنے پر جلنے کو جاتی ہے، مگر آگ دیکھ کر بھاگنا چاہتی ہے تو بھنگی اس کے سر کو لکڑیوں سے کچل کر اس کو جلا دیتے ہیں، چنانچہ آخر وقت تک صبر و قناعت ہی کے ساتھ زندگی بسر کی، انکے دیوان کو سرخوش نے مرتب کیا تھا، ماہر نے متعدد مثنویاں بھی لکھیں جن میں ایک مثنوی جامع نشاتین ہے، یہ تحفۃ العراقین کی بحر میں ہے، سرخوش نے اپنے استاد کے جن اشعار کو خاص طور سے پسند کیا ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں

بچشم چگونہ دیدن رویت ہوس کند ۔۔۔ نظارہ بر چراغ [illegible] کند

قناعت پسندی کی وجہ سے شاہی دربار سے بے نیاز رہے، اس دور کے اور دوسرے شعرا کے نام یہ ہین، عبدالرسول، اسیر لاہوری، آصف عمر، افسری، اعجاز اکبرآبادی، جعفر نبیرہ آصف خان، سیادت لاہوری، ضیاء الدین خیرآبادی، عارف لاہوری، سید کبیر علوی، ملا سعد اللہ غریب، عبدالوہاب غنایتی، فیضا، عبداللطیف قیصر، احمد بیگ کامل، منیر لاہوری، شیخ نورالحق مشرقی، نسبتی، عبدالاحد وحدت وغیرہ،

امرار | تیموریون کے دور حکومت مین علم پروری وعلم نوازی شان امارت مین داخل تھی، اسلیے امرائے عالمگیر نے بھی اپنی محفلون کو علم وادب اور شعر وسخن سے پر رونق رکھا، اوران مین بھی ادیب و انشاپرداز، سخن سنج اور سخن فہم پیدا ہوئے،

علاء الملک تونی **فاضل خان** عالمگیر کا پہلا وزیر اعظم ہوا، وہ معقولات، منقولات، الٰہیات، طبیعیات، ریاضیات اور نجوم وہیئت کا جید عالم تھا[1]، ادب وانشار مین اس کو بڑی مہارت حاصل تھی، اوپر گذرچکا ہے کہ محمد وارث کی بادشاہ نامہ مین کچھ حصہ فاضل خان ہی کا نوشتہ ہے، عالمگیر کے عہد مین اہم شاہی فرمان وہی لکھا کرتا تھا[2]،

محمد اسمٰعیل **ذوالفقار خان** نصرت جنگ عالمگیر کے آخری وزیر اعظم اسد خان آصف الدولہ کا لڑکا تھا، آصف خان یمین الدولہ کی لڑکی مہر النسا بیگم کے بطن سے پیدا ہوا، عالمگیر نے اس کو مختلف ملکی وحربی خدمات کے صلہ مین ذوالفقار خان اور نصرت خان کا خطاب اور پنجہزاری منصب عطا کیا، وہ شاعر بھی تھا اور شعرا کا سرپرست بھی، اور اس سلسلہ مین اس کی فیاضی

---

[1] مآثر الامرا، جلد سوم ص ۶۷۳ مین ہے "در فنون حکمت طبیعی و ریاضی از یکتایان روزگار بود، سیما در علم ہیئت و نجوم گوے سبقت از مہرۂ این فن می ربود و باکثرت فضل و کمال مایۂ وضاعش دستور العمل وانشورانِ حال"؛ [2] عالمگیر نامہ ص ۳۹۵،

مثنویان بھی لکھین، مثلاً مثنوی نور علی نور، مثنوی حسن و عشق، مثنوی قضا و قدر، مثنوی در بعض خصوصیات ہندوستان، جنگ نامۂ محمد اعظم، مثنوی در تعریف خسخانہ، جامی کی لوائح کے تتبع مین ایک رسالہ روائح بھی لکھا، نثر مین اس کی ایک کتاب جوش و خروش ہے، مگر اس کی سب سے اہم تصنیف کلمات الشعراء ہے، جس مین جہانگیر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک کے شعراء سے متعلق بہت مفید اور دلچسپ معلومات ہین، اور اس زمانہ کے مذاق کے مطابق ان کی شاعری پر تنقید و تبصرہ بھی ہے، بعد کے تمام تذکرہ نگارون نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے مختلف تذکرون مین اسکا جابجا حوالہ دیا ہے، جو اسکی اہمیت کی دلیل ہے، سرخوش[۵] نے اپنے جو منتخب اشعار پیش کیے ہین، ان مین سے کچھ یہ ہین :-

ہوشیاری را حجاب یار می دانیم ما ‌ ‌ بیخودی را بزم بے اغیار می دانیم ما
تیز می سازد بقتل عاشقان شمشیر را ‌ ‌ این قدر ہم رحم از دلبیار می دانیم ما
نظرے بر گل شبنم زدہ افتاد مرا ‌ ‌ آمد از زخم نمک سود جگر یاد مرا
ز چشم شوخ کردی تیرہ روز لالہ و گل را ‌ ‌ بخاک سرمہ کشتی شعلۂ آواز بلبل را
غنچۂ تبسم برہ ناز نیم لب شکند ‌ ‌ برگ گل در زیر پایش کم ز لخت شیشہ نیست
خواہی کہ قدم براہ حق بگذاری ‌ ‌ باید کہ بکف دامن پیری آری
بے آئینہ پنبہ در نگیرد ہرگز ‌ ‌ یک عمر اگر در آفتابش داری
از بادہ مرا فزون شود عقل و شعور ‌ ‌ ساغر خضر رہ نشاط است و سرور
می روشنی طبع بود سرخوش را ‌ ‌ روغن ہمہ در چراغ گردد نور

ناصر علی سرہندی، و غنی کشمیری بھی اس عہد کے مشہور اور مقبول شاعر تھے، مگر دونون اپنی

---

[۵] اورینٹل کالج لاہور کی اور مفید مطبوعات کے ساتھ یہ کتاب بھی شائع ہو گئی ہے، مگر راقم الحروف نے زیادہ تر بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے قلمی نسخہ سے استفادہ کیا ہے،

جعفر الہ وردی خان۔ کچھ دنوں متھرا، گورکھپور اور مرادآباد کا فوجدار رہا، دسوین سال جلوس مین اس کو منصب چہار ہزاری سہ ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ ملا، اور الہ آباد کا ناظم مقرر ہوا، بارہوین سنہ جلوس مین وفات پائی، اپنی شجاعت اور سخاوت مین مشہور ہونے کے علاوہ شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتا تھا، اور اپنا ایک دیوان بھی مرتب کیا، اس کا ایک شعر یہ ہے:

کمتر ز قاشقے نتوان بود طلب صد تیشہ می خورد کہ رساند بے بلب[۱]

منعم خان۔ اکبرآباد کے کوتوال سلطان لاس کا لڑکا تھا، حضرت شیخ کلیم اللہؒ سے تعلیم پائی، عالمگیر کے عہد مین مختلف عہدون پر فائز رہا، آخر مین جمون کا فوجدار ہوا، مگر بہادر شاہ کے دورحکومت میں اپنی خدمات کی بنا پر ترقی کرکے سپہ سالار کے عہدہ پر مامور ہوا، اور خانخانان کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، اپنی تلوار کی جھنکارون مین شعر و سخن کے نغمے بھی بلند کرتا تھا، کہتا ہے:-

بلبل از نالہ گل از خون دل ایجاد کنم عالم ناز و نیاز دگر آباد کنم

رفت مجنون فراست بپایان جنون گرد بادو گر از خاک خود ایجاد کنم[۲]

اس نے شیخ محمدی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا تھا اسی کے اثر سے اسکی شاعری مین بادۂ تصوف کی سرمستیان بھی آ گئی تھین، حقائق و معارف پر ایک رسالہ الہامات منعمی تحریر کیا،[۳]

اسلام خان میر ضیاء الدین حسین بدخشی، عالمگیر کی شہزادگی کے زمانے سے اس کے ساتھ رہا، جنگ جانشینی مین دارا شکوہ اور شجاع کے خلاف لڑائیون مین بہت ہی مفید خدمات انجام دین، عالمگیر نے خوش ہو کر اس کو اچھے اچھے عہدے دیے، چوتھے سال جلوس مین وہ کشمیر

[۱] مآثر الامراء ج ۱ ص ۷۳۱ [۲] مخزن الغرائب ورق ۲۱۲ م [۳] مآثر الامراء ج ۳ ص ۶۷۵

کی بڑی شہرت تھی، ناصر علی سرہندی جس کو سرخوش نے "آبروے ہندوستان" لکھا ہے، کچھ دنوں تک اس دربار سے بھی وابستہ رہا، ناصر ایک غزل کے مطلع مین ذوالفقار کو مخاطب کرکے کہتا ہے:۔

اے شانِ حیدری ز جبین تو آشکار | نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

ذوالفقار خان نے خوش ہوکر ایک بڑی رقم اور ایک ہاتھی انعام مین دیا، مگر ناصر علی نے اسی وقت ہاتھی اور روپے لوگون مین تقسیم کردیئے اور گھر خالی ہاتھ واپس آیا۔ ذوالفقار خان نے ۱۱۰۳ھ مین کرناٹک پر فوج کشی کی، اس نواح مین حضرت شاہ حمید سے ملا توان کا گرویدہ ہوگیا، ان کی مدح مین کہتا ہے:

اینک اینک ساقی شیرین رسید | نوبت جام حمید الدین رسید

حلقۂ درگاہ بیچون جام او | از زمین تا آسمان در دام او

جام او خورشید ربانی بود | انجمن افروز سبحانی بود

گر جمالِ او بر اند از نقاب | روزنِ ہر خانہ گردد آفتاب

در جلالش بر کشد تیغ از نیام | غیر او باقی نماند والسلام

سیف خان، بن تربیت خان بخشی شاہجہانی، عالمگیر کے زمانہ مین پہلے کشمیر اور پھر الہ آباد کا صوبہ دار تھا، ماثر الامرا (جلد دوم ص ۴۸۴) مین ہے،

"رند مشرب بیم وضع بود، اما قابلیت و مساس شعر و سخن دارد"

ناصر علی سرہندی کو اس سے بڑی شیفتگی تھی، چنانچہ کہتا ہے،

گفت و گوی طوطی از آئینہ می خیزد علی | گر نباشد سیف خان ما نفس در کار نیست

سیف خان فن موسیقی کا بڑا ماہر تھا، اس فن مین ایک رسالہ راگ درپن لکھا، جو درحقیقت ایک مستند ہندی کتاب مانک سوہل کا اضافہ کے ساتھ ترجمہ ہے،

لہ ماثر الامرا ج ۲ صفحہ ۱۰۴ و ماثر الکرام ج ۲ صفحہ ۱۳۱
سہ " " "

میرک معین الدین احمد امانت خان۔ کابل اور دکن کی دیوانی کی خدمت انجام دی، مآثر الامرا کے مولف کا بیان ہے کہ اس کی زندگی عام امرا کے طرز زندگی سے مختلف تھی، دنیادارون کے اوصاف اس مین نہ تھے، فضل وکمال سے متصف تھا، ترجمۂ شرعۃ الاسلام، اس کی خاص کتاب تھی، جس مین آداب شریعت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، خط شکستہ و نستعلیق جاننے کے علاوہ صاحب دل اور صاحب عرفان بھی تھا، اس کا ایک لڑکا وزارت خان گرامی شاعر تھا[1]

سید حسین امتیاز خان خالص۔ اصفہان سے ہندوستان آیا، عالمگیر نے اس کو صوبہ عظیم آباد پٹنہ کا دیوان مقرر کرکے امتیاز خان کا خطاب دیا، آزاد بلگرامی اس کے کلام کی صفائی کے معترف ہین، کچھ اشعار ملاحظہ ہون

رسید فصل بہار و زمانہ گلچین است — سینہ آتش می شود وقت تمکین است

نیست بے لطفی جواب نامہ گر ننوشت دوست — از زبان خامہ ما رایا د نتوانست کرد

ساقی بیا کہ فصل خزان زود می رسد — اے مے تو ہم بپرس کہ سفر می کند بہار

لطف حق را کرد با ظلمت عصیان غضب — آب مہتاب را شب تاریک آتش می کند[2]

احمد یار خان یکتا۔ ٹھٹھہ کا صوبہ دار تھا، مختلف قسم کے علوم وفنون حاصل کئے، خطاطی مین اس کو بڑی مہارت تھی، خط نسخ مین ایک کلام پاک لکھ کر میر عبد الجلیل بلگرامی کی خدمت مین پیش کیا، شعر وشاعری مین اساتذۂ فن سے معرکہ آرا ہوتا تھا۔ لاہور کے ایک شاعر محمد عاقل کا تخلص بھی یکتا تھا، اس نے احمد یار خان سے اصرار کیا کہ وہ اس کے حق مین اپنے تخلص سے دستبردار ہو جائے، احمد یار خان نے کہا کہ ایک طرحی غزل ہم دونون کہین، اور جس کی غزل بہتر ہو وہی اس تخلص کا مستحق ہو، چنانچہ دونون نے غزلین کہین، اور اساتذۂ فن کے سامنے پڑھی گئین،

---

[1] مآثر الامرا جلد اول ص ۲۶۔ [2] مآثر الکرام جلد دوم ص ۱۹۱

کا اور چھٹے سال میں الہ آباد کا صوبہ دار مقرر ہوا، اور پنج ہزاری سہ ہزار سوار کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، مگر اسی سال وفات پائی، والا تخلص کرتا تھا،[1] مآثر الامراء میں ہے

"اسلام خان خالی از کمال نبود، و اشعار آبدار از جویبار طبع نکتہ بارش تراوش می کرد" (ج ۱ ص ۲۲۰)

اس تعریف کے بعد اس کے دو مشہور شعر بھی نقل کیے ہیں،

بے تو شام غم بروز شبیخون می زند | مردم چشمم ز گریہ غوطہ در خون می زند

وسعتے پیدا کن اے صحرا کہ امشب در غمش | لشکر آہ من از دل خیمہ بیرون می زند

ہمت خان میر عیسی۔ اسلام خان بدخشی کا لڑکا تھا، عالمگیر نے ایام طفلی ہی سے اس کی تعلیم و تربیت اپنی نگرانی میں کی، مآثر الامراء کے مولف کا بیان ہے کہ اسی شاہانہ نوازش کی وجہ سے میر عیسی جامع فضل و کمال ہوا، جسونت سنگھ کے محاربہ کے بعد عالمگیر نے اس کو منصب اور ہمت خان کا خطاب دیا، مختلف عہدوں پر رہنے کے بعد آخر عمر میں اجمیر میں بخشی اول کے عہدہ پر مامور ہوا، مآثر الامراء میں ہے:

"از مستعدان روزگار بود، و در ہمسران سرآمد اقوام، فصاحت و بلاغت از نظم و نثر بر صفحہ یادگار نگاشتہ" (جلد سوم ص ۹۴۸)

ہندی اور فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتا تھا، ہندی میں اس کا تخلص میرن تھا، فارسی میں اس کے دو شعر یہ ہیں:

بجز خارے کہ مجنون داشت در دل | بیابان جنون خارے ندارد[2]

من چہ گویم کہ چہ مقدار بدل نزدیکی | چشم بد دور کہ بسیار بدل نزدیکی[3]

---

[1] فرحتہ الناظرین ص ۱۰۶۔ [2] مآثر الامراء ج ۳ ص ۹۴۷ [3] کلمات الشعراء قلمی نسخہ

رنجش پیدا ہو گئی، اور وہ تھوڑے دنوں تک شاہی التفات سے محروم رہا، مگر وہ بھی اپنی خودداری کے باعث بے نیاز رہا، جب لوگوں نے سمجھایا کہ بادشاہ سے اپنی تقصیر کی معافی مانگو، تو اس نے ایک معروضہ لکھا، جس مین یہ شعر تھے،

در طلب ما بے زبانان امت پروانہ ایم | سوختن، از عرضِ مطلب پیش من آسان تر است
شد از غرورِ غلامی زبانِ عرض خموش | مرا براہ خطا، این صوا بہا انداخت
از موج فیض بحر کرم را قرار نیست | اہلِ سوال بیہودہ ابرام می کند

عالمگیر نے اس درخواست کو پڑھا تو یہ لکھا،

بے زبانی می کشاید بندہاے سخت را | در قفس طوطی ز منقار سخنگوے خود است

لیکن :-

ہیچ مردے در پے اصلاحِ خوے خویش نیست | ہر کرا دیدم در آرایش خوے خود است

"بموجب حدیث السلطان ظل اللہ ہر گاہ سلطان عصر با نوکران خود التجا مطلب او کند او جواب باین خوبی می دہد، از اخلاق بعید است کہ التفات بحالِ او نشود"[۱]

گر موسوی خان کا اصلی جوہر اس کی شاعری مین کھلتا ہے، شروع مین فطرت تخلص کرتا تھا، مگر آخر مین اس کو موسوی سے بدل دیا، کلمات الشعراء کا مؤلف محمد افضل سرخوش اس کا شاگرد اور مجلیس تھا، سرخوش نے اس کی معنی آفرینی، شعر فہمی اور انشار پردازی کی بہت تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ ایسا باکمال اہل علم ایران مین بھی کم پیدا ہوا، شاید یہ توصیفی کلمات ایک شاگرد نے غایت محبت و احترام مین لکھے ہون موسوی خان بھی سرخوش کا بڑا مداح تھا، اور کہا کرتا تھا کہ ہندوستان مین صرف تین ہی شاعر ہین، غنی، ناصر علی اور سرخوش، مگر اس مین

---

[۱] وقائع عالمگیری ص۳۰،

احمد یار خان کی غزل سننے کے بعد محمد عاقل کے لب پر مہر سکوت لگ گئی، اور اپنی غزل پڑھنے سے انکار کردیا، پھر تمام حاضرین نے ایک محضر پر دستخط کیا کہ

برین معنی گواہیم آفرین ما کہ احمد یار خان یکتاست یکتا

احمد یار خان کی وہ طرحی غزل یہ تھی:-

تا خطش طرح جہانگیری کاوسی گرفت لشکر زنگ بچہ رومی بسر روسی ریخت

بامیدیکہ شود جلوہ گر آن سرو روان خاک شد جبہہ و در راہ قدم بوسی ریخت

سرمہ آلود نگاہی کہ بیادم آمد کہ سرشک شفقے از مژہ ام طوسی ریخت

بر در بتکدہ از نالہ زارم ناقوس ہم تن اشک شد و در بناقوسی ریخت

شمع از اشک رخش بوقلمون سوخت بہ بزم جاے اشکش ہمہ خاکستر طاوسی ریخت[1]

موسوی خان مرزا معزالدین **محمد فطرت**۔ نسباً امام ضامن ثامن موسی الرضا کی اولاد میں سے تھا، اور میر محمد زمان شہدی کا نواسہ تھا، عین شباب کے زمانہ میں اپنے باپ مرزا فخرو سے خفا ہوکر اصفہان چلا آیا، جہاں آقا حسین خوانساری سے علوم وفنون کی تحصیل کی، بہت ہی ذہین و فہیم تھا، اس لیے علوم عقلیہ میں بڑا درک حاصل کیا، ۱۰۸۲ھ میں ہندوستان آیا، تو اورنگزیب نے اس میں ذاتی اور نسبی جوہر دیکھکر اپنے لطف وکرم سے مالامال کیا، شاہ نواز خان کی لڑکی یعنی شاہزادہ محمد اعظم کی خالہ سے اس کی شادی ہوئی اور وہ عظیم آباد کا دیوان مقرر ہوا، لیکن وہاں کے ناظم سے اس کا اتفاق نہ رہا، اس لیے واپس بلالیا گیا، ۱۰۹۹ھ میں موسوی خان کے خطاب سے سرفراز ہوا، اور دیوان تن مقرر ہوا، ایک سال کے بعد تمام دکن کا دیوان ہوا، ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی[2]، مرزا معزالدین بہت ہی خوددار اور نازک مزاج تھا، ایک موقع پر عالمگیر کو اس سے

---

[1] مآثر الکرام ج ۲ ص ۲۰۷، [2] مآثر الامراء ج ۳ ص ۶۳۳، ونیز مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۲۶

اور چند قدم جنازہ کے ہمراہ تشریف لے گئے، جہان پناہ نے مرحوم کے فاتحہ ونیز اس کے نام پر خیرات ومبرات جاری کرنے کے احکام صادر فرمائے، بختاور خان کی لاش حسب الحکم تخت گاہ کو روانہ اور خود مرحوم کی تیار کردہ قبر مین پیوند خاک کی گئی، بختاور خان مرحوم علماء وفقراء وشعراء کو بحد عزیز رکھتا تھا، اور جیسا کہ بیشتر مذکور ہوا، اہل ہنر وباکمال حضرات ۱
کا ہمیشہ معاون ومددگار رہا کرتا تھا، فن انشاء وتاریخ دانی مین اچھی مہارت رکھتا تھا، مرحوم کی تصنیف وتالیف مین نسخۂ مراۃ العالم یادگار زمانہ ومقبول خاص وعام ہے، یہ امیر تہذیب و اخلاق وخیر خواہی خلائق مین عدیم المثال تھا، رحمہ اللہ، (ص ۱۷۹)

مراۃ العالم کا تاریخی نام آئینہ بخت (۱۰۷۸ھ) ہے، اس کے مختلف ابواب (آرایش) مین پیغمبر اسلام کے علاوہ خلفاء، سلاطین، ائمہ، مشائخ، فلاسفہ، علماء، شعراء، خوشنویس وغیرہ وغیرہ کے اجمالی حالات درج کئے گئے ہین، آخر مین عالمگیر کے عہد حکومت کی دس سالہ تاریخ ہے، اس کے اوصاف حمیدہ، اور اس کی سلطنت کے مختلف حصون کا بھی ذکر ہے، پھر اکبر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک کے مشائخ علماء اور شعراء کے بھی حالات ہین، یہ اس دور کی اہم تاریخی کتابون مین سے ہے، مراۃ العالم ہی مین مذکور ہے کہ بختاور خان نے کچھ اور کتابین بھی لکھین (۱) چہار آئینہ جس مین اورنگ زیب کی جنگ جانشینی کے سلسلہ مین چار لڑائیون کا ذکر ہے (۲) ریاض الاولیا، جس مین مشائخ کے حالات ہین (۳) سواد اعظم جو شعراء کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے، (۴) ملخص تاریخ الفی (۵) سنائی کی حدیقہ، فرید الدین عطار کی منطق الطیر، مولانا رومی کی مثنوی، اور روضۃ الاحباب کا بھی ایک ملخص تیار کیا، اپنی علم پروری کی وجہ سے شعراء اور فضلاء کو بے حد عزیز رکھتا تھا، شعراء بھی اس کی بڑی قدر کرتے تھے، کمال الدین افسری نے اس کی مدح مین دس ہزار بلند اشعار کہے تھے[1]، جن مین عالمگیر کی فتوحات کا بھی ذکر تھا، غلام علی تحسین[2] اور عبداللطیف قیصر[3] نے

۱؎ فرحۃ الناظرین ص ۸۵
۲؎ مراۃ العالم ورق ۳۸۷
۳؎ فرحۃ الناظرین ص ۱۰۳

شک نہین کہ موسوی خان بھی اپنے عہد کا ممتاز اور بلند پایہ شاعر تھا، مآثر الامراء کے مولف نے بھی اسکی دقت آفرینی کی داد دی ہے، سرخوش نے اپنے ممدوح کے جو خاص خاص اشعار پسند کئے ہین ان مین سے کچھ یہ ہین

شدم خاک و ہنوز از عشق او آتش بجان دارم
درآغوش کفن جسمی چو تپ در استخوان دارم

ما طائر عشقیم و قفس بال و پر ماست
چون بوی گل چیدہ وطن ہمسفر ماست

چو سوز عشق را کامل کنی عیبت ہنر گردد
شود یاقوت ہر سنگی کہ لبریز شرر گردد

ندارد آفتی چون غنچہ از صرصر چراغ من
برنگ لالہ در آغوش ناخن خفتہ داغ من

آتشم در تہ پا بود دنے ہمچو سپند
کام اول نفسم سوخت ازین راہ مپرس

مرد حق در عین دنیاداری از دنیا بریست
ملک در دست سلیمان نیست در انگشتریست

این سیہ مستی مرا از بادۂ خود پروریست
شیشہ تا موج شکستن می زند بال پریست

عشق در مصر جنون لاف خدائی می زند
حسن گر یوسف شود در کسوت پیغمبریست

بختاور خان۔ عالمگیر کا بہت ہی محبوب ملازم اور دربار کا بڑا ذی اثر اور ذی علم امیر تھا، مآثر عالمگیری کا مؤلف اس کا منشی اور دیوان تھا، جب اس کا انتقال ہوا، تو مآثر عالمگیری مین لکھا ہے:۔

۱۵ ربیع الاول (۱۰۹۵ھ) بختاور خان داد و غمخواعان نے رحلت کی، بادشاہ خدام نواز کو مرحوم ملازم کے، جو مصاحب، رازدان، اور مالک کا مزاج دان ہونے کے علاوہ صاحب فہم و فراست و بزرگ منش خادم بھی تھا، اور جس نے ۳۰ سال کا مل جانثاری کے ساتھ خدمت کی تھی، انتقال سے بیحد افسوس ہوا، فرمان مبارک کے موافق بختاور خان کا جنازہ عدالت گاہ کی طرف لایا گیا، اور خود قبلۂ عالم نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی،

رکھتا تھا، لیکن مسلمانون نے بھاشا زبان پر جس قدر اس کے زمانہ مین توجہ کی، پہلے نہیں کی[1]،
عالمگیر کے مسلمان درباریون مین علاوہ، روشن ضمیر کے دانا[2] اور عبدالجلیل بلگرامی بھاشا کے
بہت ہی ممتاز شاعر تھے، اسی طرح ہندو درباریون مین فارسی کے بہت قابل قدر ادیب، شاعر
اور مورخ تھے، جو عالمگیر کے ابر لطف وکرم سے برابر سیراب ہوتے رہے، ان مین سے چند کے
احوال ملاحظہ ہون،

وامق کھتری - امرائے عالمگیری مین سے ایک کا وکیل تھا، اس کے نظم ونثر اور
ادب فارسی کی یہ دھوم تھی کہ اس کو سن کر شہنشاہ عالمگیر جو خود ایک بلند پایہ ادیب تھا، تحسین
وآفرین کہتا تھا،

رائے بندرابن - رائے بہارامل کا بیٹا تھا، بہارامل نے ۳۰ھ جلوس شاہجہانی
مین حسن خدمات کے صلہ مین رائے کا خطاب پایا تھا، دارا شکوہ نے اس کو اپنا دیوان مقرر
کیا، اس کے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت دی، اور رائے کا خطاب بخشا، وہ بہادرشاہ
کی شہزادگی ہی کے زمانہ سے اس کی ملازمت مین رہا، اس لیے وہ بندرابن بہادرشاہی کہلاتا تھا،
لب التواریخ کے نام سے ایک کتاب اپنی بہترین یادگار چھوڑی ہے، اس مین شہاب الدین غوری
سے لے کر ۱۱۰۱ھ تک کے حالات ہین، اس مین کہین کہین عربی آمیز فارسی اس خوبی سے
لکھی گئی ہے کہ بعض اوقات مصنف کے ایرانی ہونے کا دھوکا ہوتا ہے،

ایسرداس، قوم کا ناگر اور پٹن کا باشندہ تھا، ۳۰ سال کی عمر تک قاضی شیخ الاسلام
ابن عبدالوہاب کی خدمت مین تحصیل علم کرتا رہا، شاہی ملازمین مین منسلک ہوکر جودھپور کا امین
مقرر ہوا، اس نے میدان جنگ مین مفید خدمات انجام دین اور دو دست وپنج صدی افسر مقرر

---

[1] مقالات شبلی حصہ دوم ص۵۳، [2] اسکی نسبت علامہ علی آزاد بلگرامی ید بیضا مین لکھتے ہین "کہ نظم ہندی بسیار خوب گفتہ

بھی اس کی شان مین لمبے لمبے قصائد کہے، ملا سید کبیر علوی بھی اس کی سرپرستی مین رہے، یہ اپنے زمانہ کے جید عالم اور اچھے شاعر تھے بختاور خان نے دہلی مین ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اسی مین ملا سید کبیر طلبہ کو درس دیتے تھے[1]، بختاور خان شیخ محمد بقائی کا بھی مربی رہا، شیخ صاحب شیخ نور الحق ابن مولانا عبد الحق دہلوی کے شاگرد اور شیخ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، افتخار خان میر خانساماں کی وساطت سے شاہی دربار کے ملازموں کے زمرہ مین داخل ہوئے، مگر شاہی نوازشون کی وجہ سے زیادہ تر وقت علمی مشاغل مین گذارتے تھے، بختاور خان سے ان کے گہرے مراسم تھے، ان کی مشہور اور اہم تصنیف مراۃ جہان نما ہے جس کا موضوع مراۃ العالم سے ملتا جلتا ہے[2]، ان کی طرف ایسی کتابین بھی منسوب ہین جن کو بختاور خان کی تصنیف کہا جاتا ہے،

ہندو فضلاء و شعراء عالمگیر کی سرپرستی نہ صرف مسلمان فضلاء و شعراء تک محدود رہی، بلکہ اس نے ہندو اہل علم و کمال کو بھی اپنا رہین منت بنایا، ہندی کا مشہور رزمیہ شاعر یعنی بیردس اور بھوشن کوی کا بھائی چنتامنی کوی اورنگ زیب ہی کے سایۂ عاطفت مین بڑھا، چنتامنی کے توسل سے بھوشن کوی دہلی مغل دربار مین پہنچا، اور وہان عرصہ تک رہا، کئی اپنی ہسٹری آف ہندی لٹریچر مین لکھتا ہے، کہ "سخت گیر اورنگ زیب ہندوؤن کے فنون اور علوم کا دلدادہ نہ تھا لیکن ہندی کے ہندو شعراء دربار کی اعانت اور سرپرستی سے قطعاً محروم نہین رہے، بہت سے شاعر اورنگ زیب اور اس کے بیٹے بہادر شاہ کے دربار سے وابستہ رہے"، اسی حقیقت کو مولانا شبلی اس طرح واضح کرتے مین کہ "عام خیال یہ ہے کہ ہندوؤن کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت

---

[1] فرحۃ الناظرین صنا [2] یہ ایک متنازعہ فیہ بحث ہے کہ بختاور خان نے مراۃ العالم خود ہی لکھی، یا شیخ محمد بقا سے لکھوائی دیکھو الیٹ ج ۷، ہم مراۃ العالم کو مآثر عالمگیری کے بیان کے مطابق بختاور خان ہی کی تصنیف قرار دیتے ہیں،

وہ ہندووں کے پڑھنے کے لائق ہے[۱]۔ دوسری کتاب ردالکفر ایک نو مسلم کی لکھی ہوئی ہے جس مین ہندووں کے عقائد پر تبصرہ کیا ہے[۲]،

مورخین اورنگ زیب کے درباری مورخین کی تعداد زیادہ نہین، وقائع و اخبار نویسون کے علاوہ صرف ایک درباری مورخ منشی محمد کاظم تھا جس نے عالمگیر کی حکومت کے دہ سالہ واقعات عالمگیر نامہ مین لکھے ہین، منشی محمد کاظم، مرزا محمد امین منشی مصنف پادشاہ نامہ کا لڑکا تھا، اس کے ادب و انشاء کے چند نمونون کو دیکھکر عالمگیر نے اسے اپنے عہد کے حالات لکھنے کے لیے مامور کیا، لیکن دس سال کے واقعات لکھنے پایا تھا، کہ عالمگیر نے دربار کے محکمۂ تاریخ نویسی کو بالکل ختم کر دیا، اس کی خاکسار طبیعت پسند نہین کرتی تھی کہ اس کے مفاخر و مکارم کی داستان گوئی کے لیے ایک سرکاری بزم قائم رہے، عالمگیر نامہ کے مقدمہ مین ہے:-

> چونکہ بندگان عالی اپنے قدرتی علم اور بلند حوصلگی کی بنا پر ظاہری چیزون کے بقاو قیام کو ان کے فنا ہونے پر ترجیح نہین دیتے تھے، اس لیے روحانی خوبیون کی تعمیر کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے، اس لیے دس سال کے واقعات لکھنے کے بعد حکم دیا کہ عالمگیر نامہ کا مصنف محمد کاظم جوان کے مفاخر و مکارم کی داستان بیان کرتا تھا، اس کے بعد کے واقعات کو قید تحریر مین نہ لائے، اس لیے اس نے اسی پر اکتفا کیا،

مآثر عالمگیری کا مصنف بھی اپنے دیباچہ مین اسی بات کو ظاہر کرتا ہے،

> کتاب عالمگیر نامہ مصنفۂ مرزا محمد کاظم مین بادشاہ دین پناہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ واسعۃً کے عہد معدلت کے صرف دہ سالہ واقعات

---

[۱] اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جامعہ ملیہ لائبریری دہلی مین موجود ہے، اس پر علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک مضمون معارف نمبر ۶ جلد ۲۳ مین ملاحظہ ہو، [۲] ایضاً

ہوا، فتوحات عالمگیری اس کی ایک علمی یادگار ہے، جس مین ۱۶۵۷ء سے ۱۶۹۵ء تک کے واقعات ہیں،

بھیم سین کایستھ - شاہی ملازمت مین بندیلہ کے حاکم کے ساتھ منسلک تھا، دکن کی لڑائیون مین بہت ہی کارآمد ثابت ہوا، تو عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ تین ہزار فوج کا افسر بنایا، پھر قلعہ نالدرک کا قلعہ دار ہوا، دلکشا کے نام سے عہد عالمگیری کی ایک تاریخ لکھی جو بہت اہم سمجھی جاتی ہے،

سوجان رائے کھتری بٹالہ کا رہنے والا تھا، خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک پُر از معلومات تاریخ ابتدائے عالم سے لیکر شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد تک لکھی، اور عالمگیر کے نام سے معنون کی،

اس عہد مین ہندوؤن کے علوم و فنون کو فارسی زبان مین منتقل کرنے کی کوششیں کی گئیں وہ عالمگیر کو بدنام کرنے والے اصحاب اور مؤرخون کے لئے بصیرت افروز ہے، میرزا خان بن فخرالدین محمد نے شاہزادہ اعظم شاہ کے مطالعہ کے لئے تحفۃ الہند[۱] تصنیف کی جس کا موضوع ہندوؤن کا فن بلاغت اور عروض و قافیہ وغیرہ ہے ابوسعید الحسینی الرضوی الشیرازی نے ۵ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۷۱ھ مین ہندو علوم ہیئت و نجوم پر نظام النجم کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس عہد کی دو اور عجیب کتابین ہین، مت اچھرا اور رد الکفر ہندوؤن کے رسوم و عقائد پر ہین، پہلی کتاب ایک ہندو کی لکھی ہے جس کا مقصد سنسکرت نہ جاننے والے ہندوؤن کو ان کے مذہب سے آگاہ کرنا ہے، اس کا لکھنے والا لعل بہاری ولد کاہید سنگھ ہے، جو بھوجپور ضلع شاہ آباد قنوج کا رہنے والا تھا، اور اورنگ زیب کے درباری امیر اللہ وردی کا متوسل تھا، لعل بہاری نے اس کتاب کے دیباچہ مین عالمگیر کو جن الفاظ اور خلوص و عقیدت سے یاد کیا ہے

---

[۱] اس کتاب پر مولینا شبلی کا مضمون مقالات شبلی ادبی جلد دوم مین ملاحظہ ہو [۲] اس کا ایک قلمی نسخہ دار المصنفین اعظم گڈھ مین موجود ہے،

اس مین عالمگیر کی صحیح تصویر نظر آتی ہے ۔

مدارس | برنیر نے شہزادون کی ابتدائی تعلیم کے متعلق اورنگ زیب کی زبانی ایک دلچسپ اور پرمغز تقریر نقل کی ہے، جس سے اورنگ زیب کا تعلیمی نقطۂ نظر معلوم ہوتا ہے، لیکن برنیر کا بیان عموماً سنجیدہ اور وقیع نہین ہوتا، اس لیے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہین خصوصاً جب ہم دیکھتے ہین کہ اورنگ زیب کی اس تقریر کا مخاطب اس کا ایک استاد ملا محمد صالح ہے جس کا نام معاصر مستند تاریخون مین کہین نہین آتا،

عالمگیر کو جو علم و ہنر سے شغف تھا، اس کا اقتضا یہ تھا کہ وہ اپنی سلطنت مین اس کی ترویج ہر ممکن صورت سے کرے، چنانچہ اس نے تمام شہرون اور قصبون مین مدارس و مکاتب قائم کئے، لائق اساتذہ مقرر کئے، اور طلبہ کو وظائف دیے، عالمگیرنامہ کے مصنف کا بیان ہے،

> چونکہ علم و فضل کی تاسیس و ترویج کا اعلیٰ حضرت کو بے حد شوق ہے، اس لیے اس وسیع ملک کے تمام شہرون اور قصبات مین فضلا اور مدرسین کو مناسب وظیفے، روزینے اور املاک عطا فرما کر علوم کی تعلیم و تدریس مین مشغول فرما رکھا ہے، اور طالبان علم کے لیے ہر علاقہ مین ان کے حالات و رتبہ اور استعداد کے مطابق وجوہ معیشت مقرر کر دیے ہین، ہر سال اس مصرف پر احسان شاہی کی مد سے معتد بہ رقم صرف ہوتی اور شاہی فیاضی اور سخاوت کے فیض سے طالبان علم و کمال کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ اور وہ اطمینان کے ساتھ علوم و فنون کے حاصل کرنے مین لگے ہوئے ہین، اور ان کی دعاؤن کی برکت اس آسمان شکوہ حکومت کے مدارِ دوام کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے[۲]،

---

[۱] دیکھو وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر مترجمہ سید محمد حسین ص ۲۷۹۔ [۲] عالمگیرنامہ ص ۱۰۰۵-۱۰۰۷ انگریز مورخون نے بھی اسکی شہادت دی ہے کہ اورنگزیب نے زراعت کو ترقی دی، باضابطہ سڑکین بنوائین، اور بیشمار مکاتب و مدارس قائم کئے (دکین، موغل امپائر)

مندرج ہین، جن کا خلاصہ سابقہ اوراق مین ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے، مرزا محمد کاظم عہد سلطانی کے بیشتر واقعات اس وجہ سے قلم بند نہ کرسکے کہ بادشاہ دین پناہ باطنی آرایش کے مقابلہ مین ظاہری نام و نمود کو قطعاً ہیچ تصور فرماتے تھے، اس لیے راقم مرحوم کو عہد معدلت کے حالات لکھنے سے ممانعت فرمادی گئی،

مگر آزاد اہل قلم جن مین ہندو اور مسلمان دونون شامل تھے اس عہد کی تاریخ برابر لکھتے رہے جن مین سے کچھ کے نام یہ ہین، واقعات عالمگیری مصنفہ امیر خان، عجیبہ غریبہ مؤلفہ شہاب طالش (۱۰۷۳ھ)، واقعات عالمگیر مؤلفہ عاقل خان رازی، تاریخ شاہ شجاعی مصنفہ میر محمد معصوم (۱۰۷۰ھ) مراۃ العالم مؤلفہ بختاور خان، مراۃ جہان نما مصنفہ شیخ محمد بقا، ان دونون کا ذکر پہلے آچکا ہے، زینۃ التواریخ مولفہ عزیز اللہ (۱۰۸۶ھ)، وقائع نعمت خان عالی، جواہر التاریخ مؤلفہ سلمان قزوینی، فتوحات عالمگیری مصنفہ ایسرداس، نسخۂ دلکشا مولفہ بھیم سین (۱۱۲۰ھ)، منتخب التواریخ مؤلفہ جگ جیون داس (۱۱۲۰ھ)، لب التواریخ ہند مولفہ رائے بندرابن، خلاصۃ التواریخ مؤلفہ سبحان رائے (۱۱۰۷ھ)، موخر الذکر دونون کتابین عالمگیر کے نام سے معنون ہین،[1]

محمد ساقی مستعد خان ساقی نے مآثر عالمگیری لکھکر عالمگیر کی پچاس سالہ حکومت کی مکمل تاریخ پیش کردی ہے، مستعد خان ساقی کو عالمگیر نے وقائع نگار کے عہدہ پر مامور کیا تھا جس کی وجہ سے اس کو ہر وقت بادشاہ کا تقرب حاصل رہا، عالمگیر کی وفات کے بعد وہ بہادر شاہ کے صدر دیوان وزارت عنایت اللہ کا منشی مقرر ہوا، اور عنایت اللہ خان کی فرمایش ہی سے اس نے مآثر عالمگیری لکھنی شروع کی، جو ۱۱۲۲ھ یعنی عالمگیر کی وفات کے تین سال بعد ہی ختم ہوئی، اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ طویل واقعات بہت ہی اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہین، اور

[1] تفصیل کیلیے دیکھو مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف صاحب ندوی و معارف مئی ۱۹۳۲ء

کے خلاف تھین، حضرت شیخ محب اللہؒ کا وصال ہوچکا تھا، ان کے دو مرید پایۂ تخت مین موجود تھے ایک تو اورنگزیب کے استاد میر سید محمد قنوجی، اور دوسرے شیخ محمدی جو بڑے زاہد اور عابد صوفی تھے، میر سید محمد قنوجی ان عبارتون کی شرح نہ کرسکے، اورنگزیب نے شیخ محمدی کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ شیخ محب اللہ کی مریدی کا دعویٰ کرتے ہین تو ان کے رسالہ کے مقدمات کو شرعی احکام کے مطابق بتائین، ورنہ ان کی مریدی سے استغفار کرین اور کتاب کو آگ مین ڈالدین، شیخ محمدی نے جواب دیا کہ مجھکو حضرت شیخ کی مریدی سے استغفار کی ضرورت نہین، لیکن جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے، مجھے وہان تک رسائی حاصل نہین، جس وقت مین اس رتبہ کو پہنچ جاؤن گا تو آپ کی درخواست کے بموجب اس کی شرح لکھ بھیجون گا، اور اگر آپ نے اس رسالہ کو جلانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو اس فقیر کے گھر سے کہین زیادہ شاہی مطبخ مین آگ موجود ہے، عالمگیر اس جواب کو سنکر خاموش ہوگیا،[۵]

---

[۵] مآثر الامراء، جلد سوم ص ۶۰۷ - ۶۰۶

گجرات مین جو مدارس قائم ہوئے، اور وہان کے طلبہ کو جو سہولتین پہنچائی گئین، اس کا حال مراۃ احمدی مین اس طرح درج ہے۔

کرامت خان دیوان صوبہ کے نام حکم صادر ہوا، چونکہ ممالک محروسہ کے تمام صوبون مین یہ مقدس اور بلند فرمان نافذ ہو چکا ہے، کہ ہر صوبہ مین مدرسین مقرر کئے جائین اور میزان سے لے کر کشاف تک کے طالبعلمون کو صدر صوبہ کے استصواب رائے سے اور مدرسون کی تصدیق کر دیکھ کر اس صوبہ کے خزانچی کی تحویل سے وجہ معاش دیا جائے، اس لیے اسوقت احمد آباد، پٹن اور سورت مین تین مدرسین کا اور صوبہ احمد آباد مین ۴۵ طالبان علم کا اضافہ کیا گیا۔[1]

اسی عہد مین شیخ محمد اکرام الدین نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے کے خرچ سے ایک مدرسہ کی عمارت بنوائی، عالمگیر نے اس مدرسہ کے اخراجات کے لیے موضع سوندرہ پرگنہ سانولی وموضع سبھیلہ پرگنہ کڑہی وقف کیا، اور ساتھ ہی ساتھ دو روپیہ یومیہ محتاج طلبہ کے لیے بھی مقرر کیا،[2] عالمگیر کو اس بات کا بے حد خیال رہتا تھا کہ جو کتابین پڑھائی جائین یا عام طور سے پڑھی جائین ان مین مسلمانون کے عقائد کے خلاف کوئی چیز نہ ہو، چنانچہ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کے رسالہ تسویہ مین اس کی نظر بعض ایسی عبارتون پر پڑی جو [illegible] کے خیال کے مطابق اسلامی عقائد

---

[1] مراۃ احمدی صفحہ ۳۰۱ تاریخ فرح بخش مصنفہ محمد فیض بخش و ترجمہ ڈبلیو ہوئی سے زینید رناتھ لا نے نقل کیا ہے کہ اورنگزیب میزان کے پڑھنے والے طلبہ کو دو، قطبی پڑھنے والے کو تین، شرح وقایہ اور فقہ پڑھنے والونکو مرزینہ دیا کرتا تھا۔

[2] مراۃ احمدی ج ا ص ۲۷۳ ، اورنگزیب نے گجرات کے بوہرون کی تعلیم کے لیے بھی اساتذہ مقرر کئے، تاکہ ان کی صحیح تعلیم ہو، ان کے ماہانہ امتحان کے نتائج براہ راست اس کے پاس بھیجے جاتے تھے، (مراۃ احمدی ج ا ص ۲۷۷-۳۴۸) برنیر کے بیان کے مطابق اورنگزیب نے فرنگی محل لکھنؤ مین بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔

نصرت میدان جنگ میں فنونِ سپہ گری، دربار میں رموزِ حکمرانی،[1] اور قلعۂ معلّی کے اندر لکھنے پڑھنے کی تعلیم دلاتا تھا، بلکہ ان کو اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے، اور بولنے چالنے کے آداب خود سکھاتا تھا،[2] مگر قدرت کو شاید منظور نہ تھا، کہ اس کی عظیم الشان سلطنت کے بارِ گران کو اٹھانے کے لیے کوئی لائق جانشین پیدا ہو،

بہرحال یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ شاہ عالم بہادر شاہ نے ایام طفلی میں حفظِ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی، اور آگے چل کر قرأت و تجوید کا ماہر ثابت ہوا، مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ جب وہ قرآن پاک پڑھتا تو سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے، علم حدیث سے وہ خاص دلچسپی رکھتا تھا، اور اس کو اس میں اتنا درک تھا، کہ علماے حدیث اس کو سردارِ محدثین کے لقب سے یاد کرتے تھے، فقہی مسائل بلا تکلف قرآن و حدیث سے استنباط کرتا تھا، اس کے زمانہ میں جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے آگے لفظ "وصی" کے اضافہ کے سلسلہ میں جو جھگڑا پیدا ہوا، اس میں علما و فقہا سے اس نے خود مناظرہ کیا،[3] حدیث، فقہ، تفسیر و سلوک کی کتابیں برابر مطالعہ میں رکھتا تھا، مصنف مذکور کا بیان ہے کہ عربی زبان میں "عرب عربا" اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہل زبان کے "ہم پلہ" تھا، فن خوشنویسی میں بقول مصنف مذا "یکتاے زمانہ تھا، اور مختلف قسم کے خطوط میں کمال حاصل کیا تھا،[4] خلاصۃ التواریخ کا مصنف بھی اس کی تائید ان الفاظ میں کرتا ہے:

اعلیٰ حضرت جو کہ لیل و نہار کے صحیفہ انتخاب تھے، حضرت خلد مکان کی تربیت

---

[1] وقائع عالمگیری مرتبہ نبی احمد سندیلوی ص۱۰، [2] عالمگیر نے شاہزادہ محمد سلطان بہادر کو جو شب و روز کا نظام اوقات لکھ بھیجا تھا، وہ رقعات عالمگیر مرتبہ نجیب اشرف ندوی ص۲۲-۲۸ میں ملاحظہ ہو، [3] خافی خان جلد دوم ص۶۳۳، [4] مآثر عالمگیری ذکر اولاد مذکور،

شاہ عالم بادشاہ

اور

دوسرے بادشاہ

اورنگزیب کی روح قفس عنصری سے پرواز ہوتے ہی تاریخ ہند کا رخ بدل گیا، ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلی ہوئی سلطنت کے نظام کو قائم رکھنے کیلئے عالمگیری کا دل و دماغ چاہیے تھا، مگر حکومت بدلنے کے ساتھ زمانہ بدلا، اور تاریخ بھی بدل گئی، تخت طاؤس وہی تھا لیکن اس کے پرون کی خوشنمائی جاتی رہی تھی، تیموری دربار وہی تھا لیکن اس کی [illegible] تھی، ارباب عقل و دانش بھی موجود تھے، مگر ان کی جودت، ذہانت اور سیاست سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا، دیوان خاص کے کنگوروں سے حسرت و یاس برسنے لگی، دیوان عام کی دیواروں پر افسردگی چھا گئی اور قلعہ معلیٰ سوگوار ہو گیا، معلوم نہیں یہ کارکنان قضا و قدر کی مصلحت تھی یا عالمگیر کی اولاد کے اعمال کی پاداش، تیموری سلطنت اوج کمال پر پہنچ [illegible] کے لیے ایک آہنی قوت کی ضرورت تھی، مگر وہ قوت باقی نہ تھی، [illegible] تیموری سلطنت کا وہی انجام ہوا جو روم، بابل اور نینوا کا ہو چکا تھا۔

عالمگیر کی دوربیں نگاہیں اس نتیجہ تک پہنچ گئی تھیں، یہی وجہ تھی کہ وہ ایک لائق جانشین چھوڑنے کے لیے جس قدر مضطرب اور بے چین رہا، کوئی اور تیموری حکمران نہ ہوا تھا، [illegible]

نعمت خان عالی کا ذکر پہلے آچکا ہے، بہادر شاہ نے اپنے زمانہ مین اس کو دانشمند خان کے خطاب سے سرفراز کیا، دانشمند خان اس عہد کی منظوم تاریخ بہادر شاہ نامہ لکھ رہا تھا، کہ خود اس کی زندگی کا ورق الٹ گیا، اس مین بہادر شاہ کے صرف ابتدائی دو سال کے حالات ہین نعمت خان کی اور بھی تصانیف ہین، مثلاً (۱) وقائع نعمت خان عالی، یہ وقائع حیدرآباد یا واقعات حیدرآباد و گلکنڈہ کے نام سے بھی موسوم کی جاتی ہے، عالمگیر کے تیسوین سنہ جلوس مین حیدرآباد کا جو محاصرہ کیا گیا تھا، اس کا ذکر اس کتاب مین ہجو ملیح کے ساتھ کیا گیا ہے، (۲) رقعات (یا منشآت) نعمت خان (۳) حسن و عشق (یا مناکحہ حسن و عشق، یا کتخدائی حسن و عشق) یہ نثر مین ایک قصہ ہے، جس مین جابجا اشعار بھی ہین (۴) ایک مثنوی، جس مین اخلاق اور صوفیانہ نکات ہین (۵) کلیات نعمت خان عالی، اس مین قصائد، پندنامہ، قطعات اور مختلف ہجوین مثلاً رسالہ ہجو حکما، مناظرۂ اطبا وغیرہ وغیرہ بھی ہین[1]،

دربار کے دوسرے نامور شاعر یہ تھے،

مرزا مبارک اللہ مخاطب بہ ارادہ خان المتخلص بہ **واضح**، خان اعظم شاہجہانی کا تیسرا لڑکا تھا، اورنگزیب کے زمانہ مین ارادت خان کا خطاب پایا، سنہ ۱۱۱۱ھ مین جاکنہ کی فوجداری پر مامور ہوا، پھر ۱۱۱۲ھ مین اورنگ آباد کی فوجداری اور اس کے بعد گلبرگہ کی قلعہ داری پر مقرر ہوا، شاہ عالم کے زمانہ مین منصب چہار ہزاری سے سرفراز ہوا، علم و فضل مین ممتاز تھا، صاحب مآثر الامرا کا بیان ہے:-

"مذاق تصوف داشت، و در شعر بسیار نازک خیال بود، واضح تخلص می کرد، صاحب دیوان است"[2]

---

[1] فہرست انڈیا آفس لائبریری ص ۹۰۳، [2] مآثر الامرا ج ۱ ص ۲۰۵، اسکے بعض اشعار ملاحظہ ہون۔
(باقی حاشیہ ص ۲۹۸ پر)

اور اپنی فطری سعادت کی بدولت سن تمیز کے آغاز ہی سے شرافت نفسانی اور کمالات انسانی کے ذخیرہ دار ہو گئے تھے، جوانی کے ایام انھون نے تحصیل علم مین صرف کیے علم کو عمل سے آراستہ کیا، عربی، ترکی اور فارسی مین فصیح گفتگو کرتے تھے، تحریر و کتابت کے فنون مین استادی کا درجہ حاصل کر لیا تھا، راتون کو اکثر نوافل، ورد و وظائف، تلاوت قرآن اور حدیث، تفسیر، فقہ اور سلوک کی کتابین مطالعہ کیا کرتے تھے،[۱]

بعض تذکرہ نگارون نے شاہ عالم بہادر شاہ کا ذکر شاعر کی حیثیت سے بھی کیا ہے، اور بعض رباعیان اس کی طرف منسوب کی ہین، ایک ملاحظہ ہو،

اعلیٰ تر ازانی کہ علی خوانندت — والاتر ازانی کہ ولی دانندت

بر ہستیٔ خود گواہ می خواست خدا — بے مثل بیافرید و بے مانندت[۲]

یا تو عالمگیری دربار کے زوال کے باعث یا شاہ عالمی عہد کے اختصار کے سبب سے دربار مین وہ فضا قائم نہ ہو سکی، جو اس کے اسلاف کے زمانہ مین تھی، اس لیے اس کا دربار علم و ہنر کی تابانی اور شعر و شاعری کی زمزمہ سنجی سے خالی رہا، گذشتہ عہد مین ایران سے علم و ادب کا جو سرچشمہ پھوٹا تھا، وہ یکایک خشک ہو گیا، بلند پایہ شعرا اور قابل قدر فضلا نا پید ہو گئے، قابل ذکر شعرا مین صرف عبد القادر بیدل اور نعمت خان عالی باقیات صالحات مین رہ گئے تھے، مرزا بیدل بہادر شاہ کے ایام شاہزادگی مین اس کے متوسلین مین شریک ہو گئے تھے، لیکن دربار کی قصیدہ خوانی کو ننگ و عار سمجھتے تھے، شہزادہ معظم نے ایک بار قصیدہ کہنے کی فرمایش کی، تو دل برداشتہ ہو کر ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے، اور بقیہ عمر فقر و توکل مین بسر کی،[۳]

---

[۱] خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے قلمی نسخہ دار المصنفین [۲] روز روشن ص ۳۸۱ [۳] مآثر الکرام ص ۱۴۸ دیوان کے علاوہ مرزا بیدل کی تصنیفات یہ ہین، ۱۔ محیط اعظم، ۲۔ طلسم حیرت، ۳۔ گلگشت حقیقت، ۴۔ طور معرفت، ۵۔ عرفان، ۶۔ بیاض، ۷۔ نکات، ۸۔ رقعات

۱ ۔ چہار عنصر

ہمچو بلبل ہمیشہ نالایم　　　این بود منصب ہزاری ما

ایک فارسی دیوان چھوڑا،[1] ریختہ مین بھی طبع آزمائی کرتا تھا، فن موسیقی کا بھی ماہر تھا،[2]

بندرابن داس بہادر شاہی مصنف لب التواریخ کے علاوہ جگ جیون داس ولد منوہر داس بھی بہادر شاہ اول کے درباری متوسلین مین تھا، گجرات کا باشندہ تھا، ۱۱۱۹ھ مین بہادر شاہ نے لاہور کے دربار مین باریابی بخشی، اور وقائع نگاری کی خدمت پر مامور کیا، ۱۱۲۰ھ مین اس نے منتخب التواریخ لکھ کر بارگاہ شاہی مین پیش کی جس کے صلہ مین خطاب و خلعت اور انعام سے سرفراز ہوا،[1] اس کتاب کا اہم حصہ اس کا آخری باب ہے، جس مین ہندوستان کے مختلف صوبون کے حالات ہین، ایک اور ہندو اہل قلم کامراج ولد من سنگھ نے شہزادہ محمد اعظم کی فرمایش پر اعظم الحرب لکھی، اس مین اورنگزیب کے لڑکون کی جنگ جانشینی کا اور محمد اعظم کی عارضی حکومت کا ذکر ہے، مصنف نہایت اخلاص اور عقیدت مندی سے اپنے کو تین پشت سے تیموری دربار کا نمک خوار بتاتا ہے،

بہادر شاہ کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کے اقبال کا آفتاب اور بھی تیزی سے ڈھلنے لگا، تاریک بادلون سے کبھی کبھی امید کی شعاعین نکلتی بھی تھین، تو ان مین نور کے بجائے

[1] انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ ج ۱ ص ۳۲۹، [2] اسپرنگر ص ۱۵۳، اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

روشن نشود به پیش تو چون شمع سوزمن　　　یک شب اگر تو ہم نشینی بروز من

خوشا وقتے کہ می بالید از جانان بر دوشم　　　برنگ ماه نو ہر شام بر می گشت آغوشم

گشت وگردان ذبس آبادی از ویرانه ام　　　چون کمان حلقه بیرون شد درون خانه ام

خدا ناکرده اندوہت جدا از دوستان باشد　　　شنیدم کلفتے داری نصیب دشمنان باشد

مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۷۷ اس کے ریختہ کے اشعار تذکرۂ گلزار ابراہیم از مرزا علی متخلص بہ لطف میں ملاحظہ ہو،

انتخاب کلیات واضح (موجودہ انڈیا آفس لائبریری) مین چھ مثنویان بھی ہین، جنمین صوفیانہ خیالات و مسائل منظوم کیے گئے ہین[1]، تاریخ ارادت خان کے نام سے ایک تاریخ بھی لکھی، جو عالمگیر کی وفات سے لے کر فرخ سیر کے عہد تک کے واقعات پر مشتمل ہے[2]،

مرزا سید حسین **خالص**، عالمگیر کے زمانہ مین ایران سے ہندوستان آیا، امتیاز خان کے خطاب سے سرفراز ہوا، بہادر شاہ کے زمانہ مین میر آخور بادشاہی کے عہدہ پر مامور ہوا، ایران واپس جا رہا تھا کہ راستہ مین سندھ کے پاس کسی نے قتل کر دیا، تاریخ وفات "آہ آہ امتیاز خان" سے نکلتی ہے، ایک دیوان یادگار چھوڑا، جس مین قصائد، غزلیات، قطعات اور رباعیات ہین، ایک مثنوی بھی اس کے نام سے منسوب ہے[3]، اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے،

قزلباش خان **امید**، اصلی نام مرزا محمد رضا تھا، ہمدان کا رہنے والا تھا، بہادر شاہ کے زمانہ مین ہندوستان آیا، اور اس کے دامن دولت سے وابستہ ہوا، قزلباش خان کا خطاب اور ایک ہزاری منصب شاہی دربار سے ملا، چنانچہ خود کہتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۷) رشک فرمائے دلم نیست بجز عیش حباب　　یافت یک پیرہن ہستی و آن ہم کفن است

عارف از و پراست ولی او نمی شود　　آئینہ رو نما شود و رو نمی شود

ز مقراض فنا نور است شمع زندگانی را　　بود آب دم شمشیر صندل سرگرانی را

چہ الفت است بزلف تو بیقراران را　　بے سیاہ پسند است سوگواران را

موجم و وحشت کند محروم از ساحل مرا　　در طپیدن رفت از کف دامن قاتل مرا

گلۂ عارف بر از عفو عبار آلود است　　ہست در دوزخ گنہی کہ بمدارا بخشد

بہار وقف صبا گل بکام گلچین باد　　کہ ما بہ کنج قفس طرح آشیان کردیم

[illegible]

---

[1] انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ ج ا، ص ۹۰۹، [2] ایلیٹ ج ہفتم ص ۴۲۳ تا ۴۴۴، [3] فہرست کتبخانۂ شاہ اودھ اسپرنگر ص ۱۵۰، ۱۳۱، ۱۲۱، ۱۱۱

لیکن اس کے امرا کی علم دوستی اور علم نوازی نے اس کمی کو پورا کر دیا، **نظام الملک آصفجاہ** معقولات و منقولات کے عالم ہونے کے علاوہ بہت ہی قادر الکلام اور بلند پایہ شاعر بھی تھے انکا ایک ضخیم دیوان جو ۳۰۰ صفحون پر مشتمل ہے زیور طباعت سے آراستہ ہوکر حیدرآباد دکن سے شائع ہوگیا ہے ہم اس مین سے دو غزلین ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرتے ہین،

(۱)

بیا دیار شب اے دل عنان خواب بگیر ... و مد چو صبح بہر نور آفتاب بگیر
چہ روز خواہی اگر باشدت شب روشن ... بدست دامن حسن بآب و تاب بگیر
تو تشنگی نہ کشی گرم سعی اگر گردی ... ز چشم سار عرق بہر خویش آب بگیر
ببزم دہر بود عشرت خوش آگاہی ... پیالہ خواہی اگر عبرت از شراب بگیر
میامن برکت یابی اے دل از حرکت ... بہ ہجر یار تو دامان اضطراب بگیر
توجہ تو بسوم فتادہ مقصد من ... اگر بلطف نیائی رہ عتاب بگیر
چو خواہی اینکہ نہ بیند کسی جمال ترا ... فروغ مہر توئی از رخت نقاب بگیر
در آ بکوچۂ آن زلف اے دل شیدا ... چہ میروی تو بہر سو رہ صواب بگیر
چو گرم جلوہ شود آن نگار در باغ ... ز شرم آب گلشن میشود گلاب بگیر
دلم یگانہ بود وا نگار در عشقت ... بدست خویش تو این فرد انتخاب بگیر
بپیچ و تاب خود اے زلف یار ناز مکن ... بیا درون دل ما و پیچ و تاب بگیر
وصال یار چو خواہی مکن درنگ آصف ... بہ جستجو کہ در آئی رہ شتاب بگیر

(۲)

وحشت دلدار ما باشد بسامان دگر ... می کند چون آہوان رم در بیابان دگر
درد دل پر خون ما آن شوخ جولان می کند ... جلوہ گاہ یار ما باشد گلستان دگر
در بیابان طلب خارے کہ در پایم خلید ... یادم از گلشن بود خار مغیلان دگر

ظلمت ہی نظر آتی تھی، تیموری دربار کا شیرازہ بکھر گیا، تدبر و سیاست مین انتشار پیدا ہو گیا، بیرونی فتوحات کی جگہ اب صرف خانہ جنگیان رہ گئی تھین، میدان جنگ کی خون آشامیون کے بعد دربار قائم بھی ہوا، تو اس مین نہ اسلاف کی روایات تھین، نہ ان کی متانت اور ان کا وقار، بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ تخت نشین ہوا، گو اس کی حکومت کی مدت صرف دس مہینے رہی، لیکن اس کی بوالہوسی اور ہوسناکی نے شاہی دربار کی عزت و ناموس کو ایسا صدمہ پہنچایا، کہ آیندہ تمام تیموری سلاطین کی حکومت محض تذلیل و تضحیک کی داستان بن کر رہ گئی، اس خانہ بربادی اور طوائف الملوکی مین علم و فضل کی مسند دربار مین بچھتی تو کیونکر؟ محمد شاہ، شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر مین اسلاف کی علم پروری اور ادب نوازی کا خمیر موجود ضرور تھا، مگر ان کی شمع سحر مین ان کے اسلاف کے آفتاب نصف النہار کی ضو فشانی کہان سے آتی، حکومت محض شام غریبان بن کر رہ گئی تھی، اس مین علما و فضلا کی بہار کہان سے پیدا ہو سکتی تھی؟

فرخ سیر فرخ سیر کی مدتِ حکومت سات سال رہی، اور یہ مغلیہ خاندان کا وہ زمانہ ہے جب شاہی دربار مین مدبرون اور ہوشمندون کا ایک قابل قدر اجتماع ہو گیا تھا، نظام الملک آصفجاہ کی سیاست، امیر الامرا سید حسین علی خان کی فراست، قطب الملک عبد اللہ کی فرزانگی اور میر جملہ کی مردانگی اگر ایک ساتھ متحد ہو جاتین، تو کیا عجب تھا کہ ایک بار پھر اکبری دبدبہ اور شاہجہانی شوکت کی جھلک نظر آ جاتی، لیکن دربار کی ریشہ دوانیون اور آپس کی فتنہ انگیزیون نے تباہی اور بربادی کی چنگاریون کو اس طرح مشتعل کیا کہ سلطنت محض خاکستر ہو کر رہ گئی.

فرخ سیر حافظ قرآن تھا، مرآۃ آفتاب نما مین اس کے کچھ اشعار بھی درج ہین جو اس نے اپنی اسیری کے زمانہ مین کہے تھے،[1] فرخ سیر کے دربار مین تو علم و فضل کا چرچا زیادہ نہین رہا،

[1] یہ اشعار میری نظر سے نہین گذرے، مگر ان کا انگریزی ترجمہ ارون کی تاریخ لیٹر مغلز (جلد اول ص ۳۰۹) مین ملے گا،

اور علما، و مشائخ نے اس قدر دانی کی شہرت سنی تو وہ دکن میں آئے اور اپنی قسمت کے مطابق اس احسان عام سے بہرہ اندوز ہوئے (ج ۲ ص ۱۵۰)

علم نوازی اور معارف پروری کی جو شاندار روایات آصفجاہی خاندان کے بانی نے قائم کیں انکو اس خاندان کے اور فرمانرواؤں نے اسی آب و تاب کے ساتھ برقرار رکھا چنانچہ اس دودمان عالی کے موجودہ فرمانروا اعلی حضرت رفیع المنزلت سلطان العلوم شاہ دکن میر عثمان علی خان بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے فیض عام سے آج بھی حیدرآباد دکن علوم و فنون کا منبع اور مخزن ہے،

امیر الامرا سید حسین علی خان کی شعر فہمی اور تاریخ دانی مشہور تھی، اسکے یہاں معمول تھا فجر کی نماز کے بعد ارباب کمال اس کے پاس جمع ہوکر علمی گفتگو کرتے تھے، اس وقت کسی کو کسی اور کام کیلیے اسکے پاس آنے کی اجازت نہین ہوتی تھی،[1]

آصفجاہ اور امیر الامرا، دونوں علامہ سید عبد الجلیل واسطی بلگرامی[2] کو بہت محبوب اور عزیز رکھتے تھے، علامۂ موصوف فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت اور بھاشا کے فاضل اجل تھے، اور اپنے ذاتی تقدس، اوصاف عالیہ اور علمی کمالات کے لحاظ سے اب تک عزت و وقعت سے یاد کئے

[1] مآثر الکرام ج ۲ ص ۱۵۱ [2] علامہ سید عبد الجلیل واسطی بلگرامی کے حالات مآثر الکرام جلد ۱ میں ملینگے، علامۂ موصوف نے فرخ سیر کے پہلے جشن شاہی ہے، ایک بار بکر مین زالہ باری ہوئی، ژالے کچھ میٹھے تھے، علامہ بلگرامی نے یہ رباعی لکھکر فرخ سیر کی خدمت مین گذرانی

چرخ سیران شہنشہ با برکات چرخ از ادب او شدہ شیرین حرکات
در سند زمین عہد عشرت مہدش بارید سحاب ریزہ قند و نبات

فرخ سیر کی جب شادی راجہ جیت سنگھ راٹھوڑ سے ہوئی تو علامہ موصوف نے اس جشن پر ایک مثنوی کہی، مگر یہ مثنوی فرخ سیر کے پاس نہ پہنچ سکی، مآثر الکرام ج ۲ ص ۲۴۶ مین اس مثنوی کے کچھ اقتباسات ملین گے،

ہمچو زندانی کہ عاشق است یوسف را بتو | حلقۂ زلف سمن سا ایست زندان دگر
بصل او سرگرم خون ریزی است از شمشیر ناز | می کند بسمل مرا او عید قربان دگر
خط کشیدن یار را نا دم زخونریزی کند | می گزد آن ماہ رو لب را بدندان دگر
میخورد از بس فلک ہر ماہ نان تازہ | ماہ می آرد برای او لب نان دگر
در جدائی گر گریبان چاک کردم در قبا | چاک خواہم کرد در دل ہم گریبان دگر
کاکلش یاد آمد و خطش دل ما را ربود | می رسد ہر دم زپیش یار قربان دگر
حال خود را با طبیبان جہان آصف بگو | درد عشق یار دارد ذوق درمان دگر

نظام الملک آصفجاہ کی علم نوازی اور فیاضی کی شہرت چاردانگ عالم مین تھی، اور ہر طرف سے علما، ان کے دربار مین کھنچے چلے آتے تھے، مآثر الکرام مین ہے،

عجیب فرشتہ صفت تھے، اور نیکی ان کی جبلت تھی، ان کی سرکار سے ہمیشہ فقراء علما، صلحا اور دوسرے مستحقین کیساتھ انکی قسمتون کے مطابق نوازش ہوتی تھی، عرب، ماوراء النہر، خراسان، عراق اور اطراف ہند سے علما و مشائخ ان کی قدردانی کا شہرہ سن کر دکن آتے اور ان کے شیلان کثیر الالوان سے زلہ ربائی کرتے تھے (ص ۱۵۸)

مآثر الکرام کے مولف مولانا غلام علی آزاد بلگرامی آصفجاہ کے معاصرون اور ان کی مجلسون کی زینت دینے والون مین سے تھے، وہ رقمطراز ہین:

مستحقین پر نہایت کثرت سے خیرات و مبرات کی، دفتر صدارت سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ شاہی انعامات کے علاوہ تین لاکھ روپیہ ان کے دستخط سے، روزانہ اور ماہانہ وظیفہ کی صورت مین ارباب استحقاق کو دیے گئے، ان کے علاوہ تقریباً ایک لاکھ روپیہ حاجیون وغیرہ کو مرحمت ہوئے، عرب، ماوراء النہر، خراسان، عراق، عجم اور ہندوستان کے سادات

ہمیشہ ہر دو زہم شاد و کامران باشند — وی از وزارت و از وی وزارت اعلیٰ[1]

امیر الامراء کے قتل سے علامہ وعارف نے سینہ فگار ہو کر جو خونچکاں ماتم کیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

آثار کربلاست عیان از جبین ہند — زد جوش خون آل نبی از زمین ہند
شد ماتم حسین علی تازہ در جہان — سادات کشتہ اند مصیبت نشین ہند
نیلی است زین معاملہ پیراہن عرب — در خون گرفتہ سرخ شد است آستین ہند
گیتی چرا سیاہ نگردد ز درد و غم — خاموش شد چراغ نفس آفرین ہند
ہند این چنین مصیبت عظمیٰ ندیدہ است — دیدہ دو اشتہار شہ و حسین ہند
از داغ دل زدند چراغان اشک جوش — این است نو بہار گل آتشین ہند
ماہی در آب می طپد و مرغ در ہوا — از شیون عظیم امیر مہین ہند
ہند از شہادتش تن بے سر گشتہ است — یعنی کہ بود او نفس واپسین ہند[2]

فرخ سیر کے درباری امراء میں مرزا شید المعالی خان وزارت خان بھی شعر و شاعری میں طبع آزمائی کرتا تھا۔ گرامی تخلص لکھتا تھا۔ مآثر الامراء میں ہے

"وزارت خان متخلص بہ گرامی بحسب ترتیب سر آمد دانش بود، طبع موزون داشت،

صاحب دیوان است این شعر از و مشہور

تا قافلہ سالار جنون فال سفر زد — دیوانہ ما دامن صحرا بکمر زد"[3]

محمد شاہ محمد شاہ کے عہد میں سادات کے قتل کے بعد خانہ جنگیوں کی نسبتاً فرو ہو گئی لیکن اس کے طویل زمانہ میں وہ تمام سامان ایک ایک کر کے بجز نا شروع ہو گئے۔ جو ایک عظیم الشان سلطنت کو نیست و نابود کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ دربار میں کبری اولوالعزمی کے بجائے

---

[1] مآثر الکرام دفتر ثانی صفحہ ۲۲۶۔ [2] ایضاً ص ۲۲۷۔ [3] مآثر الامراء ج ۳ ص ۹۲۶۔

جاتے ہین، امیرالامرا سید حسین علی خان سے ان کے تعلقات کا حال صاحب مآثر الکرام کے الفاظ مین ملاحظہ ہو۔

امیرالامرا سید حسین علی کہ بایشان الفتے خاص داشت و اکثر در مجالس خود برملامی گفت کہ میر عبدالجلیل درین عصر نظیر ندارند و لوازم احترام فوق الحد بتقدیم می رسانند"۔[۱]

علامہ موصوف آصفجاہ کے حضور مین نواب امین الدولہ کی وساطت سے پیش کیے گئے تو نواب آصفجاہ نے ان کا بڑا اعزاز کیا، اور ان کو اپنے برابر جگہ دی، جب قصیدہ نظر سے گذرا تو شمع منگواکر اسے سنانے کی فرمایش کی، ایک ایک بیت کو نہایت غور سے سنا اور تعریف و تحسین فرمائی، قصیدہ سنکر نقد، خلعت اور اسپ نذر کیا، علامہ مرحوم نے حسب ضابطہ قدیم اس انعام کو قبول نہین کیا۔[۲]

علامہ موصوف کو بھی ان دونون سے بڑی شیفتگی تھی، آصفجاہ کی شان مین جو قصیدہ لکھا اس مین اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہین:

نظام ملت و ملک افتخار اہل کرم — قوام دین و دول آفتاب مجد و علا
چو او ندیدہ امیری مہذب الاخلاق — بعینک مہ و مہر این سپہر پشت دوتا
مثال روح مصور بود بپاکی ذات — نشان عقل مجسم بود بفہم و ذکا
صفائی آئینہ رای او بود چندان — کہ می نماید ازو آنچہ رو دہد فردا
کرم ز دست گہربار او بود ممنون — ظفر بہ تیغ چمن کار او بود شیدا
ہزار شکر کہ زو مسند وزارت یافت — ہمان کہ یافت تن عاذیا از دم عیسیٰ
ملائک از پی آمین این دعا شدہ اند — برنگ نرگس و گل چشم و گوش فوق سما

۱؎ مآثر الکرام دفتر ثانی صـ ۲۶۳ ۔ ۲؎ ،، صـ ۱۸۲

دیکھتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی کے کہنہ مشق اساتذہ بھی ریختہ مین طبع آزمائی کرنے لگے، چنانچہ قزلباش خان امید، مرزا عبد القادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، مرزا علی قلی خان ندیم، اور مرزا مرتضی قلی فراق جیسے باکمال فارسی شعرا نے بھی ریختہ مین شعر موزون کیے ہین[1] یہی نہین بلکہ تھوڑے دنون کے اندر دربارون، مجلسون اور بازارون مین فیضی، نظیری، عرفی، طالب قدسی، صائب اور کلیم کے بجائے مظہر، سودا، میر، درد، اثر، ذوق، مومن اور غالب کی زمزمہ سنجیان اور نغمہ سرائیان فردوس گوش ہونے لگین، شعرا اپنی تمام جولانیان ہندوستانی زبان مین دکھلانے لگے، مگر شراب وہی تھی صرف شیشہ وساغر بدل گئے تھے،

محمد شاہ کا عہد اس لحاظ سے نہایت ممتاز تھا، کہ اس مین بڑے بڑے ارباب فضل وکمال جمع ہوگئے تھے، فارسی شعرا مین قزلباش خان امید، سلیمان قلی خان وداد، علی قلی خان ندیم، شیخ سعد اللہ گلشن، مرتضی قلی خان فراق، میر شمس الدین فقیر، مرزا عبد القادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، فائز، شہرت، صائب، مخلص، ریختہ گویون مین نواب عمدۃ الملک نواب عنایت خان راسخ، نواب محمد شاکر خان شاکر، خان عالیشان جعفر علی خان، خواجہ ناصر عندلیب، شاہ حاتم، میر ضاحک، میان عبد الحئی تابان، جعفر زٹلی، مرزا مظہر جان جانان، اور ہندی شعرا مین اعظم خان، دیوی کوی، عبورت مسر، وغیرہ موجود تھے، یہان ہم صرف ان شعراء کا ذکر کرین گے، جن کا تعلق براہ راست محمد شاہ کے دربار سے تھا،

انجام، امیر خان نام اور نواب عمدۃ الملک خطاب، نواب امیر خان عالمگیری کا لڑکا تھا، شعر وشاعری اور لطیفہ گوئی مین ستھرا مذاق رکھنے کی وجہ سے محمد شاہ کے نہایت محبوب ہم جلیسون مین تھا، تذکرہ گلزار ابراہیم مین نواب موصوف کا ذکر اس طرح ہے،

---

[1] ان کی ریختہ گوئی کی مثال گلشن ہند مصنفہ مرزا علی لطف مین ملاحظہ ہو،

شیشہ و پیمانہ کی بدمستی تھی، شاہجہانی شوکت و حشمت کی جگہ حسرت و یاس کی تصویر تھی، اور عالمگیری جاہ و جلال کی جگہ بے بسی اور بیکسی کا عبرتناک منظر تھا، بادشاہ وقت اپنے امرا، اور درباریون کا ایک آلہ کار ہو کر رہ گیا تھا، خود غرض امرا مین نہ نیت کی پاکیزگی تھی، نہ مقصد کی یکجہتی، رہی سہی قوت نادر خان کی خونریزی، مرہٹون کی غارتگری اور روہیلون کی سرکشی سے جاتی رہی، تیموریون کی عظیم الشان حکومت کی بساط اب الٹنے کو تھی، صدیون کا لگایا ہوا چمن ہمیشہ کے لیے ویران ہونے کو تھا، اور ایک شاندار تہذیب و تمدن کا شیرازہ بکھرنے والا تھا،

سلطنت کا دبدبہ اور حکومت کی شوکت تو جاتی ہی رہی، مغلیہ سلاطین اپنی زبان بھی کھو بیٹھے، دربار اور بازار مین فارسی کے بجائے اب ہندوستانی زبان کا اثر و اقتدار تھا، ایک حکمران قوم کے ہاتھ سے جب دولت گئی، حشمت گئی، اور زبان بھی گئی تو پھر اس کے مٹنے مین کیا دیر تھی صرف وقت کا انتظار تھا،

محمد شاہ نے فارسی زبان کے بجائے ہندوستانی زبان مین اپنے علمی ذوق کا اظہار کیا، بارہ ماسہ اور بکٹ کہانی دو تصنیفیں اس کے نام سے منسوب ہین، اس نے ہندوستانی زبان مین طبع آزمائی بھی کی ہے، اشعار ملاحظہ ہون:-

پیری مین نہ کس طرح کرون سیر جہان کی — دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشہ گزری کا
کھول کر بند قبا دل کے تئین غارت کیا — کیا حصار قلعے لیے نے کھلے بندون لیا
خوف ہے مار کے یاران اسے لرزان نہ کرو — زلف کا نام نہ لو اور پریشان نہ کرو

مندرجہ بالا اشعار کی زبان کتنی صاف ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوستانی زبان دکن سے شاہجہان آباد آ گئی تھی، ولی دکنی دکن سے دہلی آئے، تو ان کی شاعری کا غلغلہ ہر طرف پھیلا، محفلون مین ان ہی کی غزلون کا چرچا ہوتا، ارباب نشاط ان ہی کی غزلین گاتے سنتے اور سر

موصوف کی علم پرور صحبتوں سے مستفید ہوتے تھے۔ میر محمد شاکر ناجی نواب کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے۔[۱] بندرابن خوشگو نے سفینۂ خوشگو اور تذکرۃ المعاصرین لکھ کر اس کی سرکار میں پیش کیں۔ اس نے پوری قدردانی کی اور دو روپیہ روزینہ وظیفہ مقرر کیا۔[۲]

انجام کی اردو شاعری کے نمونہ میں ہم انکی صرف ایک غزل ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

کیوں بلایا پھر مجھے کیا مجھ سے نادانی ہوئی ۔۔۔ دختر رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی
کل محیط عشق کے صد موج آپانی تھی حباب ۔۔۔ کشتیٔ دل سینہ [illegible] طوفانی ہوئی
ہر پری تمثال یوں آئینہ رکھتا تھا عزیز ۔۔۔ دیکھ تیرا دل کے تجھ کو سخت حیرانی ہوئی
کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو ۔۔۔ دوستداروں کو محبت دشمن جانی ہوئی
نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے ۔۔۔ کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی[۳]

خان عالیشان جعفر علی خاں مرزا مومن بیگ کا لڑکا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوا۔ بڑا با مذاق شاعر تھا۔ محمد شاہ نے سہ ہزاری منصب پر سرفراز کیا۔ احمد شاہ کی تخت نشینی پر مثنوی جشن نامہ شروع کی لیکن ناتمام رہ گئی، جس کو میاں حاتم نے پورا کیا۔[۴] کلام کا نمونہ تذکرہ میر حسن میں پایا جا سکتا ہے۔

شیخ حسین شیرازی شہرت شاعری لقب تھا۔ لیکن ایران میں نشو و نما پائی۔ عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آیا۔ محمد اعظم کا طبیب مقرر ہوا۔ فرخ سیر کے عہد میں امراء کے خطاب سے [illegible] محمد شاہ کے عہد میں چہار ہزاری منصب سے سرفراز ہوا۔ ۱۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ باوجود اختصار کلام فارسی دیوان چھوڑا۔ اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

ز من شہرت تمنا دارم ونے نام می خواہم ۔۔۔ فنائے گی و آثار [illegible] نفس آرام می خواہم
نالہ برداشت کہ در سینۂ ما جا تنگ است ۔۔۔ رفت و برگشت [illegible] کہ دنیا تنگ است

۱؎ گل رعنا ص۱۱۱۔ ۲؎ معارف نمبر ۳ ج ۳۰ ص [illegible]۔ ۳؎ گلزار ابراہیم ص ۱۲۱۔ ۴؎ تذکرہ میر حسن ص [illegible]۔ ۵؎ تذکرہ مآثر الکرام دفتر ثانی

اس عالی دودمان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت برآمد ہوئی تھی کہ رشک تھا۔ ان سب ارکان دولت کو اور اعیان مملکت کو حسد تھا۔ لطیفہ گوئی کی طرف ان کی طبیعت نہایت مصروف تھی، اور خوش طبعی سے زرِ ظرافت معروف۔ گردشِ چشم کے سمجھنے مین زمانے کے استاد تھے، اور شیرین کلامی مین اپنے وقت کے فرہاد، موجد ناز و انداز کی تہ داریون کے اور اختراع کرنے والے ہتھکنڈون کی جادوکاریون کے، لگنے مین دخل ایسا تھا کہ استاد اس فن کے دم شاگردی کا بھرتے تھے، اور دنیا کی باتون مین [illegible] تھے بادشاہ کو اپنی طرف مصروف کر لیا تھا کہ ایک دم کی جدائی ان کی جہان پناہ کو شاق تھی، اور ہمیشہ طبیعت انکی طرف مشتاق تھی۔"[1]

سنہ ١١٥٥ھ مین شاہی دربار کی سازشون سے قتل ہوا۔ فارسی اور ہندوستانی دونون زبانون مین طبع آزمائی کرتا تھا۔ اس کا دربار شعراء کا مرجع بنا ہوا تھا۔ بڑے سخنورون کی محفلین ہمیشہ گرم رہتی تھین۔ زمانے کے کمال اور ارباب فن اس کے یہان جمع رہتے۔ نواب عنایت خان راسخ اور نواب محمد شاکر خان شاکر، پانی پتی [illegible] شرف الدین مضمون، خواجہ ناصر عندلیب، شاہ حاتم، میر ضاحک اور ہندی زبان کے شعراء مین آنند گھن، دیوی کوی اور صورت مسر بھی نواب

---

[1] گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد) صفحہ [illegible] تذکرہ میر حسن مین ہے:-

"نواب امیر خان از امرائے نظام ذی شان عالی مقام نواب عمدۃ الملک خوش طبع و شیرین کلام از مقربان درگاہ فردوس آرامگاہ بود۔ بلطائف و ظرائف مشہور و معروف است۔ (ص ٥٩، مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ)

[2] ریختہ کے اشعار گلزار ابراہیم مین ملاحظہ ہون۔

رائے رایان کا خطاب ملا، مگر اس کی امتیازی حیثیت خود اس کی علمی صلاحیتون کی وجہ سے ہے، اور اس کا شمار ان چند ہندوؤن مین کیا جاتا ہے جو فارسی علوم و فنون کے بڑے دلدادہ اور شیدائی تھے، وہ مرزا بیدل کا تو شاگرد تھا ہی اس عہد کے تمام شعرا سے بھی اسکے گہرے تعلقات تھے، خصوصاً خان آرزو سے اس کو بڑی عقیدت تھی، اور اسی کی مساعی جمیلہ سے خان آرزو کو شاہی دربار سے منصب، جاگیر اور خطاب ملا، اس کے گھر پر اہل علم مثلاً آرزو محمد قلی خان ابن یاب خان شاعر راؤ کرپا رام، فتح سنگھ وغیرہ کی مجلسین برابر منعقد ہوتی تھین، ان صحبتون مین اس کے علمی ذوق کی جلا خوب ہوئی، اپنے نام کو زندہ اور روشن رکھنے کے لیے اس نے متعدد تصانیف چھوڑین، مثلاً (۱) گلدستۂ اسرار، اس مین وہ خطوط تھے جو نادر شاہ کابل کے صوبہ دار کو لکھے تھے، انکو انند رام کے ذریعہ سے وزیر اعظم محمد شاہ کے حضور مین پیش کرتا تھا، (۲) بدائع وقائع مین تاریخی واقعات ہین خصوصاً نادر شاہ کے حملہ کا ذکر ہے، اس کتاب کو تذکرہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، ڈلیسن نے جلد ہشتم مین اس سے کچھ اقتباس لیا ہے (۳) مرآۃ اصطلاحات، یہ کتاب فارسی الفاظ، محاورات اور اصطلاحات کی ایک فرہنگ ہے، جس سے بعض تاریخی، معاشی اور صنعتی معلومات بھی حاصل ہوتے ہین، (۴) رقعات مخلص، ان مین سے بعض خطوط ادبی اور تاریخی حیثیت سے مفید ہین (۵) سفر نامہ، اس مین محمد شاہ کے محاصرہ بن گڑھ کے واقعات کی تفصیل درج ہے، اس مہم مین انند رام مخلص اپنے ولی نعمت نواب قمر الدین خان اعتماد الدولہ کے ہم رکاب تھا، اس نے اس سفر کا حال بطور روزنامچہ مرتب کیا تھا، جس سے بہت سی اہم باتین خصوصاً تیموری حکمرانون کے آخری دور کے طریق جنگ سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوتے ہین پھر اس عہد کی بہت سی تاریخی شخصیتیں بھی متعارف ہو جاتی ہین،[1] (۶) بری خانہ یہ شاید ایک

---

[1] اس کتاب کو ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی (کنٹب) صدر شعبۂ عربی و فارسی دار دو،
(باقی حاشیہ ص ۳۱۲)

اے گل میر کوئی تو جدا از وطنم کرد — من خار تو بودم کہ برون از چمنم کرد
صبح شو تا در فرصت ز عالم بگذرد — یکنفس دم را غنیمت دان کہ این ہم بگذرد[1]

مصطفےٰ قلی خان یکرنگ تذکرۂ میر حسن مین ہے،

در گلشن بہار سخن آب و رنگ و در چمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفےٰ قلی خان، متخلص بہ یکرنگ از عمدہ بود، در عہد فردوس آرامگاہ نبیرۂ خان جہان بود کہ در سلک ملازمان شاہی منسلک بود،[2]

اردو مین یکرنگ کے کلام کا رنگ یہ ہے،

ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو — یہی گویا سلام ہے تیرا
اسقدر کیا ہے حمایت غیر کی — ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا
وصل اور ہجر اس صنم کا مجھ پہ یکسان ہو گیا — درد میرا ہی مجھے آخر کو درمان ہو گیا
مجھکو اس دل سے توقع تھی مدد کی وقت پر — تیر خوبان کا تو وہ یکرنگ پیکان ہو گیا
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے — میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لینی ہے تو لے صیاد — ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

رائے انند رام مخلص۔ انند رام سودھرہ ضلع سیالکوٹ مین ۱۱۱۱ھ مین پیدا ہوا، اس کی کئی پشتین مختلف تیموری امرا کے درباروں سے بسلسلۂ ملازمت منسلک رہین، تعلیم پا کر انند رام محمد شاہ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ قمر الدین اور اس کے چچازاد بھائی سیف الدولہ صوبہ دار لاہور کا وکیل دربار مقرر ہوا،[3] اس لیے شاہی دربار سے بھی اس کو توسل تھا، اور وہان سے اسکو

---

[1] مآثر الکرام جلد ۲ ص ۲۰۳ [2] تذکرۂ میر حسن ص ۱۷۰ [3] مخزن الغرائب مین ہے،

وے از اعیان کھتریان است بہ منصب وکالت نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان بہادر و نواب گوپا موی کہ ناظم صوبہ ارکاٹ، دکن بود در حضور محمد شاہ بادشاہ شرف اندوزی داشت،

یون پکارے ہے کھڑا گلشن مین سرو ہمیشہ | پہنچیو قمری کہ کیا آزاد جاتی ہے بہار
پھول پہ نرگس کے گویا وہ نہ شبنم نہین | عاشقون کے حال پر انکھیان پھرتی ہے بہار
دھوم آونے کی کس کے گلزار مین پڑی ہو | ہار ارگجے کا باکہ نرگس لیے کھڑی ہے[1]

لال رام، باپ کا نام رائے دولہ رام تھا، اس کا دادا رائے گنجن، عالمگیری ملازمون مین تھا، لال رام محمد شاہ کی سرکار مین نوکر تھا، ۱۱۴۲ھ مین تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھکر دربار شاہی مین تحفہ پیش کی،[2] یہ فرخ سیر کے عہد تک ہندوستان کی ایک عمومی تاریخ ہے، ایران کے ابتدائی دور کے بادشاہون کے بھی کچھ حالات درج کئے گئے ہین،

محمد شاہ کا علمی کارنامہ علم ہیئت سے متعلق ہے، یہ کارنامہ اس کے درباری ہندو امیر راجہ جے سنگھ کچھواہا کے حسن ذوق، اور مساعی جمیلہ سے تکمیل کو پہنچا، جے سنگھ عالمگیر، اور اس کے جانشینون کے عہد مین فوجی خدمت کے لیے ممتاز تھا، محمد شاہ کے عہد مین آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر ہوا، جے سنگھ ایک کامیاب فوجی افسر اور باوقار حاکم ہونے کے علاوہ علم وہنر کا بھی سرپرست تھا، عربی علوم وفنون مین خاص دستگاہ رکھتا تھا، علم ہیئت سے اس کو بڑی دلچسپی تھی، اس نے

[1] چمنستان شعراء از لچھمی نرائن شفیق ص۲۶، آخری شعر گلزار ابراہیم ص۲۱۵ مین اس طرح ہے،

آنے کی دھوم کس کی گلزار مین پڑی ہے | ہاتھ ارگجی کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے،

[2] معارف نمبر۲ جلد ۲ محمد شاہ کی علم نوازی کا پتہ اس سے بھی چلے گا، کہ ایک بار دستے نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان کو مرزا مظہر جانجانان کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا، کہ اتنا بڑا ملک خدا نے مجھکو دیا ہے، اس مین جو کچھ چاہیے قبول فرمائیے، لیکن مرزا صاحب کے استغناء کا یہ حال تھا کہ ہنس کر فرمایا قل متاع الدنیا قلیل خدا نے ہفت اقلیم کو قلیل فرمایا ہے، پھر ایک اقلیم مین سے ایک ولایت آپ کے حصہ مین آئی ہے، وہ کتنی ہے کہ فقیر اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے، (گل رعنا ص۱۲۳)

[illegible] کا دیباچہ ہے جس میں مشہور خوشنویسوں کی خطاطی کے نمونے تھے۔ (۷) چمنستان حکایات و روایات کا مجموعہ ہے (۸) نگار [illegible] عشق (۹) [illegible] (۱۰) [illegible] چندر بجائے عشق و محبت [illegible] عشق [illegible] ملفوظات کے حسن و عشق کی کہانی ہے (۱۰) [illegible] (۱۱) [illegible] (۱۲) دیوان۔

مخزن الغرائب میں مخلص کے [illegible] اشعار درج ہیں جن میں سے ہم بھی کچھ یہاں پیش کرتے ہیں۔

[illegible] — قہرمان کشور ویران صحرائیم ما
[illegible] — افتادہ [illegible] مجنون گذرما
[illegible] — کر یاد ہم و ادو رنگین صحبت یاران مودن[۱]
[illegible] عشقم مخلص [illegible] — ہر کجا جنس وفا باشد خریداریم ما
[illegible] محبت [illegible] — [illegible] در [illegible] آزردہ جانی را
قصہ [illegible] — [illegible] خون [illegible] افسانہ ما

[illegible] اشعار [illegible] ختم ہوں

[illegible] ۱۳[illegible] [illegible] کے سلسلۂ مطبوعات کتب خانہ رامپور سے شائع کیا ہے [illegible] مخلص کے سوانح حیات اور اس کی تالیفات پر بہت ہی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، ڈاکٹر [illegible] تصانیف پر پر مغز بحث کی ہے [illegible] کی [illegible] فہرست دی ہے۔

[۱] مخزن الغرائب قلمی [illegible] ۱۴۹ اس کے ریختہ کے اشعار تذکرہ میر حسن اور گلزار [illegible] ختم ہو [illegible]

احمد شاہ | محمد شاہ کے بعد احمد شاہ تخت پر بیٹھا، اردو کے مشہور شاعر اشرف علی فغاں احمد شاہ کے رضاعی بھائی اور ندیم خاص تھے، احمد شاہ ان کی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کا بے حد مداح تھا، اس لیے ظریف الملک کوکہ خان بہادر کا خطاب عطا کیا، احمد شاہ کی معزولی اور قید کے بعد فغاں نے دہلی چھوڑ دی اور مرشد آباد چلے گئے، فغاں کو احمد شاہ سے نہ صرف محبت بلکہ عشق تھا، اس لیے محبوب کی یاد اور جدائی میں آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

جہاں میں میرا ایک دلدار تھا
اسی سے مجھے تو سروکار تھا

نہ کچھ کام تھا مجھکو گلزار سے
نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے

نہ سمجھوں تھا بلبل کے فریاد کو
نہ جانوں تھا میں جور صیاد کو

نہ معلوم تھا مجکو فرہاد بھی
سنا تھا نہ میں قیس ناشاد بھی

اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا میں
تو کاہے کو خاطر میں لاتا تھا میں

مجھے دردمندوں سے کیا کام تھا
سدا وصل کے بیچ آرام تھا

جب اس یار پر دھیان کرتا تھا میں
تو یوسف کو قربان کرتا تھا میں

اسی کو میں کہتا تھا ہے ماہتاب
وہی تھا مرا بخت آفتاب

میں پوجوں تھا نت اس صنم کے تئیں
نہ سجدہ کروں تھا حرم کے تئیں

وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا
غرض کچھ ہی تھا، میرا اللہ تھا

سدا سیر تھے مجکو گلزار کے
کہیں طبع خوش ہوئے یار کے

اگر اتفاقاً وہ نازک مزاج
چلے تھے وہاں سے تو میں لاعلاج

یہ کہتا تھا رو رو ستم گار سے
نہ چھوڑ اس مزے تو گلزار کے

اسے دیکھ خوش چشم نرگس کا حال
کہ حیرت سے رہ گئی ہے آنکھیں نکال

الغ بیگ کی زیچ جدید، ملا چاند اکبری کی تسہیلات، اور ملا فرید شاہجہانی کی زیچ شاہجہانی کے اصول پر زیچ محمد شاہی ترتیب دے کر بادشاہ کے حضور مین پیش کی، اس فن سے محمد شاہ کی دلچسپی اور شغف کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے حکم سے مسلمان، برہمن اور فرنگی علماے ہیئت جمع کیے گئے، اور سنہ ۱۱۳ھ مین دلی مین ایک جدید رصدخانہ کی تعمیر شروع کی گئی، مرزا خیر اللہ مہندس اس کا مہتمم تھا، اس رصدخانہ مین بعض آلات ایسے تھے، جو سمرقند کے الغ بیگی رصدخانہ مین استعمال کیے جا چکے تھے، اور بعض خود راجہ مذکور کے ایجاد کیے ہوئے تھے[1]

راجہ نے اس غرض سے کہ رصدخانہ کی تمام تحقیقات صحیح ہون اور ان کی تصدیق ہوتی جائے، دہلی کے رصدخانہ کے نمونے پر جے پور، متھرا، بنارس اور اجین مین بھی رصدخانے بنوائے، ان رصدخانون مین ہندو و مسلمان، اور فرنگی علماے ہیئت نے سات برس تک کام کیا، یہی نہین بلکہ کچھ لوگ پادری مینوئیل کی معیت مین یورپ گئے، اور وہان سے جو معلومات اور تحقیقات حاصل ہوئین، ان کا مقابلہ یہان کے اصولون سے کیا گیا، پھر ان تحقیقات سے زیچ محمد شاہی تیار کی گئی جو تین مقالات پر مشتمل ہے، اول در معرفت سنین، دوم در معرفت طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات و ثوابت[2]، اس سلسلہ مین راجہ مذکور نے مزید قابل قدر خدمت یہ انجام دی کہ عربی زبان کی مستند علم ہیئت کی کتابون کا ہندی ترجمہ کرایا، اور اس پر ہزارون روپے صرف کیے[3]

محمد شاہ کے بعد مغلیہ سلطنت کی مدت کہنے کو تو ایک سو دس برس اور رہی، لیکن دلی کی حکومت بقول آزاد ایک "ٹوٹی پھوٹی ہوئی درگاہ" تھی جس کے پانچ اور سجادہ نشین ہوئے،

[1] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون "مسلمانون کے عہد مین ہندوؤن کی علمی و تعلیمی ترقی" (معارف نمبر ۵ ص ۲۲۹) [2] ایضاً نیز دیکھو فہرست مشرقی کتبخانہ، پٹنہ، جلد یازدہم ص ۶۵ [3] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب کا مضمون ہذا،

سے تیموری سلطنت کے فرمانرواؤں کا جو انجام ہوا، وہ ارباب بصیرت کیلئے عبرت کا مقام ہے، اسی قلعۂ معلی کے اندر جس کے مکینوں کی غضب آلود نگاہوں سے ہزاروں سرکش کانپ اٹھتے تھے، خود انکی ایک اولاد ایک ظالم سرکش کے پنجوں میں گرفتار تھی، اسی پرجلال دربار کا ایک اورنگ نشین جسکے اسلاف کی صولت و دبدبہ کے سامنے بڑے بڑے ارباب ثروت وحشمت سر عجز و نیاز جھکاتے تھے، ایک ستم ایجاد اور بے درد باغی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے تھا جن کی ہیبت کے سامنے ارباب دانش پلک مارنا بھی سوء ادب سمجھتے تھے ان ہی کا ایک فرزند سر دربار بے حس و حرکت پڑا تھا، اور اسکے سینہ پر ایک شقی القلب روہیلہ سوار تھا، مال و دولت کی تلاش میں حرم کی دیواریں کھودی جا رہی تھیں، نازنینان حرم کے پھول سے رخسار طمانچوں سے سرخ کیے جا رہے تھے، شہزادیوں کے دیدۂ تر سے خون کی نہریں رواں تھیں، آہ و بکا کے شور سے قلعۂ معلی کے در و دیوار گونج رہے تھے، عین اسی حالت میں ایک ظالم "جفاجو" اور "کینہ پرور" روہیلہ نے

نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوک خنجر سے (اقبال)

شاہ عالم کو موت نہیں آئی، وہ پھر بادشاہ بنایا گیا لیکن وہ بادشاہ نہ تھا، دنیا کے لیے عبرت کا درس تھا، اس نے اپنی بے کسی کا ماتم خود کیا ہے،

چہ حادثہ برخاست پئے خواری ما — داد برباد سر و برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودم — برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم من کندہ شد از جور فلک بہتر شد — کہ نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد — کیست جز ذات خدائے کہ کند یاری ما
بکردہ بودیم گنہے کہ سزایش این بود — چیست امید کہ بخشد گنہ گاری ما
کردہ سی سال نظارت کہ مرا داد برباد — زود تریافت تلافی ستمگاری ما
نازنینان پری چہرہ کہ ہم بزم بودند — کیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

اے اے مری جان اسوقت مین　　　اے تیرے قربان اسوقت مین
ترا ہنس کے کہنا مین گھر جاؤن گا　　　مرا رو کے کہنا مین مر جاؤن گا
یہی مجھ مین اس مین تھا راز و نیاز　　　کوئی اس مین محمود کوئی ایاز
فلک نے یکایک ستم یہ کیا　　　دل شاد کو داغ حرمان دیا

احمد شاہ کی وفات پر شہنشاہ عالمگیر کے وارثون کے قبضہ مین دوآبہ اور ستلج کے چند ضلعے رہ گئے تھے، گجرات مرہٹون کی پامالی مین تھا، بنگال، بہار اور اڑیسہ علی وردی خان کے جانشینون کے تصرف مین تھے، اودھ مین صفدر جنگ کا پرچم لہرا رہا تھا، وسط دوآب مین بنگش حکمرانی کر رہے تھے، روہیلکھنڈ، روہیلون کے قبضہ مین تھا، پنجاب احمد شاہ درانی کو دیا گیا تھا، دکن مین نظام کی اولاد جھگڑ رہی تھی، ان کے علاوہ یورپین طاقتین علٰحدہ اپنے قدم جما رہی تھین، ایسی حالت مین جب کہ تیموری سلاطین خود نان شبینہ کے محتاج ہونے کو تھے، علم و فضل کی سرپرستی کہان سے کرسکتے تھے،

عالمگیر ثانی عالمگیر ثانی شاعر تھا، کہا جاتا ہے کہ عالمگیر ثانی حضرت نظام الدین اولیا کے مزار مقدس پر بیٹھکر اپنی بادشاہت کے لیے دعا کرتا تھا، جب تخت کا مالک بنا تو منقبت مین یہ اشعار کہے،

جو ہوئے خادم نظام الدین کا دل سین ای غریب　　　اس کے تئین ہوتا ہے تاج خسروی جگ مین نصیب
خادمی کی تھی عزیز الدین نے با صدق و یقین　　　تاج شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنقریب
مرض دل انگار کا میرے وہ صحت بخش ہے　　　بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب
بس پریشان حال ہے اب خلق مین محبوب حق　　　فضل کر تقصیر وارون پر، ہو تم حق کے حبیب

شاہ عالم ثانی عالمگیر ثانی کے المناک قتل کے بعد شاہ عالم بادشاہ ہوا، پہلے وہ انگریزون کا وظیفہ خوار رہا، پھر مرہٹون کے ہاتھ لال قلعہ کے اندر ایک معزز قیدی بنا، اور اسکے بعد غلام قادر کی سفاکیون

"منظوم اقدس" بھی شامل ہے، جسمین شاہ چین مظفر شاہ کا قصہ ہے، مولوی ذکاء اللہ کا بیان ہے، کہ شاہ عالم نے نثر مین چار جلدون مین ایک قصہ بھی لکھا ہے، جس سے ہر زمانے کے ادنی، متوسط اور اعلی آدمیون کا طرز معاشرت معلوم ہوتا ہے، اس کا نام "شاہ عالم کا قصہ" ہے[1]

شاہ عالم نے اپنے عہد کے تمام ممتاز شعراء مثلاً سودا، میر، درد، نصیر، انشا، زار، ممنون، احسان، قاسم اور فراق سے کچھ نہ کچھ ضرور واسطہ رکھا، جہان دہلی کے تمام شعراء جمع ہو کر اپنی جولانی طبع دکھاتے تھے، وہان شاہ عالم اپنی غزلین بھیجتا تھا، سودا کو اپنا کلام دکھاتا تھا۔[2] خواجہ میر درد کے یہان محفل سماع مین شرکت کرنے کیلیے کبھی بادگیا، ایک بار پانون مین درد تھا، ضبط نہ کر سکا، ذرا پاؤن پھیلا دیا، خواجہ صاحب اسکے متحمل نہ ہو سکے، فرمایا کہ یہ امر فقیر کے آداب محفل کے خلاف ہے، شاہ عالم نے عذر کیا، اور معافی چاہی، خواجہ صاحب نے فرمایا اگر طبیعت ناساز تھی تو تکلیف کرنیکی کیا ضرورت تھی،[3] سید انشاء اللہ خان انشا کو خاص طور سے بہت محبوب رکھتا تھا، انکی ایک لمحہ کی جدائی اسکو گوارا نہ ہوتی تھی،[4] مگر عبرت کا مقام یہ ہے کہ جسکے اسلاف ایک ایک شعر کے صلہ مین شعراء کا منہ زر و جواہر سے بھر دیتے تھے اور انکو سونے چاندی مین تلواتے تھے، آج انکے وارث کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے محبوب شاعر کے بچون کیلئے دو دو کھجورون کے لئے کچھ رقم دیتا،[5]

شاہ عالم کی اردو شاعری کے نمونے ملاحظہ ہون:-

کیجے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا
ہم تو بندے اس کے ہون وہ یار ہو اغیار کا

خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اس نے آہ
ہو جیو یارب بھلا اس چشم آتشبار کا

صاف کل آنکھین تری کہتی تھین عاشق سے نگاہ
کر سکے عیسیٰ مداوا اپنے کب بیمار کا

خون ہو ویگا گلون کو دیکھنا ہرگز صبا
نام مت لینا چمن مین اس بت خونخوار کا

کب تلک عشاق بیٹھین حشر مین طوبیٰ تلے
یاد آئے دل مین جب سایہ تری دیوار کا

دیکھکر کل نبض میری یون لگا کہنے طبیب
کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا

صرف کعبہ مین نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ
ڈھونڈ ہے جا کر ہر طرف نقش قدم دلدار کا

اسقدر افسردہ دل کیون ان دنون ہے آفتاب
دیکھ کر ہوتا ہے تجھ کو تنگ دل گلزار کا

[1] تاریخ ہندوستان ج دوم ص ٣١١
[2] آب حیات ص ٣٤٢
[3] گل رعنا ص ١٣٣
[4] " " ص ١٦٧
[5] آب حیات ص ٣٤٣
[6] " " ص ٢٤٦

حق طفلان کہ زسی سال فراہم کردند
کردہ تاراج نمودند سبکساری ما

عہد وپیمان عیان دادہ نمودند دغا
مخلیان خوب نمودند وفاداری ما

شیرداریم بہ افعی بچہ پروردیم
عاقبت گشت بجز پئے خونخواری ما

قوم افغان ومغلیہ ہمہ بازی دادند
بسکہ گشتند مجوز گرفتاری ما

این گدا زادۂ ہمدان کہ بہ دوزخ بردہ
بانی جور وستم شد بہ دل افگاری ما

گل محمد کہ زمروان بہ شرارت کم نیست
چہ قدر کرد وکالت پئے آزاری ما

نامراد وسلیمان ودبدل بیگ لعین
ہر سہ بستند کمر بہر گرفتاری ما

شاہ تیمور کہ دارد سر نسبت با من
زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما

مادھوجی سیندھیا فرزند جگر بند من است
ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

آصف الدولہ وانگریز کہ دستور من اند
چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما

راجہ ورا وزمیندار امیر وچہ فقیر
حیف باشد کہ نہ سازند بہ غمخواری ما

نازنینان پری چہرہ کہ ہمدم بودند
نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

گرچہ ما از فلک امروز حوادث دیدیم
باز فردا دہد ایزد سر سرداری ما

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ شاہ عالم سخن گوئی میں کافی مہارت رکھتا تھا، اسکا تخلص آفتاب تھا، فارسی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں اشعار موزوں کرتا تھا۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ "وہ بڑا مشاق شاعر تھا جس کے چار دیوان اردو میں موجود ہیں"[1] لیکن انڈیا آفس کے کتبخانہ میں ایک ہی جلد ہے[2]، برٹش میوزیم[3]، جودھپور[4] اور اسپرنگر[5] کی فہرستوں میں بھی ایک ہی کا ذکر ہے، انڈیا آفس لائبریری کے دیوان میں شاہ موصوف کی ایک مثنوی موسوم بہ

---

[1] آب حیات ص ۱۴۰۔ [2] ملاحظہ ہو انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ ص ۹۲۷۔ [3] ریو ضمیمہ ۲۲۔

[4] ایضاً ص ۱۰۳۔

بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر تیموری سلاطین کا خاتمہ ہے۔ وہ بادشاہ بنا لیکن حکمرانی کے لیے نہین بلکہ اپنے اسلاف کی سطوت و عظمت کی یاد مین خون کے آنسو بہانے کے لیے، سلطنت ایک بیرونی قوم کے قبضہ مین جا چکی تھی، سکون پر سے آل تیمور کا نام مٹ چکا تھا، بادشاہ محض ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہ گیا تھا، پھر بھی بادشاہ کہلاتا تھا، اس کی ساری بادشاہی قلعہ معلی کی چہار دیواری تک محدود تھی، جہان نہ وہ سلطنت کے لیے فرامین صادر کرتا، اور نہ اعیان حکومت کی مجلسین منعقد کرتا، بلکہ صرف دل کے پھپھولے توڑتا، اور جب وہ ٹوٹ کر بہ جاتے، تو اس کے سوز و گداز کا اظہار اپنے نالہائے موزون سے کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کی آپ بیتی کو پڑھ کر دل پر جو اثر ہوتا ہے وہ اور شعرا کی جگ بیتی سے نہین ہوتا، خود کہتا ہے:

اے ظفر یہ تیرے اشعار ہین یا نالۂ زار　　　کیا بلا ہین کہ جو یون دل مین اثر کرتے ہین

ظفر تاج و تخت کا گو نہ سہی لیکن اقلیم سخن کا بادشاہ ضرور تھا، جہان اس نے اپنی ذہانت و ذکاوت اور طبیعت کی بے قراری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ اگر وہ سیاسی امور مین انہی اوصاف کو کام مین لاتا تو کیا عجب تھا کہ وہ اپنی ظفر یاب فوجون کے ساتھ اغیار کے شہرون اور ملکون پر اپنی فتح و کامرانی کا پرچم لہراتا نظر آتا، اور ایک کامیاب مدبر اور سیاست دان بھی ثابت ہوتا، لیکن نہ اب رزم کی معرکہ آرائیان تھین، اور نہ بزم کی نکتہ آفرینیان، لامحالہ ایک حساس اور بیقرار ذہن کی تمام قوتین ایک ہی طرف منتقل ہو گئین اور وہ شعر و شاعری کا میدان تھا۔

صبح تو جام سے گزرتی ہے　　شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے　　اب تو آرام سے گزرتی ہے

ولہٗ

تصور ترا جس کو اے یار ہوگا　　اسے غیر سے کیا سروکار ہوگا
مرا لختِ دل اشک مین ڈھونڈنا　　اسی قافلہ مین وہ سالار ہوگا
دیا دل تو ہے آفتاب اسکو لیکن　　خدا جانے کیا عاقبت کار ہوگا

ولہٗ

چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو　　بات مین تم تو خفا ہوگئے لو اور سنو

ولہٗ

آئے جو خواب مین بھی ذیوسف لقا تو پھر　　اسے آفتاب دولت دیدار سمجھیے
جون شمع تا سحر شب فرقت مین آفتاب　　بے اختیار مجھکو رولاتی ہے چاندنی
تری اس مانگ سے کیا معنی دلخواہ ہے پیدا　　شب معراج کی اس خط سے گویا راہ ہے پیدا
مدت سے اشتیاق ہے پیارے جو آئیے　　بھلا رواق چشم مین سیرین دکھائیے[۱]

شاہ عالم ثانی ہندی زبان کا بھی شاعر تھا، اور اپنے ہندی کلام کا مجموعہ "نادرات شاہی" کے نام سے مرتب کیا تھا جو اعلیٰ حضرت فرمانروائے رامپور دام اقبالہ کے حکم سے سلسلہ مطبوعات کتابخانہ عالیہ ریاست رامپور مین شائع ہوگیا ہے اس کے شروع مین اردو زبان کے مشہور شیدائی علم و فن مولوی امتیاز علی خان عرشی کا پرمغز اور پراز معلومات مقدمہ ہے،

---

[۱] یہ اشعار تذکرہ گلزار ابراہیم انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، تذکرہ ہندی مصحفی اور گلشن بیخار سے لیے گئے ہین،

ظفرؔ شاعری مین پہلے تو نصیرؔ پھر بے قرارؔ، پھر ذوقؔ، اور آخر مین غالبؔ کا شاگرد ہوا، مگر اسکی ذہین اور مجتہدانہ طبیعت نے کسی ایک کی بھی خاصۃً تقلید و پیروی نہین کی۔ طبیعت مین خاکساری تھی، اس لیے اساتذۂ فن کی شاگردی قبول کر لیتا تھا، مگر اساتذہ اپنے لائق شاگرد کو اپنے خیالات اور جذبات سے متاثر نہ کر سکے۔ وہ شاید صرف فن کے اغلاط اور اسقام درست کر دیتے تھے، ورنہ اگر ظفرؔ اپنی راہ چھوڑ کر اپنے استادون کی راہ پر گامزن ہوتا، تو اس کے سارے کلام مین اول تو نصیرؔ کی مضمون آفرینی اور شکوہ الفاظ کے ساتھ نئی نئی تشبیہین اور استعارے پائے جاتے، یا پھر ذوقؔ کی طرح عام زبان کی کہاوتین، اور عام لوگون کے اوہام و مزعومات کی کثرت ہوتی، یا آخر مین غالبؔ کے فلسفہ، تصوف کے غوامض اور فارسی کی پر شوکت ترکیبین ہوتین، مگر ان مین سے کسی کے رنگ کی اثر پذیری اس کے کلام مین نہین، وہ اپنے ہی رنگ اور طرز ادا کا مالک رہا، بات یہ تھی کہ طبیعت مین شاعری کا مادہ بھرا تھا، پھر زندگی کچھ ایسی گذری کہ شاعر نہ بھی ہوتا، تو انقلابات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۲) (یعنی شاعری) بسیار مالوف است، شیخ ابراہیم ذوق از مادہ تعشق ذلہ ربا و ظیفہ خوار است و افکار ایشان بحک و اصلاح آوردہ است و ہموار۔"

منشی احمد حسین سحرؔ تذکرۂ بہار بے خزان (۱۲۹۲ھ) مین ظفرؔ کے متعلق لکھتے ہین:-

"ظفرؔ تخلص، مرزا ابو ظفر بادشاہ دہلی بفن شعر میلے و مناسبتے تمام دارد، ابراہیم ذوق از مخصوصان حضرت اوست، و افکار ایشان باصلاح او چون گوہر آبدار اند۔"

تذکرۂ بزم سخن مین ظفرؔ کے بارے مین ہے:-

"در سخن پایۂ ارجمند داشت، گفتارش اگرچہ سادہ پرکار است ہمواش خاطر شکار است محاورہ گوئی ازان اوست و معاملہ نویسی زیر فرمان او۔"

منشی کریم الدین صاحب رقمطراز ہین:

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۴ پر)

ظفر کا دور ہندوستانی شاعری کا دورِ شباب تھا، نصیر، ذوق، ممنون، مومن، غالب، تسکین اور شیفتہ کی شاعری نے ریختہ کی زمین کو آسمان پر پہنچا دیا تھا، ان ہی اساتذہ کے ساتھ ظفر نے بھی طبع آزمائی کی، اور نمایاں حیثیت حاصل کی، نصیر نے ریختہ میں مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی، ذوق نے غزل کو زبان اور محاورات سے آراستہ کیا، مومن اپنی نازک خیالی اور شوخیٔ ادا کے لیے ممتاز رہے، غالب کے طرزِ بیان، مسائلِ تصوف، اور نکات فلسفہ نے شاعری کو عرشِ معلی پر پہنچا دیا، مگر اس گروہ میں ظفر کی شاعری میں جو سلاست، صفائی، اور روزمرہ کی سادگی پائی جاتی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے،

طرزِ سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے　　اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا

ظفر کلام میں تیرے عجب صفائی ہے　　کہ ہر سخن ترا در خوشِ آب سا چمکا

خدا نے وہ روانی دی ظفر تری طبیعت کو　　ترا ہر شعر تر ہے بحر میں بحر المعانی ہے

ظفر شاعری سے طبعی مناسبت رکھتا تھا، ایامِ شاہزادگی سے زندگی کے اخیر دنوں تک شعر و سخن کی مشق کرتا رہا، ولی عہدی کے زمانہ میں دلی کے تمام باکمال شعراء مثلاً حکیم ثناء اللہ فراق، حافظ عبد الرحمٰن خان احسان، حکیم قدرت اللہ خان قاسم، میر قمر الدین منت، نظام الدین ممنون اس کے در دولت پر حاضر ہوتے تھے، ان کو اپنا کلام سناتا، اور ان سے ان کے نتائج فکر سنتا، سریرآرائے حکومت ہوا، تو قلعہ معلی کے اندر بزم مشاعرہ منعقد کراتا، کبھی کبھی شہر میں جا کر مشاعروں میں شریک ہوتا، اپنی غزلیں پڑھتا، دوسروں کی سنتا، داد لیتا اور داد دیتا تھا، یہاں تک کہ اساتذۂ فن میں شمار کیا جانے لگا، تمام اربابِ نظر نے اس کی سخن سنجی اور نکتہ آفرینی کی دل کھول کر داد دی ہے،[1]

---

[1] نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جو ظفر کے ہم عصر تھے، اور اس کی صحبت میں شریک بھی ہوئے تھے، لکھتے ہیں:

بآکثر صفات موصوف و محامد حکام معروف در اکثر باین خطوط دستگاہ بے شائستہ دارد

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۳)

ین خون جگر خوب بہایا، اس کی تمام شاعری مغلیہ سلطنت کی تباہی اور بربادی کا ایک مرقع ہے ۔ یہ شاید قدرت کی طرف سے انتظام تھا، کہ تیموری سلطنت کا آخری فرمانروا ... ہو، جو صحیح طور پر اسکے کمال کے زوال کا خونچکان ماتم کرسکے،

یہی وجہ ہے کہ ظفر کی شاعری حزن وملال، رنج والم اور یاس وحسرت کی سراپا داستان ہے، دیوان مین بعض غزلین ایسی ضرور ہین، جن مین رنگینیون اور سرمستیون کی جھلک ہے اور بعض تو متانت اور سنجیدگی سے بھی گری ہوئی ہین، مگر یہ شاید غایت رنج ومصیبت اور شدت غم والم کا ردعمل ہے، ظفر کی اندوہناک زندگی مین کوئی ایسی صورت باقی نہین رہی تھی، کہ دو چار گھنٹے بیٹھکر غم غلط کرلیتا۔ گذشتہ روایات کے مطابق بیکار کی تفریحین تھین نہ عیش ونشاط کی محفلین، اور نہ قلعہ معلی کے اندر مسرت وشادمانی کی مجلسین، نا محالہ شدت غم سے چھٹکارا پانے کے لیے ظفر شاعری مین رندبلانوش اور غافل از تمکین وہوش ہوجاتا، ورنہ اور کوئی وجہ نہ تھی، کیونکہ مصیبت ونکبت کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ ص۳۴۴) مین دیدۂ بینا اور ابیات عاشقانہ مین چشم گریہ زا اور بین السطور بہاریہ مین خیابان او فلکیات مین کہکشان نفس شگفتگی الفاظ سے نسیم چمن اور نگاہ تازگی رقم سے رشتۂ یاسمن

مصرع قامت شمشاد بیتہ ابروے خوبان غنچۂ ونوشاد،

عبدالغفور نساخ اپنے سخن شعرا (۱۲۹۱ھ) مین لکھتے ہین :-

"اکثر خطوط کو اچھی طرح سے لکھتے تھے، شعر نہایت شیرین ونمکین کہتے تھے"

موجودہ دور کے ادبا مین خواجہ الطاف حسین حالی تحریر فرماتے ہین کہ ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی مین اول سے آخر تک یکسان ہے،

محمد حسین آزاد نے باوجود یکہ اپنے استاد کی محبت اور عصبیت مین ظفر کے تمام کلام کو ذوق کی طرف منسوب کردیا ہے، پھر بھی وہ اس کو شعر وشاعری مین طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ بتاتے ہین:

زمانہ اور حوادثِ روزگار سے خواہ مخواہ شاعر ہو جاتا، اسلاف کی عظیم الشان حکومت ہاتھ سے گئی، عزت و وقار کا خاتمہ ہوا، تو نانِ شبینہ کو محتاج ہو گیا، در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرا، لختِ ہائے جگر کو خون میں تڑپتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور آخر میں خود ایک مجرم کی حیثیت سے محبوس و مقید ہو کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی، شاعر بننے کے لیے اور کیا چاہیے تھا، اور شعرا نے بلبل کے نالہ و فریاد سے اپنی شاعری میں سوز و گداز پیدا کیا، ظفر نے اپنی ہی آہ و بکا سے اپنی شاعری میں درد اور دروں میں تڑپ پیدا کی، اور شعرا نے عاشقانِ زبوں حال کے طوق و سلاسل کی ہولناک تصویریں کھینچ کر عبرت کا پیام دیا، ظفر کی اپنی ہی زندگی قید اور زنجیر کی داستان رہی، اس لیے اس کی ہر صدا صحیح معنوں میں دنیا کی نیرنگیوں کی آوازِ بازگشت ہو گئی، اور شعرا نے ایک خیالی چمن کی بربادی اور اس کے پھولوں کی پامالی پر دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا رونا رویا، ظفر نے اپنی سلطنت کے چمنستان کو اجڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس کے خیالات میں محشر بپا نہ ہوتا تو آخر کس میں ہوتا؟ اپنی شاعری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۳) "شعرا ایسا کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ان کے برابر کوئی نہیں کہہ سکتا، ابراہیم ذوق سے اصلاح لیتے ہیں، تیرہ چودہ برس کا عرصہ ہوا کہ تخت نشین ہوئے، ابتدا میں ولی عہد تھے، ان ایام میں بھی ان کے شعر بہت اچھے ہوتے تھے، تمام ہندوستان میں اکثر قوال ان کی غزلیں اور گیت اور ٹھمریاں گاتے ہیں، ہر ایک قسم کے شعر ہیں۔"

ظفر کی بابت مولوی امام بخش صہبائی کی ایک عجیب عبارت ملاحظہ ہو:-

"گوہرِ سخن اس کے لب سے ہم پایۂ اعجاز، مضمون نیا اس کے اشعار میں ہم پہلوئے ناز، شاہدانِ محفلِ قدس ہر راہ سے اس کے بادۂ قلم میں عنان افگن ہیں، اور نازنینانِ ملکِ تقدس ہر طرف سے اسی کے میدانِ صفحہ میں گامزن ہیں، اس کے قلم کی صریر ہے یا خوش خرامانِ معنی کی آوازِ پا، اس کے انفاس سے فروغِ معنی جلوہ گر ہے، یا مینا سے پری نقاب کشا..... اشعارِ متصوفانہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۴۵ پر)

صدقے زمین کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسمان　　رکھتا سر زمین نہ اگر اپنا تو قدم
محروم تیرے دست مبارک سے رہ گیا　　کیونکر نہ چاک اپنا گریبان کرے قلم
عالم کو تیرا نور ہوا باعث ظہور　　آدم ترے ظہور سے ہے مظہر اتم
ہیں زائران روضۂ اقدس ترے جہاں　　آتا ہے پائے بوس کو وان روضۂ ارم
واللیل تیرے گیسوئے مشکین کی ہے ثنا　　والشمس ہے ترے رخ پر نور کی قسم
انصاف تیرا دیوے جو داد ستم کشان　　دندان سین آرہ کشان ہو سر ستم
قرآن میں جب کہ خود ہو ثناخوان ترا خدا　　کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کر سکے رقم
تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض　　صدقے میں اپنی آل کے اے شاہ محتشم
صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر　　آئینۂ ضمیر سے میرے غبار غم
پہونچا نہ آستان مقدس کو تیرے میں　　اس غم سے مثل چشمہ ہوئی میری چشم نم
پر خاک آستان کو تری اپنی چشم میں　　کرتا ہوں سرمہ میل تصور سے دم بدم

اہل نظر جانتے ہیں کہ نعت کہنا کتنا مشکل ہے، بقول عرفی. ع رہ بر دم تیغ است قدم را، لیکن ظفر کے ہم عصر شعرا میں اتنا موثر نعتیہ قصیدہ کسی نے نہیں کہا، وہ کچھ اور نہ بھی کہتا، تو صرف یہی قصیدہ اس کے اعجاز شاعری کے لیے دلیل و برہان تھا، دیوان کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا حصہ حمد سے شروع ہوتا ہے، جس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

شاباش دلا ارشدک اللہ تعالے　　پہچانا اسے تونے جسے دیکھا نہ بھالا
اللہ ری تری جنبش مژگان ستم کیش　　اک پل میں کئے تونے دو عالم تہ و بالا

ادا پورا نہ ہو یک حرف اصلاً حمد یزدان کا　　اگرچہ صد زبان ہو ہر دو زبان خامہ سخندان کا
اگر ہو جائے پارہ پارہ دل اسکی محبت میں　　تو پھر ہر پارۂ دل کو سمجھ سی پارہ قرآن کا

فقر و درویشی نے مزاج پر ایسا استیلا پا لیا تھا کہ وہ نہ صرف برابر اذکار و وظائف میں مشغول رہتا، بلکہ آل تیموری کی نقطی و سیاسی پیری و مریدی ظفر کے ہاں حقیقت بن گئی تھی، جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

ظفر کا دیوان نولکشور پریس لکھنؤ سے چار جلدوں میں شائع ہوا ہے، جس میں ہر قسم کے تیس ہزار سے زیادہ اشعار، مثلاً حمد، نعت، سلام، مرثیہ، مسدس، مثلث، مخمس، مستزاد، قطعات، رباعیات، پنکھا، اور سہرا ہیں، بھاکا، پنجابی اور فارسی کے بھی اشعار ہیں، جن سے ظفر کی طباعی اور مختلف زبانوں پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس مجموعہ میں وہ حصہ شامل نہیں جو ظفر نے غدر کے بعد کہا، اس زمانہ کا کلام شائع نہ ہو سکا، بلکہ ضائع ہو گیا، حالانکہ اس عہد کی شاعری میں نہ صرف پختگی بلکہ جذبات میں اور بھی درد اور شدت پیدا ہو گئی ہو گی،

کلام ظفر دیوان، حمد کے بجائے ایک نعتیہ قصیدہ سے شروع ہوتا ہے، ملاحظہ ہو،

اے سرورِ دو کون شہنشاہِ ذوالکرم — سرخیلِ مرسلین و شفاعت گرِ امم
موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق — مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم
رنگ ظہور سے ترے گلشن تخ حدوث — نور وجود سے ترے روشن دلِ قدم
ہوتا کبھی نہ قالبِ آدم میں نفخ روح — بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم
کرتا تھا جس سے مردوں کو زندہ دمِ مسیح — تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علو شیم
ٹوٹا جو کفر قوت اسلام سے تری — صد جا سے ہو شکستہ ہے زنار موج یم
تو تھا سریرِ اوجِ رسالت پہ جلوہ گر — آدم نہاں ہنوز پسِ پردۂ عدم
کرتا ہے تیرے اسم مبارک کو دل پہ نقش — اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا درم
اے معدنِ کرم تری ہمت کے روبرو — کم تر ہے سنگ ریزہ سے قدر نگین جم
جو کچھ سوائے عرش و سما کے سر پہ ہیں — تیرے ہوا ہے جاہ کا برپا جہاں علم

سیل سرشکِ چشم بھی ہمراہ ہو اگر ۔۔۔ جون سرو آبجو یہان تو قیر آہ ہو
دکھلائے جو سوزش دل کو تو برق بھی ۔۔۔ حیران دیکھ عالم تنویر آہ ہو
کلک جلی تو شمع جگر سے بنا ۔۔۔ مانی جو کھینچے تو مری تصویر آہ ہو
نالان ہین ایک عمر سے ہم اسلیئے ظفر ۔۔۔ کب اس کے دل مین دیکھیے تاثیر آہ ہو

اور جب آہ کھینچنے سے بھی اس کو تشفی نہین ہوتی، تو چیخین مارتا ہے، اس طرح جیسے کوئی نشتر اس کے تمام جسم مین چبھو رہا ہو۔

کیا رنگ دکھاتی ہے یہ چشم تر اہو ہو ۔۔۔ خونِ جگر آ ہا ہا لختِ جگر اہو ہو
اس ہستی یک دم پر اف بل بے تری گرمی ۔۔۔ ہنستا ہی شرارت سے کیا کیا شرر اہو ہو
اک وار مین دو ٹکڑے کرتی ہی مری دل کے ۔۔۔ کیا تیز ہے قاتل کی تیغ نظر اہو ہو
چھڑکے ہی نمک قاتل لے لیکے نمکدان سے ۔۔۔ لیتے ہین مزے کیا کیا زخم جگر اہو ہو
ہستی کی عدم سے مر مر کے پہنچتے ہین ۔۔۔ اک دم کی مسافت پر اتنا سفر اہو ہو

اس پر بھی اس کو تسکین نہین ہوتی ہے، تو اپنی حالت اس طرح بیان کرتا ہے کہ

سینہ مین اک دھوان کئی بار اٹھکے رہ گیا ۔۔۔ نکلا نہ میرے دل کا بخار اٹھکے رہ گیا
آیا نہ میرے دیدۂ گریان کے سامنے ۔۔۔ سو بار دیکھا ابر بہار اٹھکے رہ گیا
دیتا جلا فلک کو مگر خیر ہو گئی ۔۔۔ ساتھ آہ کے جو دل سی شرارہ اٹھکے رہ گیا

آتشِ غم سے اس کا دل جل کر داغدار ہو گیا تھا، وہ بھی ایسا کہ خود کہتا ہے،

ذرہ جو دکھاتا ہون داغ دل سوزان کو ۔۔۔ چڑھتی ہے تپ لرزہ خورشید درخشان کو

وہ اپنی مصیبتون اور صعوبتون سے گھبرا جاتا ہے، اور ظالم چرخ سے شکایت کرتا ہے کہ

سدا گردش مین ہم ہون اور نہ اکدم دور ساغر ہو ۔۔۔ یہ کیا انصاف ہے اے چرخ گردان یہ نہ ہو وہ ہو

جسے خیال ہے کچھ رحمت الٰہی کا — گناہ سمجھے ہے دعویٰ وہ بےگناہی کا
یہ لطف دیکھ کہ خود بے نیاز ہے لیکن — دھیان ہے اسے بندوں کی خیرخواہی کا
تم اپنے جی میں عزیز اور ذلیل ٹھہراؤ — خدا ہے ایک مہ و مہر و مرغ و ماہی کا

ظفر کو اپنے حمد و نعت پر بہت زیادہ فخر تھا۔ چنانچہ کہتا ہے،

ظفر مضمون حمد و نعت کے لکھے رنگین ہے — ورق میرے سر دیوان کو ہے اک باغ رضوان کا

ظفر کی المیہ شاعری اوپر کی سطروں میں کہا گیا ہے کہ ظفر کی تمام شاعری الم و یاس اور اندوہ و غم سے بھری ہوئی ہے، بعض غزلیں تو پوری کی پوری المناک جذبات سے لبریز ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی مٹی ہوئی شوکت اور گذری ہوئی حشمت پر بے اختیار ہو کر روتا ہے، اور آنسو بہا بہا کر کہتا ہے:-

بلا سے گرچہ ہوتا راز دل افشا ہے رونے میں — نہ رو کو مجھ کو رونے سے مزا آتا ہے رونے میں
پڑا ہے کشتی افلاک کا رونا زمانے میں — مری آنکھوں نے وہ طوفان کیا برپا ہے رونے میں
مری دیوانگی کا ہے پری رو ہے عجب عالم — کبھی رونے میں ہنستا ہوں کبھی ہنستا ہوں رونے میں
سنا ہے نوح کے طوفان کو یاروں نے کانوں سے — مگر آنکھوں سے ہم نے دیکھا ہے رونے میں
لگے آگ ایسے رونے کو کہ مثل شمع گھل گھل کر — بہا جاتا مرا دل سوز سر تا پا ہے رونے میں
ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے — رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

پھر بھی روتا جاتا ہے، اور اس کے رونے میں اتنی شدت ہے کہ اس کو خود احساس ہے کہ

لگ جائے جھڑی برسوں پھر آنکھ سے آنسو — جب رونے پہ ہو گرم گریہ دامن تم کو

اور جب رو کر چپ ہوتا ہے، تو اپنے ٹوٹے ہوئے دل سے آہ و فغان بلند کرتا ہے

شعلہ جو سوز دل سے گلوگیر آہ ہو — پیکان نمط عیاں دو سر تیر آہ ہو

وہ تو عشق مین رونے کا بھی قائل نہین،

رو رو کے میرا راز نہان فاش کر دیا
خانہ خراب ہو جیو چشم پر آب کا

لیکن جب ہجر مین بے تاب ہو کر روتا ہے، تو پھر یوں کہ

نہین اے ابر ہم قائل کہ آنسو سر بسر ٹپکے
وہ کیا آنسو ہو جو بے آمیزش خون جگر ٹپکے

ہر اک آنسو کا قطرہ ہو جو دانا کہربا کا سا
دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

مگر حقیقت مین وہ چشم گریان کا نہین، بلکہ دل بریان کا قائل ہے، دل جل جائے مگر شرط یہ ہے کہ خاکستر نہ ہونے پائے بلکہ اس مین صرف سوزش ہو اور اس طرح کہ

دکھلائین سوزش دل بیتاب اگر ہم
کانپ اٹھے شعلہ شوق سے نار جحیم کا

اور اس سوزش مین اتنی ٹیس ہو کہ

دونون گداز عشق سے بہ جائین ہو کے آب
آہین جو دل کے پاس ہو پھر جگر کے پاس

اور پھر اس کے دل مین کچھ باقی نہ رہ جائے،

دل مین تو کچھ نہین ہے دم وداع ظفر
اک آہ رہ گئی ہے فقط اک جگر کے پاس

ظفر کے عشق کا فلسفہ یہیں پر ختم نہین ہو جاتا، بلکہ اس کا عشق تو اس کا مقتضی ہے کہ عاشق اس سوزش سے مضطرب، بے قرار اور بے چین ہونے کے بجائے لطف اندوز ہو، عشق کی آگ سے دل پر داغ پڑ جائین، مگر:-

خانۂ دل میں رہے روشنی داغ عشق
بجھنے نہ پائے مرا یہ کبھی یا رب چراغ

اور گو جگر مین زخم پڑ جائین لیکن:-

بھایا نہ زخم دل سے اٹھا میری چارہ گر
رہنے دے اس کو تو خم پر جوش کو ڈھکا

کیونکہ

مگر پھر اپنے کو یہ کہکر تسلی دیتا ہے کہ

ہو زیر فلک راحت کس طرح ظفر ہم کو آرام نہین آپ ہی اس گنبد گردان کو

یہ تو ظفر کی واردات زندگی کا نالہ و شیون تھا جن کے تاثرات کی گہرائی کو ظفر نے خود بیان کیا ہے کہ

ہمسر ہون میرے نالہ سی کیا نالے نے اس مین ظفر یہ سوز کہان اور کہان گداز

اب یہی سوز و گداز اس کی شاعری کے ہر پہلو مین نظر آتا ہے، جب وہ ایک شاعر بن کر عشق کی تمام واردات یعنی محبوب کی کج ادائیان، ستم آرائیان، اور بے اعتنائیان بیان کرتا ہے تو طالب محبوب کی محویت، شیفتگی اور ہجوم آرزو مین صرف سوز و گداز ہی کی نیرنگیان دیکھنا چاہتا ہے، اس کا معشوق عام معشوقون کی طرح ظالم، پر فریب، حیلہ ساز اور دل آزار ضرور ہے، لیکن اس کے عاشق کے عشق مین ہوسناکی نہین وارفتگی ہے، وصال کی لطف اندوزی نہین، ہجر کی غم انگیزی ہے، اور حسن کی رسوائی نہین بلکہ عشق کی بے پائی ہے،

اس کا عاشق عشق کے میدان مین اس طرح آتا ہے، کہ

جو آگے عشق کے میدان مین بڑھائے پاؤن تو شرط یہ ہے کہ پیچھے نہ پھر اٹھائے پاؤن

اور جب وہ سر بکف ہو کر اس میدان مین آجاتا ہے، تو پھر وہ ہے اور ہر قسم کی مصیبتون کی ہلاکت خیزی، وہ ہے اور عشق کی آتش جانسوزی،

ہوتی ہے بری عشق کی آتش یہی ڈر ہے گھر پھونک نہ دے آتش سوزان کسی کا

خانہ دل کو لگی ہی آگ سوز عشق سے ہر بن مو سے نکلتے ہین شرارے بے طرح

مگر بااین ہمہ وہ عاشق سے ضبط، تحمل، سرفروشی، بلکہ صرف تڑپ چاہتا ہے، اور وہ بھی ایسی

کہ جل کے خاک ہو دل اور خبر کسی کو نہ ہو

جہان ویرانہ ہی پہلے کبھی آباد گھر یان تھے، شغال اب ہین جہان رہتو کبھی بستی بشر یان تھے
جہان چٹیل ہو میدان اور سراسر ایک خارستان کبھی یان قصر وایوان تھے چمن تھو اور شجر یان تھے،
جہان پھرتے بگولے ہین اڑاتے خاک صحرا مین کبھی اڑتی تھی دولت رقص کرتے سیمبر یان تھے
جہان ہین سنگ ریزے تھے یہان یاقوت کے تودے جہان کنکر پڑے ہین اب کبھی رُلتے گہر یان تھے
جہان سنسان اب جنگل ہو اور ہی شہر خاموشان کبھی کیا کیا تھے ہنگامے یہان اور شور و شر یان تھے
جہان اب خاک پر ہی نقش پائے آہوے صحرا کبھی محو تماشا دیدۂ اہل نظر یان تھے

ظفرؔ احوال، عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہی،
کہ کیا کیا رنگ اب ہین اور کیا کیا پیشتر یان تھے

اس نظم مین دنیا کی بے ثباتی کا پورا نقشہ ہے، ظفر کی زندگی اور پھر اسکا المناک خاتمہ کچھ ایسا تھا کہ وہی دنیا کی بے ثباتی کی مکمل اور پُر درد تصویر کھینچ سکتا تھا، ایک جگہ کہتا ہے،

صبح گلشن مین صبا تیرا اگر ہوئے گذر کہیو بلبل سے ذرا آ کہ ای شوریدہ سر
کر رہی ہے چہچے کیا شاخ گل پر بیٹھ کر یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزارون جانور
اپنی اپنی بولیان سب بول کر اڑ جائینگے

یہ تو شعر و شاعری کی زبان تھی، مگر اسی کو صاف صاف ایک پوری غزل مین دوسری جگہ بیان کرتا ہے،۔

جو تماشا دیکھنے دنیا مین تھے آے ہوئے کچھ نہ دیکھا پھر چلے آخر وہ پچھتائے ہوئے
فرش مخمل پر بھی مشکل سی جنھیں آتا تھا خواب خاک پر سوتے ہین اب وہ پاؤن پھیلائے ہوئے
جو نہیا سے فنا ہستی مین ہین مثل حباب ہوتے ہین اول ہی سے پیدا وہ کفنائے ہوئے
غنچے کہتے ہین کہ ہوگا دیکھئے کیا اپنا رنگ جب چمن مین دیکھتے ہین پھول کمھلائے ہوئے

دل کے زخمون سے ذرا بھی جو یہ سر کے ہٹائے — سب پہ کھل جائیگا میرے دل مجروح کا حال

ظفر کے یہان ایک کامیاب عشق کے مدارج یہان بھی ختم نہین ہوتے، اصلی سوز عشق تو یہ ہے، کہ

سبزہ وان خاک سے پیدا کبھی ہونیگا نہین — دفن ہو ویگا ترا کوئی جہان سوختہ جان

بلکہ

گور پر اس کے رہا محشر تلک جلتا ہوا — اف ترے کشتہ کا سوز دل کہ ظالم سنگ بھی

اور

ہماری قبر پر حاجت نہین ہے شمع گریان کی — رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزان کی

ظفر کی اخلاقی شاعری گذشتہ صفحات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ظفر کی طبیعت پر حزن و ملال کس قدر غالب ہے، تلخیون، ناکامیون اور نامرادیون کے ہجوم مین اسکی زندگی محض داغ تمنا اور سراپا آرزو بنکر رہ گئی تھی، ظاہر ہے کہ ایسے حسرت زدہ اور ارمان سوختہ انسان کے دل و دماغ پند و نصیحت کے لیے کسقدر موزون ہون گے، ظفر نے اس سلسلہ مین جتنے اشعار کہے ہین، وہ محض ایک فلسفی کے خیالات نہین ہین، بلکہ اپنی واردات زندگی سے جو کچھ اس نے محسوس اور اخذ کیا، اس کو اشعار کی سلک مین منسلک کردیا ہے، وہ الفاظ کے گورکھ دھندون اور خیالات کے ہنگامون مین اپنے اور اپنے ناظرین کو گم کرنا نہین چاہتا ہے، بلکہ سیدھے سادے الفاظ مین جو کچھ کہنا چاہتا ہے، پیش کر دیتا ہے، اس کی پوری زندگی اور پھر اس کے اشعار آنکھون کے سامنے ہوتے ہین، تو پڑھنے والون پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے، جو غیر ارادی طور پر دل کی گہرائیون مین اتر جاتا ہے،

شاہ جہان اور جہانگیر کا آخری جانشین گویا اپنی سلطنت کی ویرانی کا یہ عبرت ناک مرقع کھینچتا ہے :-

الم ویاس اور حسرت وحرمان کا پیام چھوڑ جائے گا۔ وہ اس سے واقف تھا، کہ زمانہ انقلاب آفرین ہے، اس دنیا مین :-

نہ دائم غم ہے نہ مے عشرت کبھی یون ہی کبھی وون ہے تبدل یان ہی ہر ساعت کبھی یون ہی کبھی وون ہے
کوئی دن ہی بہار گل پھر آخر ہے خزان بالکل چمن ہے منزل عبرت کبھی یون ہے کبھی وون ہے

اسی لیے اس کا پیام ہے، کہ فلک کے تمام مظالم کے باوجود انسان کی ہمت مردانہ کا اقتضا یہ ہے کہ ضبط وصبر سے کام لے اور خدا پر بھروسہ کرے، کہتا ہے :-

ستم کرتا ہی بے مہری سے کیا کیا آسمان پیہم دل اسکے ہاتھ سی پر درد ہی اور چشم ہے پرنم
کرونگا پر نہ شکوہ گرچہ ہونگے لاکھ غم پر غم کہے جاؤنگا مین ہر دم یہی جبتک کے دم مین دم

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

اور جب انسان خدا پر بھروسہ اور توکل کرنے لگتا ہے، تو پھر دنیا کے تمام لوگون سے مستغنی اور بے نیاز ہوجاتا ہے۔

بلا سے اگر نہین کوئی رفیق وآشنا میرا خدا پر وھیان ہی میرا نگہبان ہی خدا میرا
خدا آسان کرے گا گو ہے مشکل مدعا میرا خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

مگر ظفر کا خدا پر بھروسہ کرنے سے مطلب ہرگز یہ نہ تھا، کہ انسان اپنی زندگی کو خود سنوارنے کی کوشش نہ کرے، ظفر جانتا تھا کہ انسان کو اسی دنیا مین زندگی بسر کرنا ہے، وہ اپنے لیے کوئی نیا عالم اور نیا آسمان پیدا نہین کرسکتا ہے، مگر ہان اس کے لیے خوشگوار راہین کھلی ہوئی ہین، جن پر چل کر وہ اس دنیا مین مسرت وراحت کی زندگی گذار سکتا ہے، وہ کونسا راستہ ہے، ملاحظہ ہو :-

غافلو اس نقش ہستی پر کہ ہی نقش برآب　　موج کے مانند کیون پھرتے ہو بل کھائے ہوئے

اسی لئے وہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزون کو عبث اور ہیچ سمجھتا تھا، اس کی زندگی اور اس کی زندگی کی تمام نیرنگیان عبرت کا پیام تھین، ایک عظیم الشان سلطنت کی نزع کنی اس کی نظرون کے سامنے ہو رہی تھی، ایک پُر جلال، پُرہیبت اور پرشکوہ خاندان کے خدم وحشم، عز و شان اور سطوت و جبروت کا خاتمہ اُس نے اپنی آنکھون سے دیکھا، تختِ طاؤس پر بیٹھنے والون کا جانشین، ہمالیہ سے راسکماری تک کے فاتح کا وارث اور کوڑیون کی طرح زر و جواہر لٹانے والے کی یادگار، چند روپیون کا محتاج ہو رہی تھی، ایسی حالت مین دل اور جگر کے زخمون کا ٹپک کے یہ درد انگیز چیخیں کیون نہین نکلتین، کہ

سب کارِ جہان ہیچ ہی سب کارِ جہان ہیچ　　اس ہیچ سے اُمید ہے اے ہیچدان ہیچ

مانندِ حباب ایک نفس مین ہے خرابی　　اس منزلِ فانی مین ہی بنیادِ مکان ہیچ

اک عمر رہے مایۂ دنیا سے گران بار　　آخر کو جو دیکھا تو بجز بارِ گران ہیچ

اس باغ مین تھوڑی سی بہار اور پھر آئی　　اے نوگلِ خندان مجھے تشویشِ خزان ہیچ

موجنسِ تنک مایۂ ہستی کے نہ خواہان　　یہ جنس، یہ بازار، یہ گوہر، یہ دکان ہیچ

آوازِ طرب گوشِ دل محوِ فنا سے　　جز نالہ و فریاد و بجز آہ و فغان ہیچ

پایا نہ بجز داغِ سیہ کاری یک عمر　　نقشِ قدمِ قافلۂ عمرِ روان ہیچ

کیا دیکھین ظفر خانۂ ہستی کا تماشا

اس وہم کدہ مین بجز وہم و گمان ہیچ

مگر ظفر جانتا تھا کہ اس کی اور اس کے خاندان کی زندگی کی داستان خواہ کیسی ہی دردناک اور عبرتناک ہو وہ انسانیت کی دنیا مین گنہگار اور مجرم ہوگا، اگر وہ لوگون کے لئے صرف

گوش دل مین مرے آئی سحر آواز سروش
کہ کسی یار کے شکوے نہ کر کچھ تو خروش
گر کہین یار برا لطف سے تو ہو خاموش
یار عیار ہے تو پھر یار ہے اے صاحب ہوش
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پھر لطف کی سحر آفرینیون پر رقمطراز ہے۔

لطف سے وحشی صحرا ہی نہین تنہا رام
لطف سے ماہی و مرغ آئے تہ حلقۂ دام
لطف سے بنتے ہین انسان ہی فقط کیا علام
لطف سے ہوئے پرستار پری، دیو غلام
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے کن کے ہوئے کہتے ہی ذی نون عالم
لطف سے روح ہوئی داخل جسم آدم
لطف سے گرچہ ہو معشوق بھری عشق کا دم
لطف سے غیر بنے بندۂ بے دام و درم
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

آگے چل کر جو شاعرانہ انداز سے گل افشانیان کی ہین ان مین دقت نظر کے ساتھ زور بیان بھی ملاحظہ ہو:۔

حلقۂ موج ہوا قوس قزح قوس ہلال
گردش چرخ برین گردش مہ، گردش سال
گردش ساغر مے، گردش فانوس خیال
سب تجھے کہتے ہین یہ حلقہ بگوشون کی مثال
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

اسی طرح بعض جستہ جستہ ناصحانہ خیالات دیوان مین بہت کچھ ملین گے۔ مثلاً

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش مین یاد خدا نہ رہی جسے طیش مین خوف خدا نہ رہا

عقل پر ناز ہے قدرت پر نظر کسکو ہے
سب کو فکر آج کی ہے کل کی خبر کسکو ہے

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل　　دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

نخوت، پندار، تکبر اور غرور کی راہیں صرف تباہیاں اور بربادیاں ہیں، اس لیے

کم ظرف پر غرور، ذرا اپنا ظرف دیکھ　　مانند جوش خُم نہ زیادہ ابل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوز دل کے ساتھ　　اس پر سپند وار نہ اتنا اچھل کے چل

اس دنیا میں قدم قدم پر مکر و فریب کا جال ہے، ہوش و خرد کا تقاضا ہے، کہ انسان ان سے دامن بچا کر زندگی کی مشکل راہوں کو طے کرے،

یہ غول وحش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما　　سایہ سے بچ کے اہل فریب و دغل کے چل

مگر اس کے باوجود انسان کی زندگی کی منزلیں اسی وقت طے ہو سکتی ہیں، جب وہ خود اپنے پاؤں سے چلے، اور اس کو اپنے بازو کی قوت پر اعتماد ہو

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل　　بل ہے تو بل کے بل پہ تو اپنے بل کے چل

اور اس کے ساتھ ہی آنکھوں میں بصیرت کا نور چاہیے کہ اندھیری رات گم نہ کر سکے،

پھر آنکھیں بھی ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم　　کہتا ہے کون تجکو نہ چل چل سنبھل کے چل

لیکن انسان کو اپنی تمام جد و جہد اور سعی و کوشش کے باوجود کارکنان قضا و قدر ہی کا بہرحال محتاج رہنا ہے،

انسان کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ　　اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

ظفر زندگی کے مسائل کو یہیں پر ختم نہیں کر دینا چاہتا ہے، بلکہ اس نے ایک عالمگیر لطف و کرم کا پیام دیا ہے، جس کے ذریعہ سے اس کا خیال ہے کہ انسان نہ صرف اپنے کو اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے متصف کر سکتا ہے، بلکہ وہ کائنات کی تمام چیزوں کو اپنے قابو میں لا سکتا ہے ایک الہامی شاعر بن کر کہتا ہے،

ہین گدا ہون ترے دروازے کا — جاؤن اس در سے کہان فخرالدین

موجزن ہے ترا دریاے کرم — از کران تا بہ کران فخرالدین

ہے مدد تیری توانائی بخش — مین ہون بیتاب وتوان فخرالدین

کیا کرون عرض عیان ہے تم پر — میرا سب راز نہان فخرالدین

رکھ ظفر ہر نفس و ہر ساعت — شغل دل ورد زبان فخرالدین

ایک جگہ اور کہتا ہے،

کیا خطر اس کو رہ دین مین ظفر — رہنما جس کا فخر دین ہو جائے

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے[1]

اے ظفر مین کیا بتاؤن تجھسے جو کچھ ہون سو ہون — لیکن اپنے فخردین کے کفش بردارون مین ہون

ظفر کو اس خاندان سے کچھ ایسی شیفتگی تھی، کہ مولانا فخرالدینؒ کے انتقال کے بعد ان کے

---

[1] اس عقیدت کا اظہار اپنے دیوان مین متعدد بار کیا ہے، مثلاً

خاک پاے فخر دین ہے اپنے حق مین کیمیا — اے ظفر کیون خواہش اکسیر کرنی چاہیے

کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت مین — اے فخر جہان سب وہ تیری ہی عنایت ہے

جو خاک بھی ہون تو ہون فخر دین کے در کی — ظفر چھوڑ اے نہ مجھ سے اس آستان کو چرخ

اللہ اللہ جلوۂ حسن و جمال فخر دین — ہے اسی پر اے ظفر گرویدہ دل گرویدہ آنکھ

مدد اے فخر جہان تا ہون ظفر کے دل مین — سب ملال آپ کے الطاف و عنایات سے دفع

ظفر دشوار ہے ہر چند اہل معرفت ہونا — مگر صدقے مین فخرالدین کے ہان ہو سکتا ہے عجب کچھ

جس کا ہے سرمہ ظفر خاک در فخرالدین — چشم بد دور ہے، اور ہی تاثیر کی آنکھ

کوچۂ فخر جہان کی اے ظفر — خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے،

فنا ہے ساتھ تو پھر زندگی سے کیا حاصل — فنا سے پہلے فنا ہو کر ہو بقا حاصل

جو دل کو صاف ہو کرنا تو خاکساری کر — کرے ہے خاک سی دیکھ آئینہ صفا حاصل

خاک کا پتلا ہے انسان اے ظفر اس کیلئے — سرکشی اچھی نہین ہے خاکساری کیلئے

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے — اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے

دنیا کا ہے مزا ظفر انجام کار زہر — میٹھا سمجھ کے لوگ اسے للچا گئے تو ہین

اے ظفر چاہیے بندے کو گنہ سے پرہیز — ورنہ کچھ شک نہین غفار کی غفاری مین

گلشن دنیا نہین جائے قیام اے غافلو — غنچہ سان تم دوش پر رخت سفر باندھے رہو

جو کہ ہے قسمت مین ہونا ہو گا آخر کو وہی — اے ظفر کیا شکوہ اسکا یوں ہوا یا ون ہوا

برے ہین یا بھلے ہم تم ظفر لیکن غنیمت ہین — کہ یا آئین گے پھر پھر کر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

دنیا سے جس نے کھینچ لیا ہاتھ اے ظفر — پھیلائے پانون کیون نہ ہو کنج فراغ مین

آدمی کو چاہیے آدم شناسی اے ظفر — ہے یہ فرمودہ ہمارے حضرت تیمور کا

منعم اس دولت دنیا پہ نہ کر دیکھ غرور — سیکڑون گور مین کیا کیا نہین بہرام دبے

ظفر کی صوفیانہ شاعری | یہی ناصحانہ خیالات آگے چل کر صوفیانہ خیالات مین تبدیل ہو گئے ہین، حوادث زمانہ اور واردات زندگی نے ظفر کے دل مین اپنے مالک حقیقی کی لگن ایسی پیدا کر دی تھی کہ آخر مین وہ بادشاہ وقت ہونے کے بجائے ایک صوفی منش فقیر ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی صبر، توکل، اور استغنا کی داستان ہے، طبیعت مین فقر و درویشی کا خمیر موجود تھا، ہجوم مصائب نے اس کو اور تیز کر دیا، عہد طفلی ہی مین مولانا فخر الدین سے شرف بیعت حاصل کیا، چنانچہ خود کہتا ہے:۔

مرشد پاک روان فخر الدین — قبلۂ و کعبۂ جان فخر الدین

اک جہان فخر جہان کہتا ہے — پر ہے فخر دو جہان فخر الدین۔

بھی یہی عقیدتمندانہ غلو تھا، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی شان مین ایک مخمس لکھکر کہتا ہے:-

تم ہو اے خواجہ معین اسرار زدانِ حق پرست   تم ہو رمز آگاہ کن اور واقف سر الست
تم مددگار ظفر ہو کیون ظفر کو ہو شکست   یہ فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہین پاودست

یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

اسی مخمس مین آگے چل کر لکھتا ہے:-

خاک پر سے جو کہ چل سکتا نہ ہو جون نقش پا   تم اٹھاؤ تو وہین ہو وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا
عیسیٰ جان بخش ہو تم اور خضر رہنما   دردمندون کی دوا ہو ناتوانون کی عصا

یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

ظفر نے خود اپنے ہاتھون پر بھی بیعت لینی شروع کی تھی، قلعہ معلی کے لوگ، پھر سرکار کمپنی بہادر کے دیسی سپاہی اس کے حلقہ بگوش تھے، آگے چل کر تصوف کی چاشنی اسقدر بڑھ گئی تھی کہ سعدی کی گلستان کی شرح صوفیانہ نقطۂ نظر سے خود لکھی، اور اشغال و اذکار مین ایک کتاب سراج المعرفت نام مفتی میر لال سے لکھوائی،[۱]

ظفر کی صوفیانہ طبیعت کے اثرات اس کی شاعری سے بھی ظاہر ہین، لیکن وہ تصوف کا کوئی فلسفی نہین، اس لیے خیالات اور مسائل کے اظہار مین نہ وہ نکتہ آرائی اور جدت طرازی کرتا ہے، اور نہ غالب کی طرح تصوف کے عقدہاے سربستہ کی تحلیل اور تشریح مین دقیق اور عسیر الفہم الفاظ استعمال کر کے خیالات کو ادق اور مشکل بناتا ہے، بلکہ اپنے قلب کے تاثرات اور احساسات کو

[۱] یہ معلومات امیر احمد علوی صاحب بی اے کی کتاب بہادر شاہ ظفر سے لی گئی ہین، بہادر شاہ ظفر کی ایک اور تصنیف موسوم بہ لغت و اصطلاح دکن، تین جلدون مین ہے لیکن یہ مفقود ہے، اس کا اشارہ شرح گلستان سعدی کے دیباچہ مین ہے، شرح گلستان ۱۲۵۹ھ مین مطبع سلطانی قلعہ سے شائع ہوئی تھی،

صاحبزادے مولانا قطب الدینؒ سے بیعت لی، خود رقمطراز ہے:-

مرید قطب دین ہون خاک پائے فخر دین ہون مین
گرچہ شاہ ہون ان کا غلام کمترین ہون مین

ان ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم مین
وگرنہ یون تو بالکل زر سیہ مثل نگین ہون مین

نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ میخانہ سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھستا ان کے آستانے پر جبین ہون مین

رہون مین رند میکش پر رہون انکی محبت مین
نہین خواہش مجھے یہ صوفی خلوت نشین ہون مین

مجھے تو خانقاہ و میکدہ دونون برابر ہین
ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہون کمین ہون مین

یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہین رہنما میرے
سمجھتا ان کو اپنا حامی دنیا و دین ہون مین

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم مین
ولیکن اے ظفر انکا گدائے رہ نشین ہون مین

اور جب مولانا قطب الدین کا وصال ہوا تو ان کے صاحبزادے غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب سے وہی جوش عقیدت اور قلبی تعلق قائم رکھا، حالانکہ موخر الذکر اپنے والد کے انتقال کے وقت محض خورد سال تھے، ظفر نے ان کی طرف سے اپنے احساسات کا اظہار اس طرح کیا ہے:-

نظام خانۂ فخر جہان تمہین تو ہو
قیام سلسلہ و خاندان تمہین تو ہو

نہ کیونکر تم سے ہون ظاہر صفات قطب الدین
خدا رکھے تمہیں ان کا نشان تمہین تو ہو

تمہارے در پہ جھکا کر سر ارادت خلق
کہے ہے کعبۂ امن و امان تمہین تو ہو

نثار تم پہ ہین پروانہ سان ہزارون دل
کہ شمع محفل صاحبدلان تمہین تو ہو

تمہاری قوت باطن سے تقویت ہے مجھے
کہ میرے باعث تاب و توان تمہین تو ہو

بغیر آپ کے ہون کیون نہ جان و دل بیچین
کہ راحت دل و آرام جان تمہین تو ہو

ظفر کی چاہیے نصرت تمہین نصیر الدین
کہ اس کے یار و مددگار تمہین تو ہو

ظفر کو نہ صرف اپنے مرشدون سے یہ ارادت و عقیدت تھی، بلکہ باکمال صوفیائے کرام سے

در پسِ پردہ و بے پردہ درآید از دل — بے نشان و سبب نام و نشان ہمہ اوست
نیست دیر و حرم از شیخ و برہمن آباد — ہمہ جہان و مکینے مکان ہمہ اوست
اے دل آن گوہر یکتا کہ نیرزد بدو کون — چشم بکشا و ببین زیب و کان ہمہ اوست
شعلۂ نار جحیم و گل گلزار نعیم — یک تجلی است کہ در جلوۂ شان ہمہ اوست
می زند اے ظفر امروز بباغ توحید — ہمچو بلبل دل شوریدہ فغان ہمہ اوست

یہ شاید استاد غالب کے اس سوال کا جواب ہے کہ

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب — آخر تو کیا ہے، اے نہین ہے

لیکن اس حقیقت مستور کا احساس ہوا تو اس کا مشاہدہ بھی ضروری ہے، تصوف کی راہ مین ایک ایسا مقام بھی آتا ہے، جب کہ طالب حقیقت وادی تحیر مین گم ہو کر رہ جاتا ہے،

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر
تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر (غالب)

اور پھر وہ ایسا حیرت زدہ ہو جاتا ہے، کہ ساری حقیقتین سامنے ہوتی ہین، لیکن وہ دیکھ نہین سکتا ہے:

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگان اٹھائیے
طاقت کہان کہ دید کا احسان اٹھائیے (غالب)

ظفر پر بھی ایسی کیفیت طاری ضرور ہوتی ہے، وہ کہتا ہے:

مین ہوش مین ہون یا رب یا کہ مجھے وحشت ہے — گر جوش ہنسی کا ہے گر گریہ کی شدت ہے
مجذوب ہون یا سالک غافل ہون کہ دیوانہ — کیا جانئے مین کیا ہون اور کیا میری حالت ہے

پھر کہتا ہے:-

سیدھے اور سادے الفاظ مین پیش کر دیتا ہے جن کو پڑھنے کے بعد مفہوم کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کی زیادہ ضرورت نہین پڑتی، بلکہ بے اختیارانہ طور پر اس کے اثرات خود بخود دل پر قائم ہوتے جاتے ہین، اسکی شاعری مادی خیالات سے ملوث ضرور ہے عشق مجازی کی تمام کیفیتین بھی اس پر طاری ہین لیکن اس عشق مجازی کی شراب سے اس مین عشق حقیقی کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے، اور پھر اس نشہ کی سرمستی، بیخودی، اور خود فراموشی اس پر اس قدر غالب آجاتی ہے کہ شعر کہتے کہتے خود اس مین گم ہو جاتا ہے، اور بیخود ہو کر کہتا ہے،

مے وحدت کی ہم کو مستی ہے بت پرستی خدا پرستی ہے۔

اس "مے وحدت" کے خمار مین اس کو عالم ناسوت کی تمام چیزین عالم لاہوت مین نظر آتی ہین، اور ایک وجدانی کیفیت مین تصور کرتا ہے کہ

شعلہ ہے وہی شمع وہی ماہ وہی ہے خورشید وہی نور سحرگاہ وہی ہے
حور و ملک و دیو پری انس وہی جان سب صورتون مین ماہی و نخواہ وہی ہے
یوسف ہے وہی، وہی زلیخا وہی یعقوب کنعان ہے وہی مصر وہی چاہ وہی ہے
رہرو وہی رہبر وہی وہ ہی رہ مقصود گمراہ وہی راہ سے آگاہ وہی ہے
کیا حسن مین کیا عشق مین سب مین ہے وہی نور یہ موجب غمزہ، سبب آہ وہی ہے
مجنون خراباتی و دیوانہ و ہشیار درویش و گدا شاہ و شہنشاہ وہی ہے
خارا مین شرر ہے وہ ظفر لعل مین و رنگ واللہ وہی سب مین ہے باللہ وہی ہے

اسی کو اپنی ایک فارسی غزل مین کہتا ہے۔

اینکہ بینی ہمہ ہا قالب و جان ہمہ اوست بلکہ ہم قالب و ہم روح روان ہمہ اوست
آنچہ بیرون و درون ست ہمانست ہمان راز فاش ہمہ او وستر نہان ہمہ اوست

جو عرش سے ہے فلک تلک سب کچھ اسی مین ہے
دیکھ آنکھ کھولکر
کیا کیا نہین ہے اس مین کہ سب کچھ اسی مین ہے
پر چاہیے نظر
دل اپنا پہلے زنگِ کدورت سے صاف کر
مانند آئینہ
پھر تو بغور دیکھ کہ اس آرسی مین ہے
کیا حسن جلوہ گر
پیدا نگاہ کر کہ تجلیِ حسنِ یار
سب جا ہے آشکار
شعلہ سے طور کے نہین کم روشنی مین ہے
ہر سنگ کا شرر
کیون کعبۂ و کنشت مین سر مارتا ہے تو
سرگرم جستجو
تو جس کو ڈھونڈھتا ہے چھپا وہ تجھی مین ہے
پر تو ہے بیخبر
جوش بہار حسن سے کس گل کے اے صبا
ہے یہ جنون کا جوش
مصروف اس قدر جو گریبان دری مین ہے
ہر غنچہ ہر سحر
ہے دور جام و صحبت یارانِ زندہ دل
کیفیت حباب
کچھ ہے اگر مزا تو یہی زندگی مین ہے
باقی ہے دردسر
اے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ
ہے ڈھب قریب
گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی مین ہے
اس سے ہے دور تر
صد داغ سوز عشق سے کھا بلکہ صد ہزار
ہر داغ دل پہ تو
لذت تجھے نصیب اگر عاشقی مین ہے
اے سوختہ جگر
افشاے راز عشق نہ کر کہکے جی کی بات
پردہ ہی خوب ہے
جی ہی مین اپنے رہنے دے جو کچھ کہ جی مین ہے
خاموش اے ظفر

ظفر کا خیال ہے کہ حقیقت مستور نہین، ہم اس کو دیکھتے نہین، محض اس لیے کہ ہماری

دکھاتا یار ہے ہر رنگ مین جلوہ ہمین لیکن — کہان سے لائین وہ آنکھین جن آنکھون سے ہم دیکھین

مگر وہ مشاہدۂ جمال سے محروم نہین ہوتا ہے، بلکہ حسن عالم افروز اور جمال جہان آرا کو دیکھتا ہے،

گر شعلہ مین گرمی ہے تو گل مین نزاکت ہے — ہر شے مین نظر آتی اللہ کی قدرت ہے،

جلوہ تجھے وہ اپنا ہر شے مین دکھاتا ہے — پردہ تری آنکھون کا پر تیری ہی غفلت ہے

اور جب وہ دیکھ چکتا ہے تو بے خود اور سرمست ہو کر نعرہ زن ہوتا ہے،

ترا حسن ہم جلوہ گر دیکھتے ہین — جہان دیکھتے ہین جدھر دیکھتے ہین

کرین کیونکر دل کی نہ ہم پاسداری — کہ ہر دل مین ہم تیرا گھر دیکھتے ہین

طالب حقیقت جب مطلوب کے دیدار سے شرف اندوز ہوتا ہے، تو اس موقع کی لذت کی کیفیت جو ظفر نے بیان کی ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

مری آنکھ بند تھی جب تلک وہ نظر مین نور جمال تھا — کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ خواب تھا کہ خیال تھا

کہو اس تصور یار کو کہون کیون نہ خضر خجستہ پے — کہ یہی تو دشت فراق مین مجھے رہنمائے وصال تھا

مرے دل مین تھا کہ کہون گا مین جو نہ پہنچ سکے گی تاب ہے — وہ جب آگیا مرے سامنے نہ تو رنج تھا نہ ملال تھا

وہ ہے بے وفا وہ ہے پر جفا وہان لطف کیسا وفا کہان — فقط اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا

یہ جو ذہن کے تری صدا ترا شوق دید جو بڑھ گیا — مجھے اضطراب کمال تھا یہی وجد تھا یہی حال تھا

ظفر اس سے چھوٹ کے جو جست کی تو یہ جانا مینے کہ دل رقی — فقط ایک قید خودی کی تھی، نہ قفس تھا کوئی نہ جال تھا

ظفر اس قرب و وصال کو اہل تصوف کی طرح ایک راز ضرور سمجھتا ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ یہ راز ایسا نہین جو صرف محدود طبقہ ہی کو معلوم ہو سکے، خودی کو مٹا کر جس کسی نے دیدۂ بینا اور دل مصفا اور پھر سرگرمی جستجو اور جوش جنون پیدا کر لیا، تو پھر کوئی وجہ نہین کہ اس کا دل حقیقت آشنا نہ ہو سکے۔ کتنے سادے الفاظ مین اس نے حقیقت کے راز کو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے،

بیان کی سادگی | ظفر نے جس طرح خیالات کو آسان اور سادہ بنانے کی کوشش کی ہے، اسی طرح اپنی شاعری میں زبان بھی نہایت ہی آسان اختیار کی ہے، اس کا پورا دیوان پڑھ جایئے مشکل سے کوئی غزل ایسی نظر آئے گی جس میں فارسی کی مغلق ترکیبیں اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے ہوں گے، اسی لیے بعض ہمعصر شعراء کی طرح اس کی غزلوں میں بہت کم بیان اور معنی کا الجھاؤ پیدا ہونے پایا ہے، بعض غزلیں تو سلاست اور روانی کا نمونہ ہیں، کچھ ایسی بھی ہیں کہ اگر ان کی نثر بنانا چاہیں تو لفظوں کو آگے پیچھے کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی، مثالیں ملاحظہ ہوں:-

ان کے دل میں غبار ہے دیکھیں — کس طرح سے صفائی ہوتی ہے
عاشق! زیر تیغ سر دھر دو — ابھی مشکل کشائی ہوتی ہے

آشنا ہو تو آشنا سمجھے — ہو جو نا آشنا تو کیا سمجھے
ہم اسی کو بھلا سمجھتے ہیں — آپ کو جو کوئی برا سمجھے
تو ہی کعبہ میں تو ہی بتکدہ میں — ہے وہ مشرک جو دوسرا سمجھے
اے ظفر وہ کبھی نہ ہو گمراہ — جو محبت کو رہنما سمجھے

میں ہوں عاصی کہ پر خطا کچھ ہوں — تیرا بندہ ہوں اے خدا کچھ ہوں
جزو و کل کو نہیں سمجھتا میں — دل میں تھوڑا سا جانتا کچھ ہوں

صنما ہم کہیں تو کیا کہویں — بخدا ہم کہیں تو کیا کہویں
مدعی کہنے ہی نہیں دیتے — مدعا ہم کہیں تو کیا کہویں

مثل فوارہ سربلند نہ کر — کہ بلندی کے ساتھ پستی ہے
رنج و غم کو خدا رکھے آباد — خانۂ دل میں ایسی بستی ہے

وہ بت جمال اور ہی ہے — اس میں دیکھا کمال اور ہی ہے

آنکھوں پر خودی اور نفس کا پردہ پڑا ہے، اگر یہ پردہ ہٹ جائے تو تمام رموز سربستہ اور اسرار پوشیدہ ظاہر ہو جائیں، اور دل انوار الٰہی کا مظہر بن جائے، پھر ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی تفاوت باقی نہ رہے، اسی کو واضح کرکے کہتا ہے ؎

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشین کوئی دوسرا اسکے سوا نہ رہا

ایک جگہ اور کہتا ہے،

اگر ہے دیکھنا اس کو اٹھا دے اپنی ہستی کو اگر تجھ میں اور اس میں پردہ حائل ہے تو بس یہ ہے

پھر کہتا ہے :-

ہر جائے ہے قدرت تماشا مرے آگے لیکن مری غفلت کا ہے پردہ مرے آگے

اب اس کے لیے ظفر کے یہاں عرفی کی طرح شعار ملت اسلامیان[1] چھوڑنے اور نہ غالب کی طرح رسوم و قیود کے ترک کرنے[2]، اور نہ عام صوفیوں کی طرح حال و قال اور مقام و قیام پر پابند ہونے کی ضرورت ہے، ظفر کے نزدیک تصوف کی راہیں پیچ در پیچ نہیں،

راہیں ہیں دو مجاز و حقیقت ہے جنکا نام رستے نہیں ہیں عشق کی منزل کے چار پانچ

چنانچہ اسکے یہاں انوار معرفت حاصل ہوتے ہیں تو اس طرح کہ

پردہ دوئی کا بیچ میں حائل اگر نہ ہو دیکھے جدھر نگہ وہی پیش نگاہ ہے

---

[1] عرفی نے کہا ہے :-

شعار ملت اسلامیان بگذار اگر خواہی کہ در دیر مغان آئی و اسرار نہان بینی

[2] مرزا غالب کہتے ہیں :-

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایمان ہو گئیں

دل کسی غنچہ لب کو تم نے دیا — اے ظفر تم جو رہتے ہو چپ چپ

جس کو سناؤن درد دل آئے نہ اسکو تاب — سنتے ہی یہ کہے کہ بس رے دُر منہ بس

اتنی زبان دراز نہ ہو یان بھی ہے زبان — بس آگے کہیے زبان اپنی بند بس

میری نگاہ ہے وہ غضب دیکھکر جسے — خنجر تو الحفیظ کہے الامان تیغ

ہون وہ مثل زلف برہم ازین — ان کی زلفون کی بلائین لون جو خوش

آؤ گھر میرے اے صنم آؤ — تمھیں اللہ کی قسم آؤ

قاصد لاؤ جلد خط کا جواب — ایک دم جاؤ ایک دم آؤ

اے بتو میرے خانۂ دل کو — دیر تم سمجھو یا حرم آؤ

میری گریہ سے ہے اگر منظور — سیر آب روان ادھر آؤ

اتنی تاثیر ہے کہان کہ جو تم — سن کے میری فغان ادھر آؤ

آ گئی میری جان ہونٹون پہ — اب تو اے میری جان ادھر آؤ

جاؤ تنہا نہ تم تمھارے ساتھ — جائے گی میری جان کھڑے تو رہو

ہے پڑی دل جلون کی آہ جہان — تاب کیا تم وہان کھڑے تو رہو

قد پہ نازان ہے اپنے سرو چمن — اک ذرا تم بھی ہان کھڑے تو رہو

شکایت کس سے کی مین نے بلا لو سامنے اسکو — کرون گا شکوہ مین تیرا معاذاللہ معاذاللہ

قد جانان کو دون تشبیہ کیونکر نخل طوبیٰ سے — کہان وہ قد کہان طوبیٰ معاذاللہ معاذاللہ

جو کہ عاشق کو جلائے جون شمع — وہ بھی جلتا رہے، آمین اللہ

اپنے مرنے کی دعا مانگون — وہ ستمگر کہے آمین اللہ

جو ستائین تجھے ان کو بھی ظفر — عوض اس کا ملے آمین اللہ

ترا ابرو کہاں ہلال کہاں   مہ جبین پہ ہلال اور ہی ہے

سہل ممتنع کی مثال ملاحظہ ہو :-

درد دل اپنا صنم   کیوں نہ ہم تجھ سے کہیں
چپ رہا جاتا نہیں   کب تلک چپکے رہیں
بھر رہا ہے دل مرا   کیوں نہ پھر آنسو بہیں
چشم و دل دونوں بہے   ہم بھلا کس کو کہیں
یہ ترے جور و ستم   یار ہم کب تک سہیں
اس غزل پر سب ظفر   آفریں تجھکو کہیں

ظفر کی شاعری کا بڑا حصہ اسی سادگی کا مکمل نمونہ ہے، ہر جگہ طرز بیان صاف، سادہ اور سہل ہے، بھاری اور گران لفظ بہت ہی کم ہیں، ظفر نے اس قسم کا طرز جانکر اختیار کیا، خود کہہ گیا ہے،

اے ظفر چاہیے ہاں لطف سخن میں ایسا   کہ جسے سن کے ہوں سب عالم و جاہل محظوظ

چنانچہ بعض اوقات یہ سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کی شاعری روزمرہ کی گفتگو معلوم ہونے لگتی ہے، مثلاً :

مرگیا بیمار اس کے نرگس بیمار کا   دوستو اچھا ہوا اچھا ہوا اچھا ہوا
خیر تو ہے کیا ہوا بگڑی کہیں اس یار سے   آج کیوں تو اے ظفر پھرتا ہے گھبرایا ہوا

ساتھ میرے چلے چلو چپ چپ   راہ میں تم نہ کچھ کہو چپ چپ
گھر میں چل کر شکایتیں کرنا   یاں نہ مجھ سے گلہ کرو چپ چپ
میرے جاتے ہی ان کی غیروں سے   پھر لگی ہونے گفتگو چپ چپ
ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ   نہ کرو شور بلبلو چپ چپ

زیرِ خنجر ترے بسمل جو یہ دم توڑتے ہین / کوچۂ غم مین پھر آنے کی قسم توڑتے ہین
دل مرا لیکے جو وہ سنگِ ستم توڑتے ہین / کیا ستم کرتے ہین کیون ساغرِ جم توڑتے ہین
ہر قدم پر ترے دیوانے سرِ دشتِ جنون / سیکڑون خار سدا زیرِ قدم توڑتے ہین
ابرِ مژگان سی بندھی رہتی ہی اشکون کی جھڑی / تار رونے کا نہین دیدۂ نم توڑتے ہین
جامِ مل دیتے ہین تو کرتے تامل ساقی / توبہ ہم آج ترے سر کی قسم توڑتے ہین
ہین ہمین سبحۂ و زنار برابر دونون / نہ ہم یہ جوڑتے ہین اور نہ یہ ہم توڑتے ہین
آتے ہین پھر سرِ کاوش کبھی حضرتِ عشق / سیکڑون دل مین مرے نشترِ غم توڑتے ہین
نفسِ سرکش کو ظفر توڑتے ہین جو اپنے / میرے نزدیک بڑا ہی وہ صنم توڑتے ہین

اسی طرح اڑ جانا سے خبر اڑ جانا، رونق اڑ جانا، نیند اڑ جانا، رنگ اڑ جانا، تاب اڑ جانا، مے اڑ جانا وغیرہ محاورے مستعمل ہوتے ہین، ان کو بھی ظفر نے اپنے اشعار کی لڑیون مین پرو دیا ہے،

جب چمن مین اسکے آنیکی خبر اڑ جائیگی / گل کی رونق دم مین لے بادِ سحر اڑ جائیگی
آپ کا کیا جائیگا گر خواب مین آ جاؤگے تم / نیند آنکھون سی ہماری رات بھر اڑ جائیگی
خون کو مل لیگا میرے تو کفِ پا سے ترے / سرخیِ رنگِ حنا اے فتنہ گر اڑ جائیگی
آئے گا وہ مہروش اے دل تو شبنم کی طرح / تاب و طاقت تیری اسکو دیکھکر اڑ جائیگی
یہ صبا سے کوئی پوچھے تیرے کیا آئیگا ہاتھ / خاک میری اس کے کوچے سے اگر اڑ جائیگی
شعلۂ رخسارِ ساقی گر ہوا پرتو فگن / مے جو ہے ساغر مین تیرے لے ظفر اڑ جائیگی

بلا ڈال دینا، مصیبت ڈال دینا، زنجیر ڈال دینا، شمشیر ڈال دینا، قلم ڈال دینا، دریا میں ڈال دینا، جدائی ڈال دینا، آگ ڈال دینا، تاثیر ڈال دینا جیسے محاورات پر ظفر کی طبع آزمائی سنیے۔

محبت کے یہ معنی ہین کہ مین نے وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا
نفیرون سے جو پوچھو لذت عشق اہاہاہا اہاہاہا اہاہا اہا ہا

اس بے تکلف طرز بیان اور انداز گفتگو کو سن کر اگر اہل سخن ظفر ہی کی زبان سے یہ کہین کہ ان ع

اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

تو شاید حق بجانب ہون گے،

محاورات | اس سادگی کے باوجود ظفر کو زبان پر اتنی قدرت ہے، کہ بادشاہ سخن بن کر زبان اور الفاظ پہ فرمانروائی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قلعہ معلی بلکہ اردو زبان کا کوئی محاورہ ایسا نہین جو اس کے دیوان مین موجود نہو، اور ان محاورات کو اس خوبی اور صفائی سے اپنے اشعار مین باندھ جاتا ہے، کہ اشعار کی روانی مین کہین فرق نہین آنے پاتا، مثلاً چرانا ہے، اب اس مصدر سے جو ممکن اور مروج محاورے تھے، ان سب کو ظفر نے اپنی ایک غزل مین استعمال کیا ہے، ملاحظہ ہو:-

محبت کی کوئی اب آنکھ تجھ سے ہم چراتے ہین علم ہون گرچہ سو شمشیر کین کب دم چراتے ہین
نہین شمشیر سے خنکی جھکتی آنکھ میدان مین نظر وہ دیکھ تیرا ابروے پرخم چراتے ہین
نہ لڑکون کب تلک اشکون کو داڑ وکون تو ڈرتا کہ پانی زخم دل بلکے دیدہ پرنم چراتے ہین
یہ طفل اشک ہین وہ جو رہ باندھے چور مژگان پہ کہ آنکھون مین سے کاجل دیکھ تو ہم چراتے ہین
ظفر سر عشق کو سر باندھ دیتے ہین محبت مین وگرنہ جان اپنی یان بڑے رستم چراتے ہین

یا مثلاً توڑنا سے، دم توڑنا، قسم توڑنا، ستم توڑنا، قدم توڑنا، توبہ توڑنا، نشتر غم توڑنا، نفس سرکش کو توڑنا، اتنے محاورے کو ظفر نے جس طرح استعمال کیا ہے، ان کو بھی دیکھئے،

سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنے کو الفاظ کا تابع نہین بناتا ہے، بلکہ الفاظ کو اپنا تابع بناتا ہے، اسی لیے وہ الفاظ کے ساتھ کھیلتا ہے، اور اسی تفریح اور کھیل مین زبان اور بیان مین ایک خاص لطف اور چاشنی پیدا کر دیتا ہے۔

صنائع لفظی اس کا کلام لفظی صناعی سے جو متاخرین کے کلام کا زیور ہے خالی نہین اپنے مصرع کے لفظون کو الٹ پلٹ کر دیکھئے کیسے دوسرا مصرع بنا لیتا ہے۔

یہی ایک غم ہے یہی اک الم ہے — یہی اک الم ہے یہی ایک غم ہے
مری چشم نم ہے اسی رنج و غم مین — اسی رنج و غم مین مری چشم نم ہے
خدا کی قسم ہے یہ کہتا ہون سچ مین — یہ کہتا ہون سچ مین خدا کی قسم ہے
کیا کب رقم ہے، کوئی شکوہ مین نے — کوئی شکوہ مین نے کیا کب رقم ہے
ظفر کیا ستم ہے ہوا دوست دشمن — ہوا دوست دشمن ظفر کیا ستم ہے

آیا سحاب ساقی تو لا شراب ساقی — تو لا شراب ساقی آیا سحاب ساقی
ہے پیچ و تاب ساقی زلفون سے تیرے دل کو — زلفون سے تیرے دل کو ہے پیچ و تاب ساقی
کیا مست خواب ساقی آنکھین ہین آج تیری — آنکھین ہین آج تیری کیا مست خواب ساقی
مے آفتاب ساقی ہے ہم خنک دلون کو — ہے ہم خنک دلون کو مے آفتاب ساقی
مت کر خراب ساقی تو بزم میکشان کو — تو بزم میکشان کو مت کر خراب ساقی
جام حباب ساقی دریا مین کس نے الٹا — دریا مین کس نے الٹا جام حباب ساقی
ہے یہ عذاب ساقی تو ہے ظفر سے بدتر — تو ہے ظفر سے بدتر ہے یہ عذاب ساقی

بدیع کی اصطلاح مین اس کو عکس کہتے ہین۔ یہ صنعت اردو کے کسی اور شاعر کے یہان میری نظر سے نہین گذری، البتہ قدیم فارسی شعراء کے یہان یہ ملتی ہے، اس کے علاوہ دوسری لفظی صنعتین

دل پر بلائے زلفِ گرہ گیر ڈالدی — تو نے مصیبت اے مری تقدیر ڈالدی
جب روبرو وہ آئے تو پائے نگاہ مین — موج سرشک چشم نے زنجیر ڈالدی
اپنی بھوین بنا کے دکھائین جو یار نے — شمشیر گرتے ہاتھ سے شمشیر ڈالدی
لکھا جو ہم نے اپنی سرافگندگی کا حال — گردن قلم نے بھی دمِ تحریر ڈالدی
جب ہم سمجھ گئے کہ ہے تقدیر کیمیا — دریا مین ہم نے جیسی تھی اکسیر ڈالدی
چون مہر و مہ بہم ہوئے دو بار گرد زر — تو نے جدائی اے فلک پیر ڈالدی
کیا خاک دل مرا ہو خالی کہ اور بھی — تو نے نہ آگ نالۂ شب گیر ڈالدی
مانی دکھا کے اپنا مرقع خجل ہوا — جب اس کے سامنے تری تصویر ڈالدی
کیونکر نہ ہو اثر دلِ عالم مین اے ظفر — ترے سخن مین حق نے تاثیر ڈالدی

کھینچنا کے مختلف محاورات بھی سن لیجیے :-

جو خنجر گل نے عندلیب زار پر کھینچا — تو قمری کو بھی ہے سرو چمن نے دار پر کھینچا
کھڑا ہون محو حیرت یون لگا دیوار سے تیرے — کسی نے نقش ہو جیسے کوئی دیوار پر کھینچا
وفا کا کر کے تو اقرار ہم سے ہو گیا منکر — تری الفت سے ہم نے ہاتھ اس انکار پر کھینچا
جلا دیگا جہان کو دیکھ لینا یہ دلِ سوزان — جو نالہ اس نے اور اک آہ آتشبار پر کھینچا
خطِ رخسار کو تیرے جو دیکھا لے گلستان رو — قلم سب خوشنویسون نے خطِ گلزار پر کھینچا
ہوئی کچھ تو دل بسمل کی اپنی صورت تسکین — تری تصویر کو جب سینۂ افگار پر کھینچا
دل زخمی سے اپنے ناوک دلدوز کو اسکے — اگرچہ کھینچنا تھا اے ظفر دشوار پر کھینچا

ظفر کے دیوان مین محاورہ بندی کی سیکڑون مثالین ملین گی، ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند مثالون پر اکتفا کیا ہے، لیکن انہی سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ظفر کو زبان پر کتنی قدرت ہے،

پھپھولے دل پہ جو دس بیس داغ ہیں دو تین
تو قمقمے ہیں بہت اور چراغ ہیں دو تین

۴۔ تلمیع یعنی کلام میں ایک حصہ دوسری زبان کا لانا، جیسے

جلوۂ شبنم و گل پہ ہے رولاتی مجکو
دم گلگشت چمن یاد رخ پر عرقے

کچھ عوض دل کے وہ ٹکڑا سہی دیتا ہی تو کیا
اے پرالے یا قلقے بر قلقے

رخ گلگون پہ ہے اس گل کے نزاکت کی تیزی
جلوۂ صبح بہاران و بہار شفقے

اے ظفر تم کو ہے منظور اگر زر حسود
تو پڑھا کیجے قل اعوذ برب الفلقے

۵۔ حسن التکریر، اس کی مثالیں تو ظفر کے یہان کثرت سے ہیں، ہم صرف چند اشعار پیش کرین گے،

مجھ مین اور گل اس مین باہم گفتگو تھی صاف صاف
بات کی لغزش نہ تھی واللہ جو تھی صاف صاف

نکہت گل لے گئی دل کو ہمارے باغ مین
تیری ہی سی لے سراپا نازو بو تھی صاف صاف

شمع کی طرح سے ہم رات کو روتے روتے
بہ گئے آنسوؤں مین صبح کے ہوتے ہوتے

موت یار آئی تو غفلت سے ہون یون ہم ہشیار
ڈر کے جون خواب مین چونکے کوئی سوتے سوتے

آگاہ تو کیا مجھے لذت سے عشق کی
زخموں مین اس نے میرے نمک گر بھر ابھرا

کیا بھر دیے ہین کان خدا جانے غیر نے
غصے مین جو بھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

گہ یاس و گہ امید و گہے رنج و گہ خوشی
مہمان سرائے دل مین ہین مہمان عجب عجب

اے چشم یار بار نہ ہو دیکھ اشک بار
ہر بار تجھ سے اٹھتے ہین طوفان عجب عجب

گل جو چمن مین ہین ہزار دیکھ ظفر ہو گیا بہار
سب کا ہے رنگ جدا جدا سب کی ہے بو الگ الگ

تجھے دے ہے چمن چمن کے گلہائے تازہ
مرا دیدۂ خون چکان اچھے اچھے

گر آہ و نالہ دونون پیدا ہون ایک دل سے
لیکن الگ الگ ہے تاثیر اپنی اپنی

بھی ظفر کی شاعری میں پائی جاتی ہیں، مثلاً

۱۔ تنسیق الصفات یعنی کسی موصوف کی پے در پے صفتوں کا لانا، جیسے

شوخ چشمے خوش نگاہے بیوفائے بدگمانے ۔۔۔ دلفریبے دلنوازے دلربائے دلستانے

مست نازے فتنہ سازے تند خوئے جنگجوئے ۔۔۔ ظلم کیشے ظلم کوشے ظلم خواہے ظلم رانے

کج کلاہے کج ادائے پرفریبے پُردغائے ۔۔۔ بدطریقے بدشعارے بدمزاجے بدزبانے

خوش نگاہے خوبروئے بذلہ سنجے نغزگوئے ۔۔۔ ہوشیارے حرف گیرے نکتہ طبعے نکتہ دانے

خود پرستے خودنمائے خودپسندے خودستائے ۔۔۔ خودسرے ناآشنائے سرکشے نامہربانے

ہم ظفر ہیں اس پہ مفتون خوار و رسوا از جنون ۔۔۔ وہ یہ مانے یا نہ مانے وہ یہ جانے یا نہ جانے

۲۔ لزوم مالایلزم یعنی قافیہ کے آخری حرف (روی) کے پہلے کسی خاص حرف کا التزام کرلینا جیسے

تو ہے اے ساقی نہیں پینے کا میں جام شراب ۔۔۔ مجھ کو اپنی بادۂ وحدت کی مستی خوب ہے

جس طرح مژگان سے میرے ہیں بندھے اشکوں کے تار ۔۔۔ اس طرح بدلی نہیں کوئی برستی خوب ہے

خواب میں جلوہ دکھا دیتا ہے وہ مہوش کسے ۔۔۔ چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے

راہ بہتر ہے وہ ہموار رہرو کے لیے ۔۔۔ نہ بلندی ہی بہت اچھی نہ پستی خوب ہے

خود پرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہے صریح ۔۔۔ غافلو حق میں تمہارے حق پرستی خوب ہے

۳۔ سیاق الاعداد یعنی کلام میں اعداد کا لانا جیسے

چلنا مریض غم کو تیرے آٹھ نو قدم ۔۔۔ معلوم ہوئے ضعف سے دس بیس سو قدم

پہلے تھا ایک تم پھر ہوئے ایک کے دو ۔۔۔ دو کے پھر چار ہوئے ہو گئے اب چار کے چھ

چار بار آٹھ پہر میں ہیں وہ ان سے ملتے ۔۔۔ ان سے ملنے کی ہیں معلوم جنھیں گھاتیں چار

ناخن کریں ہیں زخموں کو دو دو ملا کے ایک ۔۔۔ تھے آٹھ دس سو ہو گئے اب چھل کے چار پانچ

دکھاتے کاکل کے بال مین اسکو زلف الجھا کر ۔۔۔ نہ دیکھا جس نے ہوا سے لڑتے بچھو کو

کہتا ہوں دل کو زلف کی ناگن سے کر حذر ۔۔۔ جاتی پلٹ ہے دیکھ یہ بدذات کاٹ کے

زلف آ گئی صبا سے وہ خال دہن کے پاس ۔۔۔ مار سیاہ کھیلے ہے کیا اپنے من کے پاس

ناگن سی باغ مین کوئی لہرا رہی ہے یہ ۔۔۔ یا زلف تیرے چہرہ پہ کھائے ہے بل پڑی

ہوا سے یون جو تیری زلف عنبرین اٹھی ۔۔۔ کسی کو ڈسنے کو یہ ناگن نہ ہو کہیں اٹھی

یار کی زلف کو سنبل سے تشبیہ دینا عام بات ہے، مگر سنیے کہ ظفر نے اسی ایک تشبیہ ذرا ذرا رنگ بدل کر کس کس طرح ادا کیا ہے،

مجھے آئے نہ رونا دیکھ کر کیون سنبل تر کو ۔۔۔ کہ پھر جاتے ہے اسکی زلف دل دیر آنکھون مین

سنبل کی لہر سے نہ رہے پھر ہمین مطلب ۔۔۔ یکدست جو تم کاکل خم دار دکھا دو

سنبل ہی کیا پریشان ہو دیکھ زلف تیری ۔۔۔ موج نسیم کو بھی ہے پیچ و تاب ساقی

تا حشر نہ ہو خواہش نظارۂ سنبل ۔۔۔ تم ہم کو اگر زلف گرہگیر دکھا دو

مرے مزار پہ روئیدہ کیون نہ ہو سنبل ۔۔۔ کہ تیری زلف سے ہے دل کو پیچ و تاب ہنوز

تری زلف کے سامنے آب کیا ۔۔۔ کہ بل باغ مین شاخ سنبل کرے

سنبل چمن مین کیونکہ نہ ہو غرق آب شرم ۔۔۔ منہ دھو کے وہ بال سنوارے علی الصباح

اگر ہو عکس افگن یار کی کاکل سمندر مین ۔۔۔ تو پیدا جائے موج آب ہو سنبل سمندر مین

انھین ہے رشک سے اس زلف پرشکن کی تب ۔۔۔ کہ شاخ سنبل تر کھا کے پیچ و خم ٹوٹے

بیان کیونکر بھلا ہوئے حدیث اس زلف پیچان کی ۔۔۔ نہ جب تک چل کے کیجے سیر کیسر سنبلستان کی

زلف اسکی پرشکن سے کیا بلا کرتی ہے بل ۔۔۔ دیکھ کھا جاتی ہے شکستین شاخ سنبل باغ مین

سنبل یہان اُگے کیونکر نہ اسکی خاک سے ۔۔۔ مر گیا جو دیکھ کر اس زلف عنبر بو کے بل

خالی نہین جہان مین تمنا سے کوئی دل — ہر ایک چیز سے گرچہ تمنا جدا جدا

ایک ہی تشبیہ کو طرح طرح سے ادا کرنا

ظفر کے یہان ایک چیز اور ہے، جس سے اس کی قدرت کلام کا حال معلوم ہوتا ہے، زلف اور سانپ کی تشبیہ معمولی چیز ہے مگر دیکھیے کہ ظفر اس معمولی چیز مین اپنی جدت طبع سے کیسی کیسی ندرتین پیدا کرتا ہے،

نہین اس رخ پہ زلف اور زیر زلف اس زلف کا شانہ — چمن مین ناگ سا لڑتا ہوا ناگن سے نکلنے مین

دیکھ کر آئینے مین وہ زلف کو ہنسنے لگی — بند پانی مین پڑا اژدر کہین کا سانپ ہو

چاند پر دوڑتا ہے مار سیاہ شب تار — رخ روشن پہ ترے زلف کے بل کھانے سے

زلف یون روئے عرق آلودہ پہ لہراتی ہے — صبح یون ناگن گلون پر چاٹنے اوس آئی ہے

زلف یون چہرے پہ ہلتی ہے ہوا سے لگ کے — جس طرح مار سیہ کھائے ہے بل پان کی بیل

جس طرح مار سیہ گل سے لپٹ جاتا ہے — زلف یون تیری گئی ہو گل رخسار سے مل

جون شانہ اسکو لے دل صد چاک تو نہ چھیڑ — مار سیہ سے کم نہین ہرگز گرہ زلف

ناگنی زلف بتان کی یہ عجب کاٹ ہے — کاٹ کے پھیری ہے یان ہو کے دوتا اور طرف

کیا تماشا ہے تری زلف کا عکس آئینہ مین — سانپ کی طرح سے لہرائے ہے تالاب مین موج

نچوڑے زلف نہا کر جو وہ تو قطرۂ آب — دہان پہ مار سیہ کا لعاب ہے خالص

عقدہ ہے بلا زلف کا اے پنجۂ شانہ — دیکھو کہین انگلی نہ سیہ مار کے منہ مین

اڑ کر بھی زلف یار سے ناگن نہ بچ سکی — جس وقت اس کے منہ پہ چوٹی مار کھا گئی

سوجتا ہی مین ہون اس زلف دراز کو دیکھ — سانپ کو پکڑین کہین سانپ کے من کو پکڑون

نہین اس یار کے رخ عرق آلودہ پہ زلف — اوس کو چاٹتا ہے سانپ یہ پیاسا کالا

کیون سوتے سوتے چونک اٹھے خواب مین ظفر — وہ مار زلف دیکھ کے شاید ڈرے سے ہو

جیسے ہیں چین اس ابروئے پرخم پہ خوشنما ۔۔۔ جوہر کہیں بھی ایسے نہ شمشیر پہ کھلے
ابرو ہلی جو اس کی عجب سیر ہو گئی ۔۔۔ تلوار چلتے چلتے رہی پر سپر ہو گئی

معشوق کی مست آنکھون کا نقشہ کس کس طرح کھینچتا ہے،

یاد چشم مست میں اس کی یہ کیفیت رہی ۔۔۔ ہوش باطن مین رہا ظاہر مجھے غفلت رہی
ہم نہ کہتے تھے کہ نرگس کو دکھا مت چشم مست ۔۔۔ نیند اس کی آنکھ سے اے مست خواب اڑ جائیگی
کر دیا اک نگاہ مین بے خود ۔۔۔ چشم کا قہر ہے کیا خدا جانے
تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو ۔۔۔ ہم بھی دانا تھے پر اب پھرتے ہیں دیوانے سے
ہم کو اس دور مین ہو کیون طلب ساغر سے ۔۔۔ یہ تو جب ہو کہ تری نرگس مخمور نہ ہو،
سو فتنہ خوابیدہ بیدار ہون اک پل مین ۔۔۔ گر خواب مین بھی دیکھے اس نرگس فتان کو
مجھے سوجھے ہے کیفیت جہان کی ۔۔۔ وہ چشم مست ساقی جام جم ہے،
عین مستی مین جو تو اپنی دکھلائے آنکھ ۔۔۔ شرم سے نرگس کی گلشن مین نہ کیون جھک جائے آنکھ
اشک آنکھون مین اپنی کیون نہ ڈبھر کر ۔۔۔ ساغر مے دیکھ کر جس کو تری یاد آئے آنکھ
اپنی چشم مست کی گردش نہ اے ساقی دکھا ۔۔۔ دیکھ چکر مین ابھی جام شراب آ جائے گا
بھرا ہوا ہے تری چشم مست مین یون ناز ۔۔۔ کہ جس طرح سے مئے ناب ہو ایاغ کے بیچ
اٹھا کے آنکھ نہ دیکھا چمن مین نرگس نے ۔۔۔ رہا جو اس کو تری چشم پر حیا کا لحاظ
کرے ہے فتنہ ترے چشم فتنہ زا کا لحاظ ۔۔۔ یہ وہ بلا ہے، بلا کو ہے اس بلا کا لحاظ
کشتہ ہون چشم مست کا میرے مزار پر ۔۔۔ لازم ہے جام بادۂ انگور کا چراغ
روشن ہو چشم مست کے کشتہ کے گور پر ۔۔۔ روغن کی جائے بادۂ انگور سے چراغ
کیفیت اپنی چشم سیہ مست کی نہ پوچھ ۔۔۔ صوفی تمام دیکھ کے میخوار بنگئے

ہے نہ قرباں ہی رخ قاتل خونریز پہ گل — کھاتی سنبل بھی ہے اس لطف دلاویز پہ گل
سنبل پہ گئی اوس سی پڑ جب کہ دم غسل — پانی تری اس زلف گرہ گیر سے ٹپکا

یار کے ابرو کو شمشیر سے تشبیہ ہر شاعر نے دی ہے، مگر دیکھیے کہ ظفرؔ نے اس تلوار کے کیسے کیسے ہاتھ دکھائے ہیں،

جب ہو گئی وہ ابروئے خمدار سامنے — دی پھینک اپنے ہاتھ سے تلوار سامنے
کون ہمسر ہو سکے اس ابروئے خمدار سے — دم نہ اتنا تیغ میں، اتنے اس قدر خنجر میں ہے
کون منت کش شمشیر اجل ہووے قتل — طاق تیرا خم ابرو بھی ہے خونخواری میں
قتل کریں اک عالم کو وہ ابرو کے خم ایسے ہیں — ان شمشیروں کے ہیں مقابل دیکھو یاں ہم ایسے ہیں
کس نے دیکھا خم ابرو کو ہے پیمانے میں — چل رہی آج جو تلوار ہے میخانے میں
نہیں شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میدان میں — نظر وہ دیکھ تیرا ابروئے پرخم چراتے ہیں
ہے طرفہ طلسم ابرو دن میں تیرے جو ٹپکے — اک قبضہ تلوار میں ہیں عربدہ گر دو
کیا لائے اس ابرو کی بھلا تاب دم تیغ — ہو جائے اسے دیکھتے ہی آب دم تیغ
جب جنبش ابرو سے تری قتل ہو عالم — پھر شرم سے ہو جائے نہ کیوں آب دم تیغ
جلاد دکھا اپنی تو شمشیر تو مجھ کو — کشتہ ہوں میں ابرو کا جو ہے آب دم تیغ
تیغ ابرو سے میں جانباز ظفر سینہ سپر — بے اجل پڑتا نہیں دھار سی تلوار کے خط
ابرو پر اس کے چین کا عالم ظفرؔ ہے یوں — جوہر نہاں ہیں یہ کسی شمشیر میں غلط
ابرو کو اسکی کہتے ہیں سب تیغ اصفہان — ہے اصفہانیوں میں کہاں ایسا خم و دیغ
کہاں ہے دل میں گنجائش تری تیغ دو ابرو کی — میاں کب اک میاں میں دو بہم شمشیر ہوتی ہیں
جہاں کو جنبش ابرو سے اس نے قتل کیا — الٰہی اسکی یہ شمشیر ہل گئی تھی کیوں

تیرے بیمار غم کا حال ہے یہ ناتوانی سے
کہ اس نے آج بستر پر ذرا کروٹ نہین بدلی

بقیہ قافیے پٹ کھٹ نہین بدلی، پٹ پٹ نہین بدلی، چوکھٹ نہین بدلی، جھٹ پٹ نہین بدلی، اٹ سٹ نہین بدلی، وغیرہ،

دل جل گیا ہمارا جگر بھن گیا تمام
الفت تمھاری شعلہ رخو بھاڑ مین پڑے

کھڑکاڑ مین پڑے، تاڑ مین پڑے، چوپاڑ مین پڑے، ہڑواڑ مین پڑے، بوچھاڑ مین پڑے، دھاڑ مین پڑے وغیرہ

یہ خانہ باغ ہے موجود سینہ پر داغ
جو سیر دیکھے تو وہ دل کی شہ نشین پہ ٹکے

زمین پہ ٹکے، نگین پہ ٹکے، آتشین پہ ٹکے، مہ جبین پہ ٹکے، نگین پہ ٹکے، یاسمین پہ ٹکے وغیرہ،

اسیطرح مختلف سنگلاخ زمینون مین ظفر نے جو زور طبع دکھایا ہے، وہ خاص اسی کا حصہ ہے، وہ نئی نئی زمینین نکالتا تھا، اور ان مین شعر کہکر اپنی مشکل پسندی کا اظہار کرتا تھا، اس کے معترف مولانا محمد حسین آزاد بھی ہین، جو ظفر کے تمام کلام کو ذوق کے خوان شاعری کی محض زلہ ربائی سمجھتے ہین، وہ بادل ناخواستہ رقم طراز ہین کہ ظفر شاعری مین طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ تھا، اس کی ان جدتون کے نمونے بھی اس قدر زیادہ ہین، کہ ان کا ایک ایک شعر بھی نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، کچھ نمونے ملاحظہ ہون، خط کشیدہ قوافی ہین پوری پوری غزلین ہین،

جو درد ہوتا تو غل مچاتا جو سایہ ہوتا تو سر ہلاتا
الٰہی دل کو مرض یہ کیا ہے نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے

ہم اپنا عشق چمکائین تم اپنا حسن چمکاؤ
کہ حیران دیکھکر عالم ہمین بھی ہو تمھین بھی ہو

زبان مین ہو اثر میری تو شاید دل پھرے اس سے
اگر ناصح وعادل سو کوئی یون ہو تو یون بھی ہو

بجز رونے کے ہان چشم عنایت ہو تو کیونکر ہو
کہ بے اشک ندامت جوش رحمت ہو تو کیونکر ہو

رباب وچنگ ہو بزم طرب ہو اور مطرب ہو
دف ٹونے ہو وہان ہو پھر تو چہلین ہون تماشا ہو

منظور ہے ظفر کو لکھے وصف چشم یار — نرگس کے دے قلم کوئی اے ہمنشین تراش

چشم مست اسکی ہے بے ہی جائے ہے ہوش — گرچہ ہم ہوشیار رہتے ہین

چشم اس کی خود ہی سحر نگاہین ہین — حاجت نہین ہے سرمہ جادو کی آنکھ مین

کاسۂ چشم تصور چھوڑ کر اپنا کبھی — اے ظفر محو تماشا ہین نہ جام جم مین ہون

بغیر بادہ کبھی اس شوخ خود پرست کی آنکھ — نشے مین حسن کے ایسی ہے جیسے مست کی آنکھ

مشکل بندی مگر ظفر کا زور طبع اور کمال فن اس وقت نظر آتا ہے، جب وہ نہایت مشکل اور سنگلاخ ردیف اور قافیے اختیار کرتا ہے، اس کی مثالین اس کے دیوان مین اس کثرت سے ہین کہ اس کتاب کے محدود صفحے ان کے متحمل نہ ہو سکین گے، گو سخن شناسی کا تقاضا تو یہی تھا، کہ اس نے جتنے مشکل قوافی مین طبع آزمائی کی ہے، اور جن سنگلاخ زمینون مین جولانیان دکھائی ہین، ان سب کی داد دل کھول کر دی جاتی، مگر ہم تھوڑے سے اشعار پر اکتفا کرتے ہین، قوافی کی مثالین :-

پارۂ ساغر و شیشہ نہین ابرک کے ورق — ساقیا کیونکر کہون شیشے کو عینک کے ورق

یون ہین لخت دل سیپارہ مرے اشک کے ساتھ — جیسے قرآن سے ہو ہاتھ مین کودک کے ورق

اس غزل مین چوبک کے ورق، زردک کے ورق، چٹک کے ورق، ہنبک کے ورق، [illegible]ک کے ورق وغیرہ بھی قافیے ہین،

ٹپکے ہے خاک پہ لہو ہے پاش پاش کے پھینک — جو پھینکیے بھی تو سرراہ ہی کاش کے پھینک

ہلال عید فلک پر ہو منفعل کیا کیا — زمین پہ ناخن پا تو جو سے تراش کے پھینک

پاش کے پھینک، تلاش کے پھینک، خراش کے پھینک، معاش کے پھینک، قماش کے پھینک کو بھی استعمال کیا ہے،

میرؔ — فائدہ مصر مین یوسف رہے زندان کے بیچ ؎ بھیج دے کیون نہ زلیخا سی کنعان کے بیچ

ظفرؔ — دم مین دم میرے نہین جان نہین جان کے بیچ ؎ زلف کیا کہتی ہے جھک جھک کے تری کان کے بیچ

دردؔ — دیکھیے جس کو یہان اسے اور ہی کچھ دماغ ہے ؎ گرچہ کہ شمع داغ بھی گو ہر شب چراغ ہے

ظفرؔ — دنیا فروغ دل مین محبت کا داغ ہے ؎ رہتا بغیر داغ یہ گھر بے چراغ ہے

انشاؔ — بنا کے چھوڑ دون جو افیون کا شراب مین سانپ ؎ تو صاف آوے نظر جرم آفتاب مین سانپ

ظفرؔ — اگر شراب کی موجین بنین شراب مین سانپ ؎ خط شعاع سے لہرین آفتاب مین سانپ

مصحفیؔ — سر مشک کا ہے تیرا تو کافور کی گردن ؎ نے موئے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن

ظفرؔ — دیکھے جو ہمارے بت مغرور کی گردن ؎ غلمان کے تن سے ہو جدا حور کی گردن

آتشؔ — ذرہ خورشید ہو پہنچے جو در یار کے پاس ؎ سایہ بن جائے ہما لوٹ کے دیوار کے پاس

ظفرؔ — آبلہ سینہ پہ ہے میرے دل زار کے پاس ؎ یا کہ شیشہ سا دھرا ساقی سرشار کے پاس

ناسخؔ — ایک شب جو تیری محفل مین نہ پائے بار شمع ؎ صبح ہوتے ہوتے ہو مانند رشتہ زار شمع

ظفرؔ — دریا بہائے گر مژہ اشکبار شمع ؎ تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

شیفتہؔ — دن سے یہان آنے کی تدبیر ہے ؎ کیا اثر نالۂ شب گیر ہے

ظفرؔ — شوق خار دشت دامن گیر ہے ؎ اور مجنون پائے در زنجیر ہے

غالبؔ کا طرز بیان اور ان کی نکتہ آفرینیان اپنی جگہ پر، لیکن ایک ہی قافیہ اور ردیف مین ظفرؔ نے اپنے استاد کی تقلید مین جو اشعار کہے ہین، وہ بھی ذرا سن لیجیے:

ظفر	غالب
کیا ذکر کچھ کلام مین واعظ کے ہو مزا	ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
محفل مین وصف بادۂ و ساغر کیے بغیر	بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

کس سے انھون نے مہر و وفا کی جس سے لیا دل اس سے دغا کی ان سے ہو کیا امید کرم یہ کس کے ہوئے اور کس کے ہون گے

شرارہ سے کہتے تھے شعلے شب کو نالون کے کہ جھکے یہ چرخ پر اختر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

نہین گل تن پہ عشق و لربا مین پھول کترے ہین تماشا ہم نے یہ رنج و بلا مین پھول کترے ہین

غم نہین ہونے نہ ہونے کا کہ بے پروا ہین ہم ہے تو ہے سب کچھ میسر کچھ نہین تو کچھ نہین

خالی نہین خلش سے محبت کے کوئی بھی یارو کھٹکتی جان مین یہ گل کی پھانس ہے

ظفر کی طبیعت کو مشکل زمینون مین جولانی دکھانے مین خاص مناسبت تھی، وہ خود کہہ گیا ہے کہ

دل اپنا فکر غزل مین ظفر نہین لگتا زمین غزل کی نہووے اگر انوکھی سی

اور اس مشکل پسندی کو وہ اپنا امتیاز سمجھتا ہے،

زمین سہل مین تو ہین سبھی کچھ شعر کہہ لیتے ظفر کہتے غزل جو ایسی مشکل ہین تو آپ ہی ہین

ایک دوسری جگہ کہتا ہے،

ظفر مشکل پسندی تیری سی اب کسکو آتی ہے سخنور دیکھ کر یہ طرز مشکل ہاتھ ملتا ہے.

ایک جگہ تو چیلنج دیتا ہے،

ظفر ان قافیون مین کہہ نہین سکتا غزل کوئی اگر کہتا بھی ہے تو تجھ سے اصلاح غزل لیتا ہے

ظفر کی یہ تعلی ایک حد تک بجا ہے. اس کے ہمعصر شعرا مین سے کسی نے بھی ایسے سنگلاخ قافیون ردیفون، اور زمینون مین غزل نہین لکھی ہے. انشا اور شاہ نصیر کے یہان اس کی مثالین ملتی ہین، مگر اتنی نہین

ظفر اور اساتذۂ سخن ظفر کا زور طبع اسی پر ختم نہین ہوتا، بلکہ ریختہ کے جتنے باکمال شعرا گذرے ہین ان کی غزلون پر غزلین کہی ہین، ان کی بعض مثالین ملاحظہ ہون:-

بلکہ صرف اس قدر دکھانا مقصود ہے کہ

ظفرؔ کہتے ہیں ہم بھی وضع استادانہ رکھتے ہیں

ظفر و میر | اوپر غزلوں میں ظاہری حیثیت سے باکمال شعرا کے کلام کے مقابلہ میں ظفر کا نہ ور طبع دکھایا گیا ہے، معنوی حیثیت سے بھی اس کے کلام میں مختلف اساتذہ کا رنگ پایا جاتا ہے، میرؔ کے رنگ میں کہتا ہے:

تیرے جس دن سے خاک پا ہیں ہم — خاک ہیں لیک کیمیا ہیں ہم
تیرہ بختی میں ہیں یہ بخت سفید — کیا مگر سایۂ ہما ہیں ہم
ہم ہیں جوں زلف و عارض خوباں — گو پریشاں ہیں خوشنما ہیں ہم[1]

یہ کراہا تیرا بیمار الم درد کے ساتھ — کسی ہمسایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں نگہبانوں کو — میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

بالیں پہ اس کے شور مچاؤ نہ ہمدمو — نازک بہت ہے عشق کے بیمار کا دماغ
یہاں تلک روئے جدائی میں ترے دن رات ہم — اشک کی جا چشم سے لخت جگر پیدا ہوا

میرؔ کے طرز پر چھوٹی بحروں میں بھی غزلیں لکھی ہیں مثلاً

گور کنج فراغ ہے اپنا — داغ اپنا چراغ ہے اپنا
کون کنج حزن میں ہو دمساز — ایک دل سوز داغ ہے اپنا

درد دل درد آشنا جانے — اور بے درد کوئی کیا جانے

---

[1] اسی قافیہ اور ردیف میں میرؔ کی ایک غزل کا مطلع ہے ؎

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم — لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم

میرؔ کی اس غزل پر ظفرؔ نے مخمس بھی لکھا ہے، جو اس کے دیوان جلد اول صفحہ ۱۹۳ پر ملاحظہ ہو۔

ظفر	غالب
واہ اس صورت کدہ میں دیکھتے ہی دیکھتے	سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
صورتیں کیا کیا نظر سے اپنے پنہاں ہوگئیں	خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں
جس سے چار آنکھیں تری اے آفتِ جاں ہوگئیں	وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
تیر سی اس کے جگر کے پار مژگاں ہوگئیں	جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہوگئیں
اے ظفر دل کی پریشانی کا ہے میرے اثر	نیند اسکی ہے، دماغ اسکا ہے، راتیں اسکی ہیں
یہ جو اس کافر کی زلفیں ہیں پریشاں ہوگئیں	تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں
یہاں تک ہے ذوقِ دشت نوردی کہ دوں نکال	اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعد مرگ
میں اپنے بعد مرگ بھی باہر کفن کے پاؤں	ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

مومن کی ایک غزل کا مطلع ہے۔

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ — کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

ظفر نے قافیہ کے تغیر کے ساتھ اسی ردیف میں کئی غزلیں کہی ہیں:

جوشِ گریہ کا برا ہو کہ ترے نامہ کو — نہ دیا آنکھوں سے بھی ہم کو لگانے کاغذ

دل بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتوں سے — نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ

ظفر سے متقدم یا اس کے معاصر شعراء کی غزلوں کے مقابلہ میں جو اس کی غزلیں نقل کی گئی ہیں، اس کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ

ظفر تیرے سخن کے دبدبہ کا سخن پہ جھکے — سخن کی تاب و طاقت ہی نہیں رہتی سخنداں کو

یا :-

سخنوری میں ظفر کون تم سے ہے ہمسر — خدا نے ہے تمہیں دل و دماغ دیا

اللہ رے شرم آئے جو وہ شب کو خواب مین — پنہاں رکھا حجاب سے منہ کو نقاب مین

کبھی افسوس وہ اور ہم نہ محفل مین ہم بیٹھے — جو ہم اٹھے تو وہ بیٹھے جو وہ اٹھے تو ہم اٹھے

وصل کی رات نہ باتون مین گذارو ساری — بس گلے ہو چلے گر ہین تو سحر پر رکھو

جس کو سمجھے لب پان خوردہ مالیدہ مسی — مردمان دیکھئے پھولی وہ کہین شام نہ ہو

ہے ڈوپٹہ سرخ جو وہ رشک گل اوڑھے ہوئے — باغ مین گل برقع خجلت مین گل اوڑھے ہوئے

گلون کے ہو گئے گریبان چاک گلشن مین — رہین گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

نہیں ہے سرخ ڈوباف جبین شکین پر — بغور دیکھ ظفر ہے بہار شام شفق

جھلک رخسار آتشناک کی بجلی سی کوندی ہے — ہوا کے جھونکے اس غنے پر جب چلمن ہلاتے ہین

یہ معاملہ بندی جس طرح ناسخ کے یہان اعتدال سے بڑھ کر رکیک وسخیف بن گئی ہے، اسی طرح ظفر کے یہان بعض اوقات بہت ہی بتذل ہو گئی ہے، مگر اس قسم کے خارجی مضامین مین ناسخ کے ساتھ طبع آزمائی کرکے ظفر اپنی تخییل نگاری اور مضمون بندی کا ثبوت دیتا ہے۔ مثلاً:-

ناسخ: کیا اثر پھیلا ہے تیرے رخ آتشناک کا — صورت مجھے ہے دیوارون کے ہر روزن مین آگ

ظفر: حلقۂ زلف مین ہے اس کا رخ آتشناک — بحر حسن کی روشن ہوئی گرداب مین آگ

ناسخ: اسقدر سوزش ہے اے جراح میرے زخم مین — لگ اٹھیگی دم مین تنکے کی طرح سوزن مین آگ

ظفر: ہے شرار اشک خون سے چشم طوفان زا مین آگ — عشق کی گرمی سے دیکھو لگ گئی دریا مین آگ

ناسخ: میری آنکھون سے اگر لخت دل سوزان گرے — بولے ہمدم دیکھئے ہے آب کے دامان مین آگ

ظفر: تیرے دیوانے کی آنکھون سے جو ٹپکے اشک گرم — کیا تعجب گر لگادے دامن صحرا مین آگ

آتش وظفر | اسی طرح آتش کے ساتھ طبع آزمائی کرتا ہے،

ہو نمک سود گر نہ زخم جگر دل محبت کا کیا مزا جانے

میرؔ اور ظفرؔ کے ملتے جلتے ہوئے مضامین ،

میر کیا عشق خانہ سوز کے دل مین چھپی ہے آگ اک سارے تن بدن مین مرے پھک رہی ہے آگ

ظفر داغ دل مین آگ تحت دل مین چشم تر مین آگ عشق کی سوزش سے ہے پھیلی ہوئی گھر گھر مین آگ

میر جل جل کے سب عمارت دل خاک ہو گئی کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

ظفر ہو گیا مین خاک جل کر پر وہی ہے سوز دل اپنے دامن کو بچائے میرے خاکستر مین آگ

میر یارب ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہین چھاتیان یہ کیسے عاشقون کے دلون مین رکھی ہے آگ

ظفر جی جلائین کیون نہ میرا یہ بتان سنگدل دل ظفران کا ہے پتھر اور ہے پتھر مین آگ

میر اللہ ری عندلیب کی آواز دلخراش جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

ظفر آجائے گر ہوائے گلستان قفس تلک بلبل کا دم ہوا ہو یہ کہکر کہ ہائے گل

میر تیری ہی جستجو مین گم ہوا ہے کہ کہان کھو یا جگر خون گشتہ دل آزردہ میرا اس خانہ ویران کو

ظفر تجھے دل دے کے مین لے کافرے پھر کھو بیٹھا خرد کو ہوش کو طاقت کو جی کو دین و ایمان کو

ظفرؔ میرؔ کے رنگ مین خود میر صاحب کی روح سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے ،

یہ غزل پڑھتے اگر بزم سخندان مین ظفرؔ کیونکہ تحسین کے لیے پھر نہ سر میرؔ ہلے

ناسخ و ظفر | ظفرؔ کی قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ وہ متضاد رنگ مین کامیاب طبع آزمائی کرتا ہے ، ناسخؔ اور میرؔ کا اختلاف ذوق ظاہر ہے ، مگر میرؔ کے بعد جب وہ ناسخؔ کے رنگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ رند مشرب عاشق بن جاتا ہے ، اور اس کوچہ کا بھی ویسا ہی کامیاب رہ نورد نظر آتا ہے ، مثلاً :-

کرتا ہے قتل وقت جواب سخن مجھے ہنس دینا ان کا اور نہ کہنا حجاب ہے ،

آتش سوزش دل کا بیان کچھ کچھ کیا تھا رات کو — موم ہو کر بہ گئی سن کر مرا افسانہ شمع

ظفر دریا بہائے گر مژہ اشک بار شمع — تو بھی نہ بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

آتش داغ دل کی روشنی کافی ہے آتش گور میں — غم نہیں اس کا نہ ہوا پنے سرِ مدفن چراغ

ظفر اس دل جلے کو چاہیے کیا گور کا چراغ — ہے داغ دل ہی کشتہ رنجور کا چراغ

آتش کٹواتی ہے سر شمع جو ثابت قدمی سے — آنسو بھی نہ اندیشۂ گلگیر سے ٹپکے

ظفر ہر اک آنسو کا قطرہ ہے جو دانہ کہربا کا سا — دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

آتش جوش جنون نے گو کر مجھے زرد کر دیا — چہرے کو میرے رکھتے ہیں لڑکوں کے رنگ سرخ

ظفر ہے میرے اشک خون سے ظفر راہ عشق میں — ہر سنگ ریزہ صورت لعل خوش آب سرخ

سراپا نگاری سراپا نگاری کا جتنا مکمل نمونہ ظفر کے یہاں ہے، وہ کسی اور شاعر کے یہاں نہیں، معشوق کے اوصاف و لوازم کی تصویریں کھینچی ہیں تو اس نے پوری پوری غزلیں کہی ہیں، جن میں زیادہ تر رنگ ناسخ و آتش کا ہے، لیکن بعض اوقات زبان کی سادگی، بیان کی بے تکلفی اور خیالات کی برجستگی میں ظفر ناسخ و آتش سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً ظفر زلف یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دیتا ہے۔

کھول کر زلف سیہ اس نے جو دیکھا آئینہ — صاف دریا پر نظر کالی گھٹا سی آگئی

کھول دی اس نے عرق افشان جو وہ زلف دراز — کیا زمین سے جھوم کر بدلی برسنے لگ گئی

زلف کو کھول کے آئینہ جو دیکھا تو نے — رنگ بدلی نے بھی کیا کیا لب جیحون بدلے

ڈھانپ لے منہ کو قمر سے وہیں دامان سحاب — تیرے عارض پہ اگر زلف گرہ گیر ہلے

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا تب کچھ — اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

آتش اور ناسخ نے بھی زلف یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دی ہے، مگر ان کے یہاں صرف

آتش — مے نے کیُو عذارِ بتِ شوخ و سنگ سرخ — کندن کا اور آگ مین ہوتا ہے رنگ سرخ

ظفر — کب چشم سرمہ سا ہی تری مست خواب سرخ — اس جام نیلگون مین ہی رنگ شراب سرخ

آتش — دل دوستی بت کا نہ پابند ہو یارب — دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ

ظفر — فرہاد سیر آتا ہے اس عشق کے شیرین — پر کیا کرے جو دب گیا پتھر کے تلے ہاتھ

آتش — تبدیل شب وصل سے ہو روز جدائی — بالش کے عوض ہو سر دلبر کے تلے ہاتھ

ظفر — ہے جی مین تمنا یہ کہ سوتے ہین تو گاہے — آجائے مرا عارض دلبر کے تلے ہاتھ

آتش — مستی مین طلبگار تو ساقی سے ہے مے کا — کاٹون گا مین کانپے کا جو ساغر کے تلے ہاتھ

ظفر — دل ہاتھ مین اس کا لیا یہ ہے یہ ظفر حال — جنبش مین رہے جیسے کہ ساغر کے تلے ہاتھ

آتش — پاؤن کو ان کے چھوا مین نے تو ہنسکر بولے — کاٹے جاتے ہین تو ایسے ہی گنہگار کے ہاتھ

ظفر — مین نے چوری سی جو شب زلف کو چھیڑا تو کہا — کاٹنے چاہیے اس دزدِ سیہ کار کے ہاتھ

آتش — کرتا ہے تازہ وہ شہِ خوبان نئے نئے — آئین تازہ تازہ ہین فرمان نئے نئے

ظفر — ناز و ادا و عمزہ تو ہین شیوۂ قدیم — انداز ان کے اور ہین اکثر نئے نئے

آتش — رخسار خط نکالے گا اس شاہ حسن کا — پیدا کرے گا مور سلیمان نئے نئے

ظفر — آغاز خط سے کیا ہی نکالے ہین دیکھنا — طوطی باغ حسن نے یہ پر نئے نئے

آتش — خاک چھنوا رہی ہے کوچۂ قاتل کی تلاش — ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے

ظفر — دے کے دل قاتل بے رحم کو پھیرون کیونکر — کہ نہ تقدیر پھرے ہے نہ قضا پھرتی ہے

اور کہین کہین تو زور بیان مین ظفر آتش سے سبقت لیجاتا ہے، مثلاً

آتش — پھوٹا لحد مین دل کا پھپھولا تو دیکھنا — ہو جائے گا مزار کا آتش کے سنگ سرخ

ظفر — خون جوش مین ہی تیرے شہید و نکا زیر خاک — نکلا زمین کے پردے سے جو آفتاب سرخ

خال اب نہ تہ زلف سیاہ فام دکھاؤ   تارا مجھے مت ایک سر شام دکھاؤ

نہین حسا پر اس مہ جبین کے خال کا جل کا   خدا جانے کہ یہ کن تیرہ بختون کا ستارا ہے

خال رخ یار کا کشتہ ہون   لایا گردش مین ستارا مجھے

دیکھے ہے خال رخ یار کو یون طائر دل   دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہوا گیر کی آنکھ

سورۂ صاد ہے چشم اس کی کہ جبین پہ ظفر   خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق

اے ظفر اس خال رخ پر بال نہین زلفون کے   من سیہ اپنے ہین یہ کالے لہر کھا کر کھیلتے

یہ سیاہی سے لکھا مضمون خال رخ ترا   ہے بیاض ماہ پر تنویر مین لکھا ہوا

چشم یار کو ناسخ اور ظفر جام سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً

ناسخ   کر دیا ہی یاد چشم و گردن جانان نے مست   سامنے سے ساقیا اب شیشہ و ساغر اٹھا

ظفر   ہم کو اس دور مین ہو کیون طلب ساغر ہے   یہ تو جب ہو کہ تری نرگس مخمور نہ ہو

ناسخ   چشم ساقی سے نہ کیون عشق ہو میرے دل کو   کون شیشہ ہی بھلا جس کو نہین جام سی کام

ظفر   مجھے سوجھے ہے کیفیت جہان کی   وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

قامت یار پر ناسخ، آتش اور ظفر تینون نے طبع آزمائی کی ہے،

ناسخ   کون ہی جو نہین مرتا ہے تری قامت پر   کیون نہ ہو سرو چمن قالب بیجان ہوتا

آتش   سرو گڑ جا یَنگے گل خاک مین مل جا یَنگے   پانون رکھے تو چمن مین وہ سرافراز اپنا

ظفر   صدقے اے رشک چمن اس قد موزون کے ترے   سیدھا ایسا کوئی سرو چمنی ہووے تو ہو

نزاکت یار پر آتش و ظفر کی شاعرانہ تخئیل دیکھیے،

آتش   وہ نازنین یہ نزاکت مین کچھ یگانہ ہوا   جو پہنی پھولون کی بدھی تو درد شانہ ہوا

ظفر   کیا نزاکت ہی کہ گل عکس در گوش سی آہ   یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے مین

ایک ایک شعر ملا،

آتش — کم نہین کالی گھٹا سے یار کی زلف سیاہ — دیکھ لے طاؤس کا فرکو تو چلانے لگے

ناسخ — ہمیشہ رہتی ہین زلفین عذار تابان پر — عجب ہے چاند کر ہوتا نہین سحاب جدا

زلف یار کی ناگن سنبل اور زنجیر سے تشبیہین آتش، ناسخ، اور ظفر کے یہان بکثرت ہین، مگر مندرجۂ ذیل اشعار ظفر کی ندرت تخیل اور جدت طبع کا نمونہ ہین، جو ناسخ اور آتش کے یہان نہین،

زلف یون روے عرق آلود پر لہرائے ہے — صبح جون ناگن گلون پر چاٹنے اوس آئے ہے

زلف یون چہرے پہ ہلتی ہے ہوا سے اسکے — جس طرح مار سیہ کھائے ہوئے پل پاؤنکے بل

رخ گلنار پر تیرے کہان ہے زلف خم گشتہ — یہ لے بحر خوبی حلقہ گرداب و آتش ہے

اسکی زلف پر عرق گرا پر تر بن جائے گی — برق تو میری بھی آہ پر شرر بن جائے گی

ہٹا دو زلف کو تم مصحف رخ سے غضب یہ ہے — کہ پھیلے سوئے قرآن پاؤن اس کج طبع کافر کے

خدا محفوظ رکھے اس صنم کی زلف سے دلکو — کہ یہ سیدھا مسلمان اور وہ کج طبع کافر ہے

زلف اس روئے کتابی پہ ظفر — سورۂ واللیل ہے قرآن مین

مصحف رخسار پر کافر ترے گیسو ہین وہ — ہے تماشا حافظ قرآن ہوئے ہندو ہین وہ

لٹکی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف — ایسا خط تعلیق مین بھی لام نہ پایا

"خال رخ یار" پر ظفر نے جو مضمون بندی کی ہے، وہ بھی آتش اور ناسخ کے یہان نہین مثلاً

چشم مست بت مے نوش پہ یہ خال نہین — نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

خال ہے دنبالہ چشم فسون گر کے تلے — نیلوفر کا پھول ہے یا شاخ عنبر کے تلے

خال رخ پر زلف کب ہان سر بسر چلبیدہ ہے — شاخ سنبل نیلوفر پر یہ گر خمیدہ ہے

محاورات کو اپنی شاعری مین محفوظ کیا، اور اپنے زور طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہین کہہ سکتے ہین ؟

ظفر پر ہم نے تیری سی سخنگوئی نہین دیکھی
سخن دان و سخن گو یون تو دنیا مین ہزارون ہین

بے شبہہ اس کی شاعری معائب سے خالی نہین، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے:-

کر سکے جو نے ظفر تیرے سخن پر اعتراض
آج کس اہل سخن کو استعداد مقدور ہے

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہون، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہون گے، خصوصاً جب وہ اپنے رنج والم اور اندوہ وغم کو بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے، اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہین، یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینون کی خاطر اشعار کہتا ہے تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہین اور خود اسکو احساس تھا کہ مشکل قوافی اور زمینون مین اعلیٰ معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے
ظفر ہے تری غزل کی وہ سنگلاخ زمین

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلین لکھتا ہے، اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلی کرتا ہے،

کہ ایسی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو
جنھین سخن کا ہے دعویٰ ذرا کہو ان سے

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے،

شور سا دے اسکو ظفر اک اس مین کا اک اسین کا
کوئی غزل پر اپنی جو نازان آگے تیری غزل کے ہو

یعنی ظفر خود اس کا خواہان تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی، اور نہ کوئی اس کا قدردان پیدا ہوا، کہ میر اور غالب کی طرح اس کے

آتش — نہ نزاکت پری مین دیکھی نہ حور مین یہ نزاکت آتش — جو ہار پہونگا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا

ظفر — چہ قدر اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس — بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہین، لیکن ظفر کے اشعار مین نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان مین تکلف تصنع اور آورد نہین، شاید اسی وجہ سے کہہ گیا ہو کر

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن مین استاد — کیون نہ قائل ہون ترے ناسخ و آتش دونون

خاتمہ — ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے بار خاطر ہو رہی ہو گی، مگر یہ طوالت شاید اس کا رد عمل ہے، کہ ظفر جس نے ہزارون اشعار لکھکر اپنے خون جگر کو کاغذ کے صفحون پر بہایا ہے اسکو یا تو عام طور سے ادنی درجہ کا شاعر یا ذوق کے خوان ادب کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے حالانکہ

انصاف ہی جب اہل سخن مین نہ ہو ظفر — چاہے سخن کی اپنے کوئی ان سے داد خاک

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہنچا جنھون نے اس کے کلام کے مجموعون کو "سرتاپا" ذوق کی طرف منسوب کر دیا اور ایک زمانہ تک اہل نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھکر قابل التفات نہین سمجھتے تھے لیکن ارباب نظر نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا، اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا مگر پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کے آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہل ذوق کی طبیعتین بھی بدل گئین، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پروازی، اور دونون کی دلنشین فارسی ترکیبون کے سامنے ظفر کی شاعری پھیکی اور بے مزہ ہو گئی،

ظفر کی شاعری مین غالب اور مومن کی معجز طرازیان گو نہ سہی لیکن قادر الکلامی کا دائرہ تنگ بھی نہین، جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست بیان کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، قلعہ معلی کی زبان اور

شہزادے

ہندوستان مین تیموری سلطنت کے بانی یعنی بابر کی اولاد نرینہ مین ہمایون کے علاوہ آٹھ اور لڑکے پیدا ہوئے، کامران، عسکری، ہندال، الور، باریل، فاروق، شاہ رخ اور احمد جن مین موخر الذکر پانچ کا انتقال اسی کی زندگی ہی مین ہوگیا لیکن ہمایون، کامران، عسکری اور ہندال اس کے سامنے پروان چڑھے، اور اس کی علم پرور صحبت مین تعلیم و تادیب سے فیضیاب ہوئے، اس کی موت کے بعد اس کے لڑکون کو وراثت مین تنہا اس کی شجاعت، اولوالعزمی اور پامردی ہی نہین، بلکہ علم و ہنر کا شوق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا،

مرزا کامران بابر نے اپنی ہنگامہ پرور زندگی کے باوجود کامران کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لیے اپنی مشہور مثنوی مبین لکھی، اور اس کے ادبی مذاق کے لیے اپنی تزک اسکے مطالعہ مین دی، اس کے ذوق شعری کو فروغ دینے کے لیے اپنا منظوم رسالہ والدیہ اور اپنے اشعار تحفے مین بھیجے، اور پھر علم و ہنر کی چاشنی کیلیے جہان جہان گیا، وہان کے کتب خانون سے اس کے پاس کتابین بھیجین، چنانچہ بابر کی کوششین رائگان نہین گیٔن، مرزا کامران سخن گوئی و سخن وری کا مالک بنا،

اس کا ایک **دیوان** زمانہ کی دستبرد سے معلوم نہین کیسے کتب خانہ خدابخش خان پٹنہ مین محفوظ رہ گیا ہے، اس مین مرزا کے ترکی و فارسی کلام ہین ترکی مین ۴۰ غزلین، تین قطعے چھبیس رباعیان چودہ مثنویان اور کچھ مفردات ہین، اسی طرح فارسی مین ۲۳ غزلین

دیوان سے بھی اچھے اور عمدہ اشعار منتخب کرکے ایک مجموعہ تیار کرتا، اب بھی اگر کسی صاحب ذوق کی کوشش سے اس کے دیوان کا انتخاب شائع ہو جائے تو یہ کہنے مین تامل نہ ہوگا کہ

پروئے تونے کیا تار سخن مین گوہر معنی
ظفر تحسین کنان محفل مین اب سارے سخندان ہین

اور شاید یہ بھی کہ

ترا سخن وہ مزے دار ہے کہ حشر تلک
رہین گے اسکے ظفر طبع نکتہ دان پہ مزے

محاورات کو اپنی شاعری مین محفوظ کیا، اور اپنے زور طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہین کہہ سکتے ہین؟

سخن دان وسخن گو یون تو دنیا مین ہزارون ہین ظفر پر ہم نے تیری سی سخنگوئی نہین دیکھی

بے شبہہ اس کی شاعری معائب سے خالی نہین، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے:۔

آج کس اہل سخن کو مقدور ہے کر سکے جو اے ظفر تیرے سخن پر اعتراض

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہون، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہون گے، خصوصاً جب وہ اپنے رنج والم اور اندوہ وغم کو بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے، اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہین، یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینون کی خاطر اشعار کہتا ہے تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہین اور خود اسکو احساس تھا کہ مشکل قوافی اور زمینون مین اعلیٰ معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

ظفر ہے تری غزل کی وہ سنگلاخ زمین کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلین لکھتا ہے، اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلّی کرتا ہے،

جنھین سخن کا ہے دعویٰ ذرا کہو ان سے کہ ایسی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے،

کوئی غزل پر اپنی جو نازان آگے تیری غزل کے ہو شور سنا دے اسکو ظفر اک اس مین کا اک اس مین کا

یعنی ظفر خود اس کا خواہان تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی، اور نہ کوئی اس کا قدردان پیدا ہوا، کہ میر اور غالب کی طرح اس کے

آتش | نہ نزاکت پری مین دیکھی نہ حورمین یہ نزاکت آتش | جو ہار پہونکا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا
ظفر | چہ قدر اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس | بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہین، لیکن ظفر کے اشعار مین نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان مین تکلف تصنع اور آورد نہین، شاید اسی وجہ سے کہہ گیا ہو کہ

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن مین استاد | کیون نہ قائل ہون ترے ناسخ و آتش دونون

خاتمہ | ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے بار خاطر ہو رہی ہو گی، مگر یہ طوالت شاید اس کا رد عمل ہے، کہ ظفر جس نے ہزارون اشعار لکھکر اپنے خون جگر کو کاغذ کے صفحون پر بہایا ہے اسکو یا تو عام طور سے ادنی درجہ کا شاعر یا ذوق کے خوان ادب کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے، حالانکہ

انصاف ہی جب اہل سخن مین نہ ہو ظفر | چاہے سخن کی اپنی کوئی ان سے داد خاک

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہنچا جنھون نے اس کے کلام کے مجموعون کو "سرتاپا" ذوق کی طرف منسوب کر دیا اور ایک زمانہ تک اہل نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھکر قابل التفات نہین سمجھتے تھے لیکن ارباب نظر نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا مگر پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کے آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہل ذوق کی طبیعتین بھی بدل گئین، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پروازی، اور دونون کی دلنشین فارسی ترکیبوں کے سامنے ظفر کی شاعری پھیکی اور بے مزہ ہو گئی،

ظفر کی شاعری مین غالب اور مومن کی معجز طرازیان گو نہ سہی لیکن قلعۂ معلی کا دائرہ تنگ بھی نہین، جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست بیان کا اعلی نمونہ پیش کیا، قلعۂ معلی کی زبان اور

خال اب نہ تہ زلف سیاہ فام دکھاؤ — تارا مجھے مت ایک سر شام دکھاؤ

نہین رخسار پر اس مہ جبین کے خال کا جل کا — خدا جانے کہ یہ کن تیرہ بختون کا ستارا ہے

خال رخ یار کا کشتہ ہون — لایا گردش مین ستارا مجھے

دیکھے ہے خال رخ یار کو یون طائر دل — دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہوا گیر کی آنکھ

سوئے صاد ہے چشم اس کی کہ جبین پہ ظفر — خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق

اے ظفر اس خال رخ پر بال نقوش کے نہین — من کو اپنے ہین یہ کالے لہر کھا کر کھیلتے

یہ سیاہی سے لکھا مضمون خال رخ ترا — ہے بیاض ماہ پہ تنویر مین لکھا ہوا

چشم یار کو ناسخ اور ظفر جام سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً

ناسخ: کر دیا ہی یاد چشم و گردن جانان نے مست — سامنے سے ساقیا اب شیشہ و ساغر اٹھا

ظفر: ہم کو اس دور مین ہو کیون طلب ساغر ہے — یہ تو جب ہو کہ تری نرگس مخمور نہ ہو

ناسخ: چشم ساقی سے نہ کیون عشق ہو میرے دل کو — کون شیشہ ہی بھلا جس کو نہین جام سے کام

ظفر: مجھے سوجھے ہے کیفیت جہان کی — وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

قامت یار پر ناسخ، آتش اور ظفر تینون نے طبع آزمائی کی ہے،

ناسخ: کون ہی جو نہین مرتا ہے تری قامت پہ — کیون نہ ہو سرو چمن قالب بیجان ہوتا

آتش: سرو گڑ جائین گے گل خاک مین مل جائینگے — پانون رکھے تو چمن مین وہ سرافراز اپنا

ظفر: صدقے اے رشک چمن اس قد موزون کے ترے — سیدھا دیا کوئی سرو چمن ہو وے تو ہو

نزاکت یار پر آتش و ظفر کی شاعرانہ تخیل دیکھیے،

آتش: وہ نازنین یہ نزاکت مین کچھ یگانہ ہوا — جو پہنی پھولون کی بدھی تو درد شانہ ہوا

ظفر: کیا نزاکت ہی کہ گل عکس در گوش سے آہ — یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے مین

ایک ایک شعر ملا،

آتش — کم نہین کالی گھٹا سے یار کی زلف سیاہ — دیکھ لے طاؤس کا فر کو تو چلانے لگے

ناسخ — ہمیشہ رہتی ہین زلفین عذار تابان پر — عجب ہے چاند کہ ہوتا نہین سحاب جدا

زلف یار کی ناگن، سنبل اور زنجیر سے تشبیہین آتش، ناسخ، اور ظفر کے یہان بکثرت ہین، مگر مندرجۂ ذیل اشعار ظفر کی ندرت تخیل اور جدت طبع کا نمونہ ہین، جو ناسخ اور آتش کے یہان نہین،

زلف یون روے عرق آلود پر لہرائے ہے — صبح جون ناگن گلون پر چاٹنے اوس آئے ہے

زلف یون چہرے پہ رہتی ہو ہوا سے اسکے — جس طرح مار سیہ کھائے ہو پل پاؤنکے بل

رخ گلنار پر تیرے کہان ہے زلف خم گشتہ — ہم اے بحر خوبی حلقہ گرداب و آتش ہے

اسکی زلف پہ عرق گرا یہ تر بن جائے گی — برق تو میری بھی آہ پہ شرر بن جائے گی

ہٹا دو زلف کو تم مصحف رخ سے غضب یہ ہے — کہ پھیلے سوئے قرآن پاؤن اس کج طبع کافر کے

خدا محفوظ رکھے اس صنم کی زلف سے دلکو — کہ یہ سیدھا مسلمان اور وہ کج طبع کافر ہے

زلف اس روے کتابی پہ ظفر — سورۂ واللیل ہے قرآن مین

مصحف رخسار پر کافر ترے گیسو ہین وو — ہے تماشا حافظ قرآن ہوئے ہندو ہین وہ

لٹکی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف — ایسا خط تعلیق مین بھی لام نہ پایا

"خال رخ یار" پہ ظفر نے جو مضمون بندی کی ہے، وہ بھی آتش اور ناسخ کے یہان نہین مثلاً

چشم مست بت مے نوش پہ یہ خال نہین — نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

خال ہے دنبالۂ چشم فسون گر کے تلے — نیلوفر کا پھول ہے یا شاخ عنبر کے تلے

خال رخ پر زلف کب یہان سر بسر جنبیدہ ہے — شاخ سنبل نیلوفر پہ یہ مگر جنبیدہ ہے

محاورات کو اپنی شاعری مین محفوظ کیا، اور اپنے زور طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہین کہہ سکتے ہین ؟

ظفر یہ ہم نے تیری سی سخنگوئی نہین دیکھی
سخن دان و سخن گو یون تو دنیا مین ہزارون ہین

بے شبہہ اس کی شاعری معائب سے خالی نہین، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے :-

کر سکے جو نے ظفر تیرے سخن پر اعتراض
آج کس اہل سخن کو اسقدر مقدور ہے

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہون، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہون گے، خصوصاً جب وہ اپنے رنج و الم اور اندوہ وغم کو بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے، اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہین، یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینون کی خاطر اشعار کہتا ہے تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہین اور خود اسکو بھی احساس تھا کہ مشکل قوافی اور زمینون مین اعلیٰ معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے
ظفر ہے تری غزل کی وہ سنگلاخ زمین

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلین لکھتا ہے، اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلی کرتا ہے،

کہ ایسی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو
جنھین سخن کا ہے دعویٰ ذرا کہو ان سے

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے،

شعر سنا دے اسکو ظفر اک اس مین کا اک اسمین کا
کوئی غزل پر اپنی جو نازان آگے تیری غزل کے ہو

یعنی ظفر خود اس کا خواہان تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی، اور نہ کوئی اس کا قدردان پیدا ہوا، کہ میر اور غالب کی طرح اس کے

آتش — نہ زیر نزاکت پری ہین دیکھی نہ حور ہین نزاکت آتش — جو ہار پھولون کا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا

ظفر — چہ قند اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس — بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہین، لیکن ظفر کے اشعار مین نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان مین تکلف تصنع اور آورد نہین، شاید اسی وجہ سے کہہ گیا ہو کہ

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن مین استاد — کیون نہ قائل ہون ترے ناسخ و آتش دونون

خاتمہ ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے بار خاطر ہو رہی ہو گی، مگر یہ طوالت شاید اس کا رد عمل ہے، کہ ظفر جس نے ہزارون اشعار لکھکر اپنے خون جگر کو کاغذ کے صفحون پر بہایا ہے اسکو یا تو عام طور پر ادنی درجہ کا شاعر یا ذوق کے خوان ادب کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے حالانکہ

انصاف ہی جب اہل سخن مین نہ ہو ظفر — چاہے سخن کی اپنے کوئی ان سے داد خاک

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہنچا جنھون نے اس کے کلام کے مجموعون کو "سرتاپا" ذوق کی طرف منسوب کر دیا اور ایک زمانہ تک اہل نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھکر قابل التفات نہین سمجھتے تھے لیکن ارباب نظر نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا، اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا مگر پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کے آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہل ذوق کی طبیعتین بھی بدل گئین، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پروازی، اور دونون کی دلنشین فارسی ترکیبون کے سامنے ظفر کی شاعری پھیکی اور بے مزہ ہو گئی،

ظفر کی شاعری مین غالب اور مومن کی معجز طرازیان گو نہ سہی لیکن قادر الکلامی کا دائرہ تنگ بھی نہین، جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست بیان کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، قلعہ معلیٰ کی زبان اور

شہزادے

ہندوستان مین تیموری سلطنت کے بانی یعنی بابر کی اولاد نرینہ مین ہمایون کے علاوہ آٹھ اور لڑکے پیدا ہوئے۔ کامران، عسکری، ہندال، الور، بابل، فاروق، شاہ رخ اور احمد جن مین موخر الذکر پانچ کا انتقال اسی کی زندگی ہی مین ہوگیا لیکن ہمایون، کامران، عسکری اور ہندال اس کے سامنے پروان چڑھے، اور اس کی علم پرور صحبت مین تعلیم و تادیب سے فیضیاب ہوئے، اس کی موت کے بعد اس کے لڑکون کو وراثت مین تنہا اس کی شجاعت، الوالعزمی او پامردی ہی نہین، بلکہ علم و ہنر کا شوق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا،

مرزا کامران بابر نے اپنی ہنگامہ پرور زندگی کے باوجود کامران کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لیے اپنی مشہور مثنوی مبین لکھی، اور اس کے ادبی مذاق کے لیے اپنی تزک اسکے مطالعہ مین دی، اس کے ذوق شعری کو فروغ دینے کے لیے اپنا منظوم رسالہ والدیہ اور اپنے اشعار تحفے مین بھیجے، اور پھر علم و ہنر کی چاشنی کیلیے جہان جہان گیا، وہان کے کتب خانون سے اس کے پاس کتابین بھیجین، چنانچہ بابر کی کوششین رائگان نہین گیئن، مرزا کامران سخن گوئی و سخن وری کا مالک بنا،

اس کا ایک **دیوان** زمانہ کی دستبرد سے معلوم نہین کیسے کتب خانہ خدابخش خان پٹنہ مین محفوظ رہ گیا ہے، اس مین مرزا کے ترکی و فارسی کلام ہین، ترکی مین ۳۳۵ غزلین، تین قطعے چھبیس رباعیان چودہ مثنویان، اور کچھ مفردات ہین، اسی طرح فارسی مین ۲۳ غزلین

دیوان سے بھی اچھے اور عمدہ اشعار منتخب کرکے ایک مجموعہ تیار کرتا، اب بھی اگر کسی صاحب ذوق کی کوشش سے اس کے دیوان کا انتخاب شائع ہو جائے تو یہ کہنے مین تامل نہ ہوگا کہ

پروئے تونے کیا تارِ سخن مین گوہرِ معنی   ظفرؔ تحسین کنان محفل مین ہین سب سے سخندان ہین

اور شاید یہ بھی کہ

ترا سخن وہ مزے دار ہے کہ حشر تلک   رہین گے اسکے ظفرؔ طبع نکتہ دان پہ مزے

گفتی کہ امشب دانم گر خوانم و گر رانم | من بندۂ فرمانم ہر نوع کہ فرمائی
گر دیر نشین سازد ور رہبر دین سازد | ما را بتو دیا را دور است توانائی
سودائے کسی دارد با زین سر بے سامان | جائے ہوسے دارد بازین دل ہرجائی

مرزا کے کلام مین اس قسم کے صوفیانہ جذبات کی کمی نہین، دیوان کا آغاز تو ایک ایسی غزل سے ہوا ہے جس مین شروع سے آخر تک صوفیانہ احساسات اور معتقدات ہین،

چون بمقصود نشد ہیچ کسے رہبر ما | بعد ازین خاکِ درِ پیر مغان و سر ما
کار ما چون ز در بستۂ زاہد نکشود | بو کزین پس ز خرابات کشاید در ما
بارگی سست و شب تیرہ و رہزن بکمین | وائی گر ہادی لطفت نشود رہبر ما
خو گرفتیم بدرد و غم عشقت، بفرست | دم بدم درد و غمے بر دل غم پرور ما
دہ کہ از شوق دلم می طپد و مضطربم | می رسد مژدۂ وصلی مگر از دلبر ما
کامران سوختم از آتشِ ہجرانِ کسے | کہ بکویش نرسد ذرۂ خاکستر ما

ایک رباعی مین بھی یہی خیالات موجزن ہین،

یارب نہ کرم دری بر ویم بکشای | زنگ غیر از دل حزینم بزدای
پیوند من از جملہ علائق بگسل | از ہر دو جہان سوی خودم راہ نمای

ایک قطعہ مین کچھ پند و موعظت بھی ہے،

اے برادر ز من شنو سخنے | کہ ازان بہرہ ور شوی شاید
دل بکار جہان منہ کہ ازان | بار غم بر دلِ تو افزاید
کار عقبیٰ بساز ور نہ ترا | کار و بار جہان چہ کار آید

کامران کی ہنگامہ خیز زندگی اور اس کا دردناک انجام نظر کے سامنے ہو تو یہ قطعہ

تین قطعے، چار رباعیاں، چار چھوٹی مثنویاں، اور ایک ساقی نامہ ہے، فارسی کلام کو پروفیسر محفوظ الحق صاحب مدظلہ (پریزیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کرکے ایک پرمغز مقدمہ کے ساتھ معارف پریس میں چھپوا کر شائع بھی کردیا ہے، جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

مرزا کے کلام میں گو مضامین کی جدت اور خیالات کی بلندی نہیں، لیکن تغزل کا پورا رنگ موجود ہے، مثلاً:۔

بار قیبان ہمدم و ہمراز دیدم یار را
یارب آسان کن بمن این حالت دشوار را

رہ چہ باشد بے قراران را بہ صبر و قرار
آنکہ می بخشد خرام آن سرو خوش رفتار را

در تکلم لعل او زینسان کہ می ریزد گہر
چون نگہ دارم ز گریہ چشم گوہر بار را

غیر جانان در جہان چیزی نبیند از دگر
ہر کہ بردارد ز پیش این پردۂ پندار را

کامران نامد مرا جز دوست چیزے در نظر
تا بکام خویش دیدم دولت دیدار را

اے قد رعنائے تو سرو گلستان حسن
روی دلآرای تو لالۂ بستان حسن

روی خوش ہوشت تازہ گل باغ لطف
سرو قد دلکشت نخل گلستان حسن

شمس و قمر را نماند، ماہ رخا رونقی
تا تو برآوردۂ سر ز گریبان حسن

مرزا جب عشق مجازی کے بجائے عشق حقیقی کی کیفیات منظوم کرتا ہے، تو اس کا کلام نسبتاً موثر ہو جاتا ہے، مثلاً

زینسا کہ جمال خود آراستہ می آئی
در زہد شکست آری در عشق بیفزائی

چون چہرہ بیارائی رخسارۂ برافروزی
خود گوئی کجا ماند آئین شکیبائی

گہ سر بگریبانم در ناظر خود بانم
در سینہ تو پنہانی در دیدہ تو پیدائی

از صفحہ رخسارت صد نکتہ بیاد آید
لے وائے از آن دوزی کان رانخط آرائی

ہر غباری کہ ز راہت خیزد — کحل چشم من محزون بادا

خاک کو از رہ لیلیٰ خیزد — جاے او دیدۂ مجنون بادا

بندۂ حلقہ بگوش تو چو من — صد چو دارا و فریدون بادا

ہر کہ گرد تو چو پرکار نگشت — او ازین دایرہ بیرون بادا

کامران تا کہ جہان راست بقا — خسرو دہر ہمایون بادا

ہمایون نے اس غزل کے صلہ مین کامران کو حصار فیروزہ انعام دیا[1]

مگر دونون بھائیون کی باہمی شفقت و محبت بہت دنون تک قائم نہ رہی، اپنے اپنے مصالح کی بنا پر دونون ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے، اور آپس کے نفاق سے دونون کو برے دن دیکھنے نصیب ہوئے، ہمایون کو اپنے باپ کی سلطنت سنبھالنی تھی، وہ چارون طرف سے دشمنون کے نرغہ مین گھرا ہوا تھا، اسے دشمنون کو پسپا کرنا، ان کے ملکون کو تسخیر کرنا اور تیموری سلطنت کی بنیاد رکھنی تھی، اسکو امید تھی کہ اسکے بھائی اس مصیبت مین اس کی غمگساری اور رفاقت

[1] اکبرنامہ جلد اول ص ١٢٥، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے تذکرہ ہفت اقلیم کے استناد سے لکھا ہے، کہ مذکورۂ بالا غزل کے علاوہ یہ غزل بھی اس موقع پر بھیجی تھی،

چشم بر راہ تو داریم شد ایامے چند — وقت آن شد کہ نہی جانب ما گامے چند

آنکہ ہرگز نفرستی سوی ما پیغامے چند — چہ شود گر کنم شاد بدشنامے چند

تا کے میل دلم را بہ رخت بے ثمر و — دولت وصل تو خواہم و لارامے چند

ہر صید دل ما دانۂ خال تو بس است — ہر دم از زلف منہ بر سر ما دامے چند

ما خرابانی و رندیم تو با ما منشین — حیف باشد کہ نشینی تو بدنامے چند

کامران این غزل نو بہمایون بفرست — باشد ارسال کند سوے تو انعامے چند

کتنا موثر اور عبرت انگیز ہو جاتا ہی، ایک مثنوی کی تمہید مین تو اس نے شاید اپنی زندگی کا مرقع ہی کھینچ دیا ہے،

تا چہ سازد جہان بے سر و بن　　غافل از مکر آسمانِ کہن

رفت کارم ز دست و دست از کار　　نیست کارم بغیر نالۂ زار

نے ز نخلِ امید من ثمرے　　نے ز تخم نشاط و عیش برے

بکشا ید دلم ز باغ و بہار　　نیست مقصود من ز جملہ نگار

اس کی تمنا تھی کہ

بیا ساقی آن مے کہ خامی دہد　　ز دنیا و عقبی خلاصی دہد

اور یہ پوری ہوئی، وہ دنیا کے ہنگامون اور آلودگیون سے کنارہ کش ہو کر ساقی حقیقی کے اصلی میخانہ مین مخمور اور سرشار ہو کر جان بحق ہوا، یعنی اسکی وفات مکہ میں ایام حج مین ہوئی،

مرزا کی شعر گوئی محض اس کی ذہانت و ذکاوت کا نتیجہ تھی، وہ حالات سے متاثر ہو کر شعر موزون کرتا، اور کبھی کبھی فی البدیہہ اور برجستہ کہتا تھا چند مثالین ملاحظہ ہون،

باپ کے مرنے کے بعد زمانہ کی عام روش کے مطابق وہ بھی تخت و تاج کا خواہان ہوا، بابر نے اپنی زندگی مین اس کو قندھار کی مملکت عطا کی تھی، لیکن اس کے مرنے کے ساتھ ہی سلطنت کی ہوس مین اس نے لاہور پر بھی قبضہ کر لیا، ہمایون نے اپنے باپ کی وصیت اور کچھ اپنے مصالح کی خاطر کامران کے خلاف کوئی جارحانہ تدبیر نہ کی، بلکہ ایک فرمان لکھکر اس کو کابل اور قندھار کے علاوہ پنجاب کا بھی مالک بنا دیا، کامران نے متاثر ہو کر شکستہ مین ہمایون کی خدمت مین مندرجۂ ذیل غزل پیش کی،

حسنِ تو دمبدم افزون بادا　　طالعت فرخ و میمون بادا

لیکن یہان اس کی امید بر نہ آئی اور اس کو ہر قسم کی ذلتین اٹھانی پڑین، سلیم شاہ نے پہلے اسکی علمیت کو نیچا دکھانے کی کوشش کی، تاریخ داؤدی ہے،

مرزا کامران ہمایون شاہ کے یہان سے بھاگ کر سلیم شاہ کے یہان پناہ گزین ہوا پہلی مجلس مین سلیم شاہ نے کامران مرزا کے امتحان طبع کے لیے تین شعر جن مین ایک اہل عراق کا، دوسرا فضلاے ہندوستان کا، اور تیسرا افغانستان کا تھا، پیش کرکے کہا کہ یہ اشعار کیسے ہین؟ کامران مرزا نے کہا کہ آپ شعر کی خوبی کے متعلق سوال کرتے ہین یا یہ پوچھتے ہین کہ یہ کس کے اشعار ہین؟ سلیم نے کہا کہ مین یہ جاننا چاہتا ہون کہ یہ تینون شعر کس کے ہین؟ کامران نے کہا کہ پہلا شعر جو آپنے پڑھا وہ عراق کے مغل کا، دوسرا شعر اہل ہند کا، اور تیسرا افغانی کا ہے، سلیم شاہ اور تمام حاضرین مجلس نے مرزا کامران کے فہم و فراست کی تعریف کی،

پھر بھی سلیم شاہ کے درباری اس سے تمسخر کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ اپنی ذہانت اور قوت گویائی سے ان کو خاموش رکھتا تھا، ملا بدایونی لکھتے ہین،

سلیم شاہ کبھی مرزا کو بلا کر مشاعرہ کرتا تھا، اور یہ صحبت بے لطفی سے گذرتی تھی، مرزا ان تکلفات اور تواضعات سے بہت تنگ آکر زندگی سے بیزار ہوگیا تھا، اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈھتا تھا، افغانی ہندی زبان مین اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور جب وہ دربار مین آتا تو وہ کہتے کہ مورو (مرغ) آرہا ہے، مرزا نے سلیم شاہ کے سامنے ایک مقرب درباری سے پوچھا کہ مورو کس کو کہتے ہین، درباری نے جواب دیا کہ جلیل القدر انسان کو کہتے ہین، مرزا نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو سلیم شاہ بڑا مورو ہے اور شیر شاہ اس سے بھی زیادہ، (منتخب التواریخ ج ۱ ص ۳۹۰)

کرین گے۔ لیکن کامران جس نے باپ کی ہمت مردانہ اور جوش عمل وراثت مین پایا تھا، باپ کے تخت و تاج کے حصول کیلئے کیونکر قسمت آزمائی نہ کرتا، چنانچہ وہ ہمایون سے الگ ہوکر اس کا حریف بن گیا، ہمایون نے شیر شاہ سے پے در پے شکستین کھائین تو کامران نے ان شکستون سے فائدہ اٹھانا چاہا، لیکن اپنی قسمت کے لکھے ہوئے کو کیونکر مٹا سکتا تھا، ہمایون جب تیرہ سال کی آوارہ گردی کے بعد اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی کے لیے لوٹا، تو پہلے اس نے اپنے بھائیون کے خلاف جنگ کی، کامران اس وقت کابل مین تھا، دونون بھائیون مین سخت جنگ ہوئی، کامران قلعہ مین محصور ہوگیا، مگر ہولناک جنگ جاری رہی، جب لڑائی طول کھینچی تو ہمایون نے بھائی کو ایک رقعہ لکھا، جس کو ابوالفضل نے اس طرح درج کیا ہے

اے برادر بدخواہ عزیز جنگ جو از تدبیر این کار (کہ باعث آزار و موجب قتل و آزار مردم بیشمار است) باز آئی۔ و بر مردم شہر و لشکر رحم نمائے، امروز این ہمہ مردم کشتہ می شوند فردائے قیامت،

بود خون آن قوم در گردنت　　بود دست آن جمع در دامنت
ہمان بہ کہ بر صلح رائے آوری　　طریق مروت بجائے آوری

مگر کامران نے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی مین سرشار ہوکر یہ شعر لکھ بھیجا،

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست　　کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار دہد[1]

اس جنگ مین کامران کو شکست ہوئی لیکن وہ شکست ماننے کو تیار نہ تھا، موقع موقع سے وہ ہمایون کے خلاف جنگ کرتا رہا، لیکن قسمت نے اس کا کبھی ساتھ نہ دیا، ایک بار شکست کھاکر سلیم شاہ سوری کے دربار مین پہونچا، وہان اس کو امید تھی کہ ہمایون کے خلاف اس کو امداد ملے گی

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۲۲۸

زقدر و شوکت سلطان نگشت چیزے کم　　ز التفات بہ مہمان سرائے دہقانی

کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید　　کہ سایہ بر سرش افگند چو تو سلطانی

ان کو سن کر ہمایون پر گریہ طاری ہو گیا،[1]

کامران کے لیے دنیا اور اسکی نیرنگیون مین اب کوئی دلچسپی باقی نہین رہی تھی، ہمایون جب کابل جا رہا تھا تو اس نے سندھ کے قریب حج بیت اللہ کی اجازت مانگی جو ملگئی، بھائی کو رخصت کرنے کے لیے ہمایون جب اس کے خیمے مین آیا، تو کامران کی زبان پر پھیر دو چبھتے ہوئے شعر تھے،

کلاہ گوشۂ درویش بر فلک ساید　　کہ سایہ ہمچو تو شاہے فگند بر سر او

بر جانم از تو ہر چہ رسد جائے منت است　　گر ناوک جفاست وگر خنجر ستم

ان اشعار کی خلش ابو الفضل نے بھی محسوس کی، وہ لکھتا ہے،

اگرچہ بیت ثانی جانب شکوہ دارد، اما سخن شناس دریابد کہ از شکایت لبریز است آنحضرت (کہ جہان مردی و مہربانی بودند) اینہا منظور نداشتہ رقتہا فرمودند"[2]

کامران اپنے بچون کو ہمایون کے حوالہ کرکے اپنی بیوی چوچک بیگم کے ساتھ حج کو چلا گیا، اور وہین زندگی کے بقیہ دن گذارے، تین بار حج کی سعادت سے مشرف ہوا، آخری بار جب حج کا فریضہ ادا کر رہا تھا، کہ منا کے میدان مین ۱۱ ذی الحجہ ۹۶۴ھ مین اپنے مالک حقیقی سے جاملا، کامران کی موت پر قطعۂ تاریخ متعدد شعرا نے لکھا ہے،[3] مگر ملا بدایونی کو کامران کی ذات

---

[1] فرشتہ ص۲۴۳ ج ۲ نولکشور پریس، [2] اکبر نامہ جلد اول ص۳۳۳ [3] مولانا قاسم کاہی نے مندرجہ ذیل قطعہ لکھا،

کامران آنکہ بادشاہی را　　کس نبود ست ہمچو او در خرد

شد ز کابل بکعبہ و آنجا　　جان بحق داد و تن بخاک سپرد

(باقی حاشیہ ص۳۸۴)

ایک موقع پر سلیم شاہ نے کامران کو اپنا شعر سنانے کو کہا، کامران نے جل کر برجستہ یہ شعر پڑھا،

گردش گردون گردان گردنان را گرد کرد | بر سر اہل تمیزان ناقصان را مرد کرد

سلیم شاہ بہت خفیف ہوا، ملا بدایونی لکھتے ہین کہ

سلیم شاہ فحوائے کلام را دانستہ واین ادا را فرو بردہ بمو کلان پنہانی حکم فرمود تا مرزا چشم بند نگاہ دارند[۱]

کامران یہان سے نکلا تو ادہر ادہر بھٹکتا رہا، کابل جا رہا تھا کہ ہمایون کے آدمیون کے ہاتھون گرفتار ہوا، کامران نے بے بس ہو کر ایک عرضداشت لکھ بھیجی،[۲] لیکن اس کے دن پورے ہو چکے تھے، اس کا وہی حشر ہوا جو تیموری سلطنت کے ہزیمت خوردہ دعویدارون کا ہوا یعنی اس کی آنکھون کی روشنی زائل کر دی گئی، جب اس نعمت سے وہ محروم ہو گیا تو اس کا محبوب غلام بیگ ملوک اس کے پاس آیا، وہ اس کے ہاتھون کو اپنی آنکھون سے لگاتا اور یہ شعر پڑھتا تھا،

ہر چند کہ چشم بخت پردہ کشیدہ است | بیناست بچشمی کہ بروی تو دیدہ است

کتنا حسرتناک شعر ہے، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایون بھی اس کا عبرتناک انجام دیکھنے آیا، وہ جب اس کے پاس پہنچا، تو کامران نے استقبال مین یہ شعر پڑھے،

---

[۱] منتخب التواریخ ج ا ص ۳۹۔ [۲] پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مسٹر بیورج کے ایک مضمون (جرنل آف رائل ایشاٹک سوسائٹی لندن بابتہ سنہ ۱۹۰۲ء ص ۱۲۲ - ۱۱۵) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس عرضداشت کے ساتھ کامران نے معذرت مین ایک غزل بھی بھیجی تھی، مسٹر بیورج کو یہ غزل اکبر نامہ کے ایک قلمی نسخہ بلگرام مین ملی تھی، لیکن افسوس ہے کہ مسٹر بیورج نے اس غزل کو اپنے مضمون مین نقل نہین کیا، اور نہ یہ غزل اکبر نامہ کے مطبوعہ نسخہ مین موجود ہے،

صاحب ہفت اقلیم کہتا ہے :-

مرزا کامران در مضمار شاعری پہ دو مرکب سواری نمودہ"

نواب حسین قلی خان عشق مولف تذکرہ نشتر عشق نے لکھا ہے :

"طبع لطیف و معنی یاب داشت"

اس کے بعد مرزا کی موت پر جو قطعۂ تاریخ درج کیا ہے، اس مین بھی اسکی شعرگوئی کے سلیقہ کی داد ہے ۔

اختر برج سخن آن نکتہ دان — وہ چہ شام ازاین جہان شد رہگرائے

از سر جاہش بگفتم سال فوت — کامران آسودہ در فردوس ہائے

مجمع النفائس کے مولف نے مرزا کامران کے حسب ذیل اشعار کو خاص طور سے پسند کیا ہے :

بازو امان خود آن سر بیالا زدہ است — کس بدامانش مگر دست تمنا زدہ است

عیب ما چند کنی قصہ صنعان بشنو — کہ بیک جلوہ رہش دختر ترسا زدہ است

سوئے مقصد نشد از ہیچ کسے رہبرما — بعد این خاک در پیر مغان و سرما

صاحب مخزن الغرائب لکھتے ہین

وے طبع موزون داشتہ و شعری چون در مکنون

صبح گلشن مین ہے :

طبع مستقیمش لطائف سخن را پشت و پناہ

دیوان کامران کے مرتب پروفیسر محفوظ الحق صاحب رقمطراز ہین :

مرزا واقعی غزل گو ہے ۔ اور جو کچھ اس نے کہا تھا، اس کے کلام مین صفائی او

سے شاید بڑی دلچسپی تھی، انھون نے خاقانی کے رنگ مین اس کا ماتم کیا ہے،

هرگز بباغ عهد گیاهے وفا نکرد | هرگز زشست چرخ خدنگے خطا نکرد
خیاط روزگار ببالائے هیچ کس | پیراهنے نه دوخت که آنرا قبا نکرد
نقدے نه داد دور که آنرا بدل نشد | زرے نیاخت دهر که آن را دغا نکرد
گردون در آفتاب سلامت کرا نشاند | کورا چو صبح روشن اندک بقا نکرد
خاقانیا بچشم جهان خاک در فگن | کو درد چشم دیده ترا و دوا نکرد[1]

مرزا کی شعرگوئی کی تعریف ہر زمانہ کے مورخون اور تذکرہ نویسون نے کی ہے،

بدایونی نے لکھا ہے

"همیشه با علما و فضلا صحبت می داشت و اشعار او مشهور است[۵۲]"

داؤدی مین ہے،

مرزا کامران در شعر آرائی و سخن فهمی طبیعت درست داشت

بقیہ حاشیہ ص۳۸۳) گفت تاریخ او چنین کاهی | پادشه کامران بکعبه مرد

ویسی نے لکھا

شه کامران خسرو نامدار | که در سلطنت سر بکیوان رساند
مجاور شد اندر حرم چار سال | بکلی دل از قید عالم رهاند
ز بعد وقوف حج چار مین | باحرام حج جان بجانان فشاند
چو در خواب ویسی درآمد شبے | عنایت نمود و بسوی خویش خواند
بگفت از پے سندت از فوت ما | بگو شاه مرحوم در مکه ماند

[1] بدایونی ج ا ص۴۵۲ ۳۵۲ ایضاً

قتل کر دیا گیا، فرشتہ کی روایت ہو کہ قتل کے وقت اس کی زبان پر یہ شعر تھا،

فلک بکشتن من این قدر شتاب مکن   بخواہم از ستمت مرو اضطراب مکن[1]

اس کے بعد مرزا کامران کی کوئی اولاد نرینہ نہ رہی، اس لیے کسی نے اس کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا،

نماند از کامران نام و نشانی[2]

عسکری و ہندال معاصر مورخون نے عسکری و ہندال کا ذکر شعرا کی حیثیت سے نہین کیا ہے، لیکن بعض تذکرون مین ان دونون کے نام شاعرون کی فہرست مین داخل ہین مخزن الغرائب مین ہندال کی ایک رباعی ہے، جو ندرت کے لحاظ سے خوب ہے،

زان قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری   از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری

تا بر رخ گل چکاند از رشک پری   حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری

اسی مین عسکری کے مندرجۂ ذیل اشعار منقول ہین،

چنان بجز و شدم از دوری آن گلعذار امشب   کہ ہر دم گریہ بارد میدہد بے اختیار امشب

چنین کہ خوے گرفتم بآشنائی تو   ہلاک می کندم آن قدر جدائی تو

گوشہ میخانہ جائے دلکشائی بودہ است   بے تکلف گوشہ میخانہ جائے بودہ است

اے عسکری ار مست مدامی خوش باش   در معتقد بادہ و جامی خوش باش

گفتی بخرابات نباشم بے او   با یار اگر درین مقامی خوش باش

شاہ ابو المعالی ہمایون کی اولاد نرینہ مین اکبر کے علاوہ حکیم مرزا بھی تھا، اس شہزادہ کے ذوق علم کا ذکر معاصر مورخون نے نہین کیا ہے، لیکن ہمایون کا ایک داماد یعنی جوجک بیگم

---

[1] فرشتہ صفحہ ۲۴۴ نولکشور پریس [2] ریاض الشعرا،

سلاست کافی حد تک ہے، گو خیالات مین کوئی ندرت نہین، اور نہ کلام مین چندان پختگی معلوم ہوتی ہے، لیکن طرز ادا قابل ستایش و داد ہے، کلام برجستہ و بے تکلف اور نمکین ہے، اور بعض اشعار مین تصوف کی بھی چاشنی ہے۔[1]"

مرزا ابو القاسم شوکتی مرزا کامران کی اولاد نرینہ مین مرزا ابو القاسم بھی باپ کی طرح شاعر ہوا، شوکتی تخلص رکھتا تھا، ہفت اقلیم کا مؤلف اس کو فطین و ذکی بتاتا ہے، اس کے اصلی الفاظ یہ ہین:

"مرزا ابو القاسم در غایت فطنت و ذکا، در نہایت ملاحت و صفا، .... بشعر گفتن میلی تمام داشتہ و بسخن نیک می رسید، و شوکتی تخلص می کرد این دو بیت مراد راست"

یار ہر شانہ کہ در زلف سمن ساز زدہ است
نشتر غم بدل غم زدہ ما زدہ است

قصد کشتن من این قدر شتاب مکن
بخواہم از سمت مرد اضطراب مکن[2]

ریاض الشعراء کا مصنف لکھتا ہے کہ

"رخسارۂ عالش بزیور دانش و کمال آراستہ و پیراستہ بود[3]"

صبح گلشن مین ہے،

در بزم و رزم بہیبت و شوکت قدم می گذاشت[4]

مرزا ابو القاسم اکبر کے حکم سے قلعہ گوالیار مین مقید رہا اور آخر مین اس کے حکم سے

---

[1] دیوان مرزا کامران مرتبہ پروفیسر محفوظ الحق صاحب، (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ)

[2] ہفت اقلیم قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی [3] ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔ [4] صبح گلشن ص ۲۳۹

لگے۔ نوعی تخلص رکھا، اشعار خواص و عوام مین مقبول ہونے لگے،

رفتہ رفتہ بہ تقریبے بہ سمع مبارک شاہزادہ عالی جاہ شاہزادہ دان (یعنی دانیال)

شاہ رسید آن **قدردان نکتہ سنجان** از روے خواہش نوعی را از مرزا یوسف خان

گرفتہ داخل بساط بوسان محفل حشمت و شوکت خود گردانیدہ.......... چون

داخل مداحان آن شہزادہ عالی مقدار گردید، قصائد غرا در مدح آن جوان بخت

عالی تبار گفت [1]،

مآثر رحیمی کا مولف لکھتا ہے،

بیت

شاہزادہ مومی الیہ (یعنی دانیال) راصحبت مولائی مذکور پسند افتادہ در ترقی و تر

اورا کوشیدند و سر بے نیازی اورا فرق فرقد سای گردانیدند [2]"

دانیال کی فرمایش پر ملا نوعی نے ایک مثنوی "سوز و گداز" لکھی جس مین ایک ہندو

عروس کے عشق کا قصہ مرقوم ہے، عورت کا شوہر بیاہ کے دن ایک چھت کے گر جانے سے

دبکر مر گیا، وہ ستی ہونے چلی، تو اکبر نے اس کو روکنا چاہا، لیکن شوہر کے عشق مین وہ آگ

مین کود پڑی، اسی واقعہ کو نوعی نے دانیال کی فرمایش سے منظوم کیا ہے،

نوعی کا قابل فخر کارنامہ "ساقی نامہ" ہے، جس کے صلہ مین مرزا عبد الرحیم خانخانان نے

اس کو دس ہزار روپے اور ہاتھی گھوڑے عنایت کیے تھے، اس ساقی نامہ مین سات سو اشعار

تھے، ابتدائی حصے ملاحظہ ہون،

توئی اولین پیر میخانہا   بیاد تو شبگیر پیمانہا
زنامت کرنگ لب و آبروست   لب لعل پیمانہ لبیک گوست

---

[1] میخانہ مولفہ ملا عبد النبی مرتبہ پروفیسر محمد شفیع [2] مآثر رحیمی جلد ۳ عدد ۶۳،

کی لڑکی اور مرزا حکیم کی بہن فخرالنسا کا شوہر میر شاہ ابو المعالی ایک خوش مذاق شاعر تھا، اور شہیدی تخلص کرتا تھا، مآثر الامرا مین ہے،

"شاہ ابو المعالی خوش طبع و سلیقہ بشعر موافق داشت"[۱]

مرزا دانیال | اکبر کے تین لڑکے تھے، سلیم، دانیال اور مراد، جن مین دانیال فارسی اور ہندی کا شاعر تھا، اس کے ذوق شعری کا ذکر کرکے جہانگیر نے اپنی تزک مین لکھا ہے کہ

"بہ تفنگ و شکارے کہ بہ تفنگ کنند میل تمام داشت، یکے از تفنگہاے خود را یکہ وجنازہ نام نہادہ بود، این بیت راخود گرفتہ فرمودہ کہ بر آن نقش کنند"

از شوق شکارے تو شود جان تروتازہ
بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ وجنازہ

اس کی ہندی شاعری کے بارے مین وہ رقمطراز ہے،

"بہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بزبان اہل ہند و باصطلاح ایشان شعرے می گفت بد نبودے"[۲]

دانیال کے دربار مین شاعرون کا ایک مجمع رہتا تھا، انہی مین ملا محمد رضا نوعی (المتوفی سنہ ۱۰۱۹ھ) اور میر حسین کفری تھے،

ملا رضا **نوعی** خبوشان (خراسان) کے رہنے والے تھے، صغرسنی مین باپ کے ساتھ ہندوستان آئے، مگر تھوڑے دنون کے بعد وطن واپس چلے گئے، باپ کی وفات کے بعد پھر ہندوستان آئے، اور مرزا یوسف خان کے دربار مین ملازم ہوئے، اس کے ساتھ کشمیر گئے تو وہان کی بہشت زار مین ان کی طبیعت مین بھی رنگ و بو پیدا ہوا، اور طبع آزمائی کرنے

---

[۱] مآثر الامرا مین جلد سوم ص ۱۹۱ و ۱۹۶، نیز حالات کے لیے دیکھو اکبرنامہ ج ۲ ص ۱۹۸ و ۲۰۷، طبقات اکبری جلد ۲ ص ۶۹ و ۱۶۵، منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۴۳ - ۵۷، [۲] تزک جہانگیری ص ۱۷، نولکشور پریس

دلاویز انداز مین اس طرح پیش کرتے ہین،

"حج سے واپس آکر اس نے مراد کے دربار مین رسائی حاصل کی، اکبر نے شہزادہ مراد کو دکن کی مہم پر بھیجا تھا، وہ ان اطراف مین فوجین لیے ہوئے پڑا تھا، نظیری چلتا پھرتا اس طرف جا نکلا، دربار مین جانا چاہتا تھا کہ راہ مین ایک قدردان سخن کی نظر پڑ گئی، اس نے بڑھ کر کہا کہ خوب موقع پر آئے، نوروز کا جشن ہے قصیدہ لکھکر پیش کیجئے، خود جاکر شہزادہ سے تقریب کی، چوبدار آکر لوا گیا، دربار مین سجدہ بجا لانے کا دستور تھا، لیکن دربار کی شان وشوکت دیکھکر نظیری کے حواس جاتے رہے، اس لیے آداب اور آئین سب بھول گیا، نقیبون نے باز پرس کی تو جواب دیا کہ مین نے آجتک یہ شان وشوکت نہیں دیکھی تھی، اس لیے حواس ٹھکانے نہ رہے، یہ تمام واقعات نظیری نے خود قصیدہ مدحیہ مین لکھے ہین" (شعر العجم جلد سوم ص۱۳)

اس قصیدہ کے خاص خاص اشعار یہ ہین

دران بساط کہ بر خود مرا شعور نبود
زدور دیدہ دانا دلے بمن افتاد

بمہر گفت کہ اے زیب بخش مجمع انس
بیا بیا کہ بوقت آمدی مبارکباد

بساط مجلس وآئین جشن فرور دی است
تو نیز جلوہ آئین نظم خواہی داد

ہمین و دید و بگفت وہنوز پیدا بود
کہ تند غرید کزین قطرہ گرد دریا باد

چنان بپایہ دولت قدم شتاب زدہ
کہ چند بار سرم در مقام پا افتاد

زبسکہ تیز بہ آن بارگاہ در رفتم
ادب ز پایہ خود پاے بر فرازنہاد

ز دلفریبی آئین و فر سلطانی
بگاہ تہنیتم رسم سجدہ رفت از یاد

چو خوب رسم ادب را بجا نیاوردم
ندا رسید کہ اے روستاہی مادرزاد

بیا بوسس نام تو در انجمن | کند شیشہ را می زبان در دہن
زنامت کہ پیمانہ ہر لبست | صراحی زمی پای تا سر لبست
بجوزی کہ منظور ہر محفل است | ز بزم تو بوے کباب دلست
صبوح چمن کافرین خوان تست | شکر خندہ بزم مستان تست
توئی مجلس آرای ہشیار و مست | چو گل بر سرو ہم چو ساغر بدست
ز بزمت کہ شد صبح دل شام او | چراغیست خور کرد گل نام او
گل و بادہ انشاء گر راز تست | شب و روز زیر و بم ساز تست

میر حسن کفری خراسان کا رہنے والا تھا، تیموریوں کی علم نوازی کا شہرہ سنکر ہندوستان آیا اور شاہزادہ دانیال کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی، مآثر رحیمی میں ہے،

مدتے ملازم شہزادہ خورشید لوا شاہزادہ دانیال شد، در ملازمت آن شاہزادہ بختیار کمال تقرب و نزدیکے بہم رسانید و قصائد غرا بمدح آن شاہزادہ گفتہ۔

شاہزادہ کی وفات کے بعد عبدالرحیم خانخاناں کی زرپاشیوں سے متمتع ہوا،[5] عبدالرحیم خانخاناں کی شان میں بہت سے قصیدے اور رباعیاں لکھیں، ان میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے، جس سے اس کے کلام کا اندازہ ہوگا،

اے گوہر خور ز آئینہ بار گہت | دین ظلمت شب نشان گرد سپہت
یعقوب ز مصر و موسی از طور نیافت | آن بہرہ کہ من یافتم از خاک رہت

مراد — اکبر کے چھوٹے لڑکے شہزادہ مراد کے دربار میں بھی شعر و سخن کا چرچا رہا، نظیری نیشاپوری کی رسائی جب اس کی محفل میں ہوئی، تو اس کی تصویر مولانا شبلی اپنے

---

[5] مآثر رحیمی ص ۸۰۷ جلد سوم

ولد شاہ قلی سلطان بدخشی شکیل، جمیل، متواضع، اور خاکسار ہونے کے علاوہ شعر و شاعری اور تاریخ و سیر سے بھی ذوق رکھتا تھا، ملا عبد القادر بدایونی کو اس سے بڑی محبت تھی اور اس کے حسب ذیل شعر کو خاص طور سے پسند کیا ہے۔

برہگذار تو چون خاک رہ شدم ترسم — کہ نگذری بمن و بگذری براہ دگر[1]

پرویز جہانگیر کے لڑکون مین شہزادہ پرویز نے بھی شعر و شاعری اور علم و فن کی محفل سجائی، اس کے دربار کے بعض شعراء و فضلا حسب ذیل تھے،

حکیم فغفوری گیلانی، نام محمد حسین، مولد لاہجان تھا، اس لیے فغفوری لاہجی بھی کہلاتا تھا پہلے سمی پھر فغفوری تخلص رکھا،[2] ہندوستان آیا تو پرویز کے دربار کو اپنے فضل و کمال سے رونق بخشی اور اس کی شان مین بہت سے قصائد کہے، طب، ریاضی، موسیقی اور شاعری مین "یکتائے روزگار" سمجھا جاتا تھا، میخانہ مین ہے:

حکیم فغفوری یگانۂ سخن سرایان دہر و نادرۂ صیرفیان این عصر است .... از اکثر ناظمان نامی این عہد ممتاز در شعر فہمی و تازہ گوئی بے انباز بود" (ص ۳۳)

اس دیوان مین قریب پانچ ہزار اشعار تھے، ساقی نامہ کے طرز پر ایک ترجیع بند لکھا ہے، جس کی ابتداء مین اپنے زور بیان کا مظاہرہ اس طرح کیا ہے،

ساقی بدہ آن بادہ کہ خورشید شرار است — چون آتش گل ریزبدامان بہار است

آن آتش بے دود کہ موسیش مجوسیت — وآن نور فروزندہ کہ سوزندۂ نار است

چون غنچۂ جامش ز دم شیشہ بخندد — گوئی کہ لبالب و بنہش ز لب یار است

آنجا کہ رسن تاب شود گیسوی تا کش — صد مست چو منصور بخمیازہ دار است

---

[1] بدایونی جلد سوم ص ۳۳۲، [2] مخزن الغرائب،

بساط عرش و تجبر، ترا چہ پیش آمد | حریم کعبہ و غفلت، ترا چہ حال افتاد
جواب دادم و گفتم بجرم معذورم | کہ تا منم بچنین درد مبتلا نگشتم شاد

نظیری کو شہزادہ مراد سے بڑا قلبی تعلق تھا، شہزادہ کی موت پر اس نے بڑی دلسوزی کے ساتھ مرثیہ لکھا ہے،

اے بزم تیرہ رخ چون ارغوان کجا ست | مے رزم در ہے شہ گیتی ستان کجا ست
شوق سجود و حرمت تعظیم کمتر است | آن ناز صدر و سرکشی آستان کجا ست
برگ دشگوفہ ریخت، ثمر از کجا خورم | بشکست شاخ برگ، مرآشیان کجا ست
کس را سرود در خور این تعزیت نبود | پیدا کنید کا دل این داستان کجا ست
حلقے بہ شیون اند، دنگو ئید حال چیست | صبر سخن شنیدن و تاب بیان کجا ست

آفاق در مصیبت او ممتحن شدہ
این مرگ باعث الم مرد و زن شدہ

غم خاست، در پیالہ مے از ساغر افگنید | شد بزم تیرہ پردہ ازان رخ برافگنید
شمعے کہ دہر روشن ازو بود، مردہ است | پروانہ را بریدہ بجا کستر افگنید
در بزم او ز حلقۂ ماتم خرام نیست | این حلقہ را ز صحن سرا بر در افگنید
ریحان جلوہ، یاسمن عشوہ، ریختہ | چینید دہم بران قدحان پروا افگنید
رفت آن کسے کہ تاج باد سرفراز بود | بر سر کنید خاک و کلاہ از سر افگنید

خیزید تا بہ آن سر تابوت دم زنیم
عرضی کنیم و کار دو داغش ابسم زنیم

نظیری نیشاپوری کے علاوہ مراد کے دربار سے مرزا لعلی بھی وابستہ تھا، مرزا لعل بیگ لعلی

اور رستم مرزا کے خوان کرم کی ریزہ چینی کرنے کے بعد پٹنہ میں شہزادہ پرویز کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی، اور کچھ مدحیہ اشعار کے ساتھ ایک ساقی نامہ اس کی خدمت میں پیش کیا جس کو اس کی مجلس کے تمام شرکاء نے بہت پسند کیا، شہزادہ نے میخانہ کے مؤلف ملا عبد النبی قزوینی سے اس ساقی نامہ کو میخانہ میں درج کرنے کے لیے خاص طور پر فرمائش کی، اس کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

دلا مژدہ کام دل نو روز ما ست	مے ارغوانی دل افروز ما ست
شدہ رشک جنت گلستان ما	بہشت برین گشتہ بستان ما
نخواہیم جامے بجز جام مے	نجوئیم نامے بجز نام مے
چہ گو، آنکہ میخانہ اش جان بو	چہ مے آنکہ ...... مستان بو
بمن دہ کہ ہمرنگ مستان شوم	چو آتش سراپا گلستان شوم[1]

خود میخانہ کا مؤلف ملا عبد النبی فخر الزمانی قزوینی بھی شہزادہ پرویز کی علم نوازی کا معترف تھا، ملا عبد النبی ملازم تو مرزا امان اللہ امانی، مرزا نظامی اور سردار خان کے رہے، لیکن وہ اپنے ولی نعمت مرزا نظامی کے قیام پٹنہ کے زمانہ میں شہزادہ پرویز کی شعر و شاعری کی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے، چنانچہ اپنی تصنیف میخانہ میں شہزادہ کی جا بجا مداحی کی ہے :

شہی کز مہر او دلہاست لبریز	پناہ بے پناہا شاہ پرویز[2]
فخر ملکان و شاہ شاہان	سلطان زمانہ شاہ پرویز[3]

ملا عبد النبی کی سب سے اہم تصنیف میخانہ ہے جس میں شعرائے متقدمین و متاخرین کے حالات کے ساتھ ان کے ساقی نامے درج ہیں، ہندوستان

---

[1] میخانہ ص ۴۹۴۔ [2] ر ص ۳۳۵۔ [3] ر ص ۴۶۳

موج قدحش دل برد از دست حریفان | چون طرهٔ پرتاب که بر روی نگاراست
خم کوی صلاحست می آتش زده در وی | نی خشت بود بر سر خم سنگ فراز است
آن روز که از مشرق خم مست صبوحیم | روزش نشماریم اگر روز شمار است
آن را که نظر نیست بر آئینہ جامش | بر آئینہ دیدهٔ او نور غبار است
بر خاست دل ما ز جہان تا بخم افتاد | از غرقه این بحر دو عالم بکنار است

ما دجلهٔ کشتی یاد گرفتیم ز استاد
ما را خط بغداد بداز خطهٔ بغداد

ریاضی میں اس کی ایک مفید تالیف "رسالہ اصابع" ہے۔[1]

میر ملکی قزوینی، اس کا باپ میر ظہیر الدین ابراہیم قزوین کے معزز لوگوں میں سے تھا، ملکی قزوینی اکبر کے جود و سخا کی شہرت سنکر ہندوستان آیا، اور شاہی دربار سے وابستہ ہوا، اکبر کی وفات پر اس نے جو مرثیہ لکھا تھا، وہ بہت مقبول ہوا، اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

واویلا ے روزگار و مدار زمانہ رفت | امروز کہ خدای جہان از میانہ رفت
آئینہ دار دیدهٔ اہل نظر گذشت | رونق فزای دفتر این کارخانہ رفت
سنگی رسید و شیشهٔ اہل وفا شکست | دردا کہ باعث سخن عارفانہ رفت
شایستهٔ شہی و سزاوار سروری | مسند نشین انجمن اکبرانہ رفت

زد سکہ بر سر زر خورشید خاوری
بر چرخ برد سکہ اللہ اکبری

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر پھر اس کے بعد امرا میر معز الملک، مہابت خان، خان جہان

---

[1] فہرست کتبخانہ شاہ اودھ ۱۰۰، اسپرنگر صفحہ ۲۵۹۔

علمی کمالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرین گے،[1] مگر اس کی تصانیف کی تاریخ وار ترتیب سے ناظرین کو خود اندازہ ہو جائے گا، کہ وہ کس طرح رفتہ رفتہ صحیح اور خالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف اور پھر ہندو مذہب کی طرف مائل ہو گیا،

۱- **سفینۃ الاولیا**، دارا کی یہ پہلی تصنیف ہے کہ جو اس نے اپنی عمر کے پچیسوین سال ۱۰۴۹ھ مین لکھی، اس کتاب کے شروع مین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے، اور پھر خلفائے راشدین، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ائمہ کے مناقب ہین، اس کے بعد اولیاء اللہ کے احوال ہین، جن مین قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، کبرویہ اور سہروردیہ سلاسل کا ذکر خاص طور پر ہے، ایک باب مین متفرق سلسلون کے صوفیائے کرام کے بھی کچھ حالات ہین، آخر مین ازواج مطہرات، اور بنات طاہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان خواتین کا ذکر ہے، جنھون نے راہ سلوک مین کمال حاصل کیا، یہ کتاب مختلف مطبعون مین چھپ گئی ہے، ۱۸۵۳ء مین مطبع سدرا آگرہ سے ایک انگریز مسٹر بیل کے اہتمام مین جو نسخہ شائع ہوا تھا، اس کے صفحات کی تعداد ۲۱۴ ہے،

دارا شکوہ، نفحات الانس، کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیاء، اور طبقات سلطانی وغیرہ جیسے تذکرون سے مطمئن نہ تھا، کیونکہ اس کے خیال مین ان کتابون مین صوفیائے کرام کے حالات سلسلہ بہ سلسلہ علیحدہ علیحدہ منقول نہ تھے، اور نہ ان کی پیدائش اور وفات کی تاریخ کی تفصیل بھی اطمینان بخش تھی، اس لیے ان خامیون کو سفینۃ الاولیا، لکھکر پورا کیا،[2] تمام تذکرون

[1] دارا شکوہ کی ایک تصنیف مجمع البحرین کو پروفیسر محفوظ الحق (پریذیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کیا ہے، اور اس کے دیباچہ مین دارا کی تصنیفات اور تراجم پر بڑی محنت و کاوش سے ایک انگریزی مقالہ لکھا ہے، جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین نے بھی مقدمۂ عالمگیر مین دارا کی تصانیف پر بحث کی ہے، [2] سفینۃ الاولیا مطبع سدرا آگرہ ۱۸۵۳ء، دیباچہ

کے مایۂ ناز اہل علم جناب محمد شفیع صاحب (سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور) نے بڑی محنت سے اسکو اڈٹ کرکے شائع کیا ہے
ملا عبدالنبی کی دو اور کتابین بھی ہین، ایک دستور الفصحا جو قصہ گوئی کے آداب پر قصہ خوانون کے لیے
ایک دستور العمل ہے، دوسری نوادر الحکایات یا بحر النوادر جس مین کچھ قصے تھے،

علما وفضلا مین مرزا عبداللہ اور مرزا محمد قاسم گیلانی پرویز کے دربار سے وابستہ تھے، مرزا عبداللہ نیشا پور سے ہندوستان آئے، مرزا محمد قاسم معقولات ومنقولات کے عالم تھے، ہندوستان آکر پہلے عادل شاہی دربار کے امیر الامرا شاہنواز خان شیرازی کے یہان رہے، پھر عبدالرحیم خانخانان کی فیاضیون سے متمتع ہوئے، شہزادہ پرویز نے بھی ان کو اپنے یہان بلاکر رکھا، اور ان کو انعام واکرام سے سرفراز کرتا رہا[۱]، جہانگیر کے دربار مین بھی ملازم رہا جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے،

شہریار جہانگیر کا لڑکا شہزادہ شہریار بھی شاعر تھا جنگ جانشینی مین جب اس کو شکست ہوئی، اور اس کی آنکھون کی بصارت زائل کردی گئی، تو قید خانہ مین اسنے اپنے حسب حال یہ دو شعر کہے، جس سے اس واقعہ کی تاریخ بھی نکلتی ہے،

ز نرگس گلاب ار چہ نتوان کشید ۔۔۔ کشیدند از نرگس من گلاب
چو پرسد کسے از تو تاریخ من ۔۔۔ بگو کور شد دیدہ آفتاب[۲]

دارا شکوہ علمی حیثیت سے تیموری شہزادون کا گل سرسبد دارا شکوہ تھا، وہ ایک باکمال مصنف، شاعر، اور خطاط تھا، اس کو شروع مین تصوف اور بعد مین ہندو مذہب سے گہرا شغف ہوگیا تھا، نثر مین اس کی تصانیف ان ہی دو موضوعون پر ہین ان تصانیف سے دارا شکوہ کے جن مذہبی اعتقادات اور صوفیانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے ان پر بحث کرکے ہم ناظرین کو اس کی جانب سے بدظن کرنا نہین چاہتے، بلکہ صرف اس کے

[۱] مزید حالات کے لیے دیکھو مآثر رحیمی جلد سوم صفحہ ۳۹، [۲] ید بیضا، ورق ۱۹

دارا نے راہ سلوک کی منزلیں جسطرح طے کیں، اس کا حال اس طرح لکھتا ہے:

جمعرات کے روز چوبیس سال کی عمر میں خواب میں فرشتہ نے مجھے آواز دی اور چار مرتبہ کہا "تجھے اللہ تعالیٰ ایسی چیز عنایت کرے گا، جو روئے زمین پر کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی" نیند سے بیدار ہو کر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس قسم کی سعادت البتہ عرفان ہو گی، اور بے شک اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ دولت بخش دے گا، ان اللہ غفور رحیم، میں ہمیشہ اس دولت عظمیٰ کا طالب رہا، یہاں تک کہ ۲۹ ماہ ذی الحجہ ۱۰۴۹ھ کو ایک دوست خدا کی صحبت میں پہنچا، وہ مجھ پر نہایت مہربان ہوا، جو بات دوسرے لوگوں کو ایک مہینہ میں حاصل ہوتی تھی، وہ مجھے پہلی رات میں مل گئی، اور جو کچھ دوسرے ایک سال میں حاصل کرتے تھے، مجھے ایک مہینہ میں حاصل ہو گئی، جہاں اور کوئی طالب سالہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے پہنچتا، میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بغیر ریاضت یک بارگی پہنچ گیا، دونوں جہان کی محبت میرے دل سے اٹھ گئی اور فضل و رحمت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے، اور جو میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا" (ص)

گو ہم دارا کے صوفیانہ عقائد سے بحث کرنا نہیں چاہتے، لیکن یہ کہنا نامناسب معلوم نہیں ہوتا، کہ دارا نے جس عجلت اور تیزی سے راہ سلوک کی منزلیں طے کیں، وہ ہندوستان کے صوفیائے کرام میں کسی اور نے نہیں کیں، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بیس سال تک اپنے مرشد کے پاس رہ کر ریاضت کی، اور برسوں سمرقند، بغداد، ہمدان، تبریز، استرآباد، سبزوار، حصار، بلخ اور ہندوستان وغیرہ کی بادیہ پیمائی کرنے کے بعد راہ سلوک کی منزلیں طے کر سکے، حضرت بختیار کاکیؒ بیس برس تک رات کو مطلق نہ سوئے، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اتنے مجاہدے کیے کہ ایک بار حضرت معین الدین چشتی ان کے حجرے میں تشریف لائے

نے اس کو ایک مستند تذکرہ قرار دیا ہے، سفینۃ الاولیا، کی تحریر کے وقت دارا شکوہ حنفی المشرب تھا، اور تصوف میں سلسلۂ قادریہ سے متوسل تھا، مگر آگے چل کر اس کے عقائد میں اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہو گئی،

اس کتاب کے ادب و انشاء کے متعلق دارا خود لکھتا ہے:

واگرچہ عبارت این کتاب راست پراست است و در عبارت آرائی مقید نشدہ وفارسی سادہ عام فہم نوشتہ لیکن بعضے جا اقتدار بعبارت نفحات الانس قطب الاولیا، قدوۃ اتقیا، نیر آسمان عرفان خورشید فلک ایقان حضرت مولای نور امامت والدین عبد الرحمن جامی قدس سرہٗ انشاء کہ کمال فصاحت و متانت دارد و ایشانرا استاد خود می دانند کردہ در زبان روزمرہ خود را نیز ترک ساختہ[1]

۲۔ سکینۃ الاولیا،۔ دارا نے یہ کتاب اپنی عمر کے اٹھائیسویں سال ۱۰۵۲ھ میں لکھی اس میں اس نے اپنے پیر پسر ان اللہ ملا شاہ محمد یا محمد شاہ بدخشانی اور پیر کے مرشد میاں میر (ملاجیو) کے حالات، ملفوظات، کرامات اور ان کے خاندان اور خلفاء کے احوال کی تفصیلات لکھی ہیں، اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بتائی ہے:

سکینۃ الاولیاء ...... اور کتابوں کی طرح اولیائے حق کے معتقدوں اور مخلصوں کے لیے بطور یادگار رہے، اور معلوم ہو جائے کہ کوئی زمانہ اس عالی گروہ سے خالی نہیں رہا، اور نیز یہ کہ اس زمانے میں بھی جب کہ ۱۰۵۲ھ ہے۔ اس قسم کے لوگ ہیں اور تھے،[2]

---

[1] سفینۃ الاولیا، ص ۴، ۳ [2] مجھکو سکینۃ الاولیا، کا فارسی نسخہ نہیں مل سکا، اس کا اردو ترجمہ جو فضل الدین ملک چنن الدین ککے زئی تاجران کتب قومی منزل نقشبندیہ کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا ہے، میرے پیش نظر ہے،

کی ہمشیرہ بی بی جمال خاتون کے احوال و کرامات بھی درج ہین، اور اس کے بعد ملا جیو کے خلفاء کا ذکر ہے، دارا نے ان خلفاء کے اشعار کے انتخابات بھی اس کتاب مین دیے ہین، کتاب مین جابجا کشف المحجوب، نفحات الانس، غنیۃ الطالبین، تفسیر عرائس، تفسیر قشیری، فصل الخطاب، بحر الحقائق، تفسیر حسینی، صحیح مسلم، مشکوٰۃ، معجم البلدان وغیرہ کے حوالے ہین، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتابین دارا کے زیر مطالعہ رہین،

۳- **رسالہ حق نما**:- میری نظر سے نہین گذرا،

۴- **حسنات العارفین یا شطحیات**:- دارا اس کتاب کی تمہید مین لکھتا ہے، کہ "وجد و ذوق" کی حالت مین اس کے منہ سے ایسے کلمات بلند حقائق" نکل جاتے تھے، جن کو سن کر "پست فطرت"، "دون ہمت" اور "زاہد خشک" نے اپنی کوتاہ بینی سے اس پر تکفیر کے فتاویٰ صادر کئے، اس تکفیر سے بچنے کے لیے اس نے مذکورۂ بالا کتاب تالیف کی جس مین حضرت صوفیاے کرام اور علماے عظام بلکہ رسول اللہ صلعم اور خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایسے کلمات اور اقوال نقل کئے ہین جو اس کے خیال مین شطحیات ہین، ان اقوال سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے، کہ توحید و معرفت کے منازل و مدارج مین ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب ایک سالک شریعت و طریقت، کفر و ایمان، خیر و شر اور عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے، اور بے خودی مین اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہین، جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہین، لیکن وہ قابل مواخذہ نہین ہوتے، چنانچہ دارا یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ راہ سلوک مین ایسے ہی مقام پر پہنچ کر اس کی زبان سے شطحیات صادر ہوئین، اور اسی مقام کے وجد و ذوق مین وہ صوم و صلوٰۃ سے مستغنی ہو گیا،

دارا نے جتنے کلمات و اقوال نقل کیے ہین، ان پر مفصل بحث کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ

تو وہ ضعف سے ان کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہو سکے، حضرت شرف الدین یحیی منیری نے، ۳۰ سال تک جنگلوں میں عبادت کی، اس لیے دارا کا یہ لکھنا کہ اس نے یکبارگی "سب کچھ" حاصل کر لیا، مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے،

دارا کو اپنے مرشد ملا جیو سے والہانہ عقیدت تھی، وہ ایک قصبہ "باری میں عزلت نشین تھے، اس لیے دارا ان کو باری تعالی کہتا تھا، (حسنات العارفین ص۳)، ملا جیو نے خواب میں اس کو مشاہدہ اور مراقبہ کرنا سکھایا اور خواب ہی میں اپنے سینہ کی امانت اس کے سینے میں منتقل کی، جس کے بعد دارا شکوہ کو سلوک میں فتح پر فتح حاصل ہوئی، (ص۴)

ملا جیو کو بھی اپنے مرید سے غیر معمولی شیفتگی تھی، وہ اپنے "یاروں" اور "مریدوں" سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح میں دارا کے حال کی طرف متوجہ رہتا ہوں، تم بھی رہا کرو، اگر تم اسکی طرف متوجہ نہ ہوگے، تو خدا سے پھر جاؤ گے۔" (ص۴) (العیاذ باللہ) وہ اپنے مریدوں کو دارا شکوہ ہی کی صورت کا مراقبہ کرنے کی تلقین کرتے تھے، (ص۴)

لسان اللہ شاہ محمد دارا کے اصلی مرشد کو بھی دارا سے بڑی محبت تھی، انھوں نے اس کی شان میں ایک غزل کہی تھی، لیکن یہ اس قدر غلط اور بے معنی یا اتنی مسخ چھپی ہے کہ بالکل مہمل ہوگئی ہے، ایک شعر جس کے کچھ معنی سمجھ میں آتے ہیں، یہ ہے:۔

اے بے خبر ز عالم راز نہان دل ‍ ‍ ‍ ‍ روزے شود کہ تو بشوی ہمزبان دل

ملا شاہ محمد کو دارا شکوہ سے یہ امید تھی، کہ وہ ہندوستان میں طریقۂ قادری کو رواج دیگا، لیکن ان کی یہ امید بر نہ آئی، (ص۳)

دارا شکوہ نے اپنے مرشد کے خوارق و کرامات کی بہت سی تفصیلات لکھی ہیں، اور انہی کے ذریعہ سے ان کی روحانی عظمت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، آخر میں اس کے مرشد

۷۔ سترِاکبر :۔ یہ اوپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے، جو داراشکوہ نے ۱۰۶۷ھ میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا، اس کتاب میں بسم اللہ کے بجائے گنیش جی کی تصویر دی ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اصل قرآن مجید یہی ہے، (نعوذ باللہ) اس کی وجہ تصنیف کے متعلق وہ خود لکھتا ہے، (نقل کفر کفر نباشد)

جب یہ فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ ۱۰۵۰ھ میں کشمیر جنت نظیر گیا تھا، تو میں نے عنایتِ الٰہی اور اس کے فضلِ نامتناہی سے کاملوں کے کامل، عارفوں کے خلاصہ، استادوں کے استاد، پیشواؤں کے پیشوا، اور حقائق آگاہ کے مقتدیٰ یعنی حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ سے سیادت اور ارادت حاصل کی، مجھکو ہر گروہ کے عارفوں کو دیکھنے اور توحید کے متعلق اعلیٰ باتیں سننے کا ذوق تھا، اور تصوف کی بہت سی کتابیں نظر سے گذر چکی تھیں، اور کچھ رسالے بھی تصنیف کیے تھے، لیکن طلب توحید میں جو ایک بحر بیکران ہے، اور بھی تشنگی ہر وقت بڑھتی گئی، دقیق مسائل ذہن میں آتے تھے، جن کا حل بجز کلام الٰہی اور استاذ ذات نامتناہی کے ممکن نہ تھا، چونکہ قرآن مجید وعظیم اور فرقان کریم کی اکثر باتیں رمزکی ہیں، اور آج کل انکے جاننے والے کم ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابوں کو پڑھوں، کیونکہ کلام الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے، یعنی جو بات مجمل ہوگی دوسری کتابوں میں مفصل پائی جائیگی، اس تفصیل سے اجمال معلوم ہو جائے گا، میں نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابیں پڑھیں، لیکن ان میں توحید کا بیان مجمل اور اشارات میں تھا، اور ان آسان ترجموں سے جن کو اہل غرض نے کیا ہے تھا، مطلب معلوم نہیں ہوتا تھا، اسلئے اس بات کی فکر میں ہوا کہ ہندوستان وحدت عیان میں توحید کی گفتگو کیوں بہت زیادہ ہے، اور قدیم ہند کے ظاہری اور باطنی علماء کو وحدت سے انکار اور موحدوں پر کوئی اعتراض نہیں، بلکہ ان پر اعتبار ہے، برخلاف اس کے جہلائے وقت

ان کلمات کی نسبت غیر معتبر، مشکوک اور مجہول الروایت ہے، اور بعض اقوال کی تشریح و توضیح صحت سے دور ہے، مگر اس مضمون مین ہم اس قسم کی بحث سے قصداً پرہیز کرنا چاہتے ہین، اس مین شک نہین کہ بعض شطحیات ایسی ضرور ہین، جو بعض صوفیائے کرام کی زبانون سے غیر اختیاری طور پر نکلین، لیکن وہ خود کسی حال مین بھی دارا کی طرح ان کے جواز کے قائل نہ تھے، کیونکہ اسلامی تصوف شریعت کے دائرہ سے الگ نہین ہے، اور شطحیات کو علما وصوفیہ مین سے کسی نے بھی روا نہین رکھا ہے، چنانچہ ہندوستان کے اکابر مشائخ اور صوفیہ کا عمل اسی پر رہا ہے، ان کے افعال و اقوال اس کے شاہد ہین۔

۵ مجمع البحرین :- یہ کتاب دارا نے اپنی عمر کے ۴۲ وین سال مین لکھی، اس مین اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے، اور ان دونون کو ملانے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفۂ ویدانت مین لفظی اختلاف کے سوا کوئی اور فرق نہین، توحید کے شیدائی ان دونون مین سے جس کی بھی تقلید کرین حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہین اس کتاب کی اشاعت پر دارا کو مرتد اور ملحد قرار دیا گیا، اور آگے چل کر اس کے یہی عقائد اسکے زوال اور موت کا سبب بنے، یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے[۱]

دارا کی تصانیف یہی پانچ ہین، اس کے بعد اس نے زیادہ تر ہندو مذہب کی کتابون کے ترجمے کئے یا کرائے، ان ترجمون کی تمہید مین دارا نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حنفی المشرب اور سلسلۂ قادریہ کا پیرو ہونے کے بجائے رفتہ رفتہ ہندو ہونے کی کوشش کر رہا تھا، یا کم ازکم وہ اپنے عقائد کو ایسے سانچے مین ڈھال رہا تھا، کہ ہندو اس کی طرف مائل ہو کر تخت و تاج کے حصول مین اس کے معاون اور مددگار ہون،

---

[۱] پروفیسر محفوظ الحق کلکتہ نے مجمع البحرین کو بہت ہی دقت نظر کے ساتھ اڈٹ کرکے اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع کیا ہے،

انہ لقرآن کریم فی کتٰب مکنون لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العلمین

یعنی قرآن کریم ایسی کتاب مین ہے، جو پوشیدہ ہے، اور اس کو نہین چھوتے ہین، مگر وہ جو کہ پاک ہین، وہ نازل ہوئی ہے خداوند عالم کی طرف سے بتعین طور سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آیت توریت اور انجیل کے حق مین نہین، لفظ تنزیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کے حق مین ہے، چونکہ اپنکہت کہ ایک مخفی راز ہے، اصل و ماخذ ہے، اور قرآن مجید کی آیتین بعینہٖ اس مین پائی جاتی ہین، پس تحقیق کر چھپی ہوئی کتاب یہی کتاب قدیم ہے، اس فقیر کا جس نے بے جانی ہوئی چیز کو جان لیا۔ اور بے سمجھی ہوئی چیز کو سمجھ لیا۔ اس ترجمہ کے کرنے مین اس کے سوا کوئی مطلب اور مقصد نہ تھا، کہ وہ اور اس کی اولاد، اس کے دوست اور حق کے طلب گار فائدہ اٹھائین؛"

مولانا شبلی مرحوم نے سراکبر کے نسخہ کو ۱۹۰۶ء مین ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ بنارس کی علمی نمایش گاہ مین دیکھا تھا اس کتاب کے دیباچہ کو پڑھ کر ان پر جو اثرات طاری ہوئے ان کا اظہار اس طرح کرتے ہین کہ "عالمگیر نے داراشکوہ کے مقابلہ کو جب قصد کیا تو اس کا یہ سبب ظاہر کیا کہ داراشکوہ بدعقیدہ اور بددین ہے، اس لیے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہوا تو ملک مین بددینی پھیل جائے گی، عام مورخون کا خیال ہے، کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ داراشکوہ بے دین تھا، اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا، دونون کا حال خدا کو معلوم لیکن اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا، اور کچھ شبہ نہین کہ اگر وہ تخت شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے؛" (مقالات شبلی ج ہفتم ص۱۰۱)

علمی حیثیت سے اس ترجمے سے یہ فائدہ ہوا کہ برہمنون کا طلسم کھل جاتا رہا، اور اب تک ان کے جو علوم محض رازہاے سربستہ تھے، وہ بالکل فاش ہوگئے، اور اس فارسی ترجمہ کے ترجمے یورپ کی

خداشناسون اور موحدون کے قتل، کفر اور انکار مین مشغول ہین، اور توحید کی تمام
باتون کو جو کلام پاک اور صحیح احادیث نبوی سے ظاہر ہین، رد کرتے ہین۔ وہ خدا کے
راستے کے راہزن ہین۔ ان باتون کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا، کہ اس قوم قدیم (یعنی ہندوؤن)
کے درمیان تمام آسمانی کتابون سے پہلے چار آسمانی کتابین تھین، رگ بید، سام بید،
اتھربن بید...... اور اس وقت کے سب سے بڑے نبی **برہما یعنی آدم صفی اللہ**
پر یہ تمام احکام نازل ہوئے، اور یہ باتین ان کتابون سے ظاہر ہین...... اور محض توحید
کے اشتغال اس مین درج ہین، جس کا نام اپنکھت ہے، اس زمانہ کے ابنیا نے ان کو
علیحدہ کرکے ان پر شرح و بسط کے ساتھ تفسیرین لکھی ہین، اور ہمیشہ ان کو بہترین عبارت
سمجھکر پڑھتے ہین، اس خاکسار کی نظر چونکہ وحدت ذات کی اصل پر تھی نہ کہ عربی، سریانی،
عراقی، اور سنسکرت زبان پر، اس لیے چاہا کہ ان اپنکھت کو جو کہ توحید کا خزانہ ہے اور
جس کے جاننے والے اس قوم مین بھی کم رہ گئے ہین، فارسی زبان مین بغیر کسی کمی اور بیشی اور نہ
نفسانی غرض کے لفظ بلفظ بالمقابل ترجمہ کرکے سمجھون کہ یہ جماعت اس کو اہل اسلام سے پوشیدہ
اور پنہان رکھتی ہے، اس کا کیا بھید ہے؟ شہر بنارس جو اس قوم کا دار العلم ہے، اور جہان
پنڈت اور سنیاسی جو کہ سرآمد وقت اور بید اور اپنکھت کے جاننے والے تھے،...... اس
خاکسار سے تعلق رکھتا تھا...... سنہ ۱۰۶۷ھ مین بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا، اور توحید
کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلیٰ باتین جن کا مین طلب گار تھا، لیکن حل نہین پاتا تھا، اس
قدیم کتاب کے ذریعہ سے معلوم ہوئین، جو بلاشک و شبہ پہلی آسمانی کتاب ہے، اور بحر توحید
کا سرچشمہ ہے اور **قدیم** ہے، اور **قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر** ہے، اور صراحۃً
ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بعینہ اس کتاب آسمانی سرچشمۂ بحر توحید اور قدیم کے حق مین ہے۔

عمدہ طباعت کے ساتھ ایک صاحب نے بھگوت گیتا شائع کیا ہے جس کو فیضی کا ترجمہ بتایا گیا ہے اکبری عہد کے مختلف تراجم کی فہرست معاصر تاریخون مین درج ہے، اس مین میری نظر سے کہین یہ نہیں گزرا کہ فیضی نے بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ کیا تھا،

انڈیا آفس کے فہرست نگار نے ایک اور کتاب **نادر النکات** دارا شکوہ کی طرف منسوب کی ہے، مگر اس کا نام صرف سفینۃ الاولیا کے سلسلہ مین آگیا ہے، فہرست نگار نے اس کی کوئی تفصیل نہین لکھی ہے، پروفیسر محفوظ الحق کا خیال ہے کہ یہ کتاب شاید رسالہ حق نما یا مکالمہ بابا لال و دارا شکوہ کا دوسرا نام ہو، کیونکہ خدا بخش خان لائبریری پٹنہ مین جو آخر الذکر نسخہ ہے، اسکا دوسرا نام مخزن نکات بھی ہے،

خزینۃ الاصفیا کے مصنف دارا شکوہ کے تذکرہ مین لکھتے ہین:-

از تصانیف مشہورہ وے کتاب سفینۃ الاولیا، وسکینۃ الاولیا، و سر اکبر و دیوان اکسیر اعظم و رسالہ معارف وغیرہ است"

رسالہ **معارف** میری نظر سے نہین گذرا، دیوان اکسیر اعظم کا ذکر آگے آئیگا۔

مخزن الغرائب کے مؤلف نے اپنے دیباچہ مین ان کتابون کی فہرست دی ہے جن سے انھون نے استفادہ کیا ہے، اس فہرست مین دارا شکوہ کی بیاض کا حوالہ ان الفاظ مین دیا ہے،

بیاض محمد دارا شکوہ ولی عہد شاہجہان بادشاہ قادری تخلص صاحب مجمع البحرین کہ باصطلاح صوفیہ ہند نوشتہ"

مگر اس بیاض کا ذکر کسی کتب خانہ کی فہرست میں نہین، ورنہ اس سے دارا کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ ہو سکتا تھا، لیکن مخزن الغرائب کے ... دقیق النظر تذکرہ نگار کا اس بیاض سے استفادہ کرنا دارا شکوہ کے کمال شاعری کی سند ہے،

مختلف زبانون مین ہوئے ۔ اور کہا جاتا ہے کہ جو مضمون کو اپنشد کے راز سر اکبر ہی کے ذریعہ معلوم ہوئے سر اکبر کا ایک خوش خط قلمی نسخہ دار المصنفین کے کتبخانہ مین ہے، گمان یہ ہے کہ اس نسخہ کا خط داراشکوہ یا اس کے کسی منشی کے ہاتھ کا ہے، آخر کی عبارت یہ ہے۔

این ترجمۂ اپنکتہائے ہر چہار وید کہ موسوم بسر اکبر است و تمام معرفت نور الانوار از فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ خود بعبارت راست پراست در مدت ششماہ آخر دوشنبہ بست و ششم ماہ رمضان سنہ یکہزار و شصت و ہفت در شہر دہلی، در منزل نگمبودہ با تمام رسانید، از گنج معرفت بہرہ ور از ہستی موہوم خلاص گشتہ بہستی حق رسید زنگار جاوید گردید، تمام شد کتاب ترجمہ اپنکہار موافق چتر بید[۱]

۷۔ **بھگوت گیتا:۔** اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین ہے جس کے شروع مین یہ عبارت ہے۔

گیتا بزبان فارسی تصنیف شیخ ابو الفضل علامی از کتاب مہا بھارت از فن ششم کہ آنرا بحکم پرپ گوبند سری کرشن جیو دار جن سنباد۔"

اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ بھگوت گیتا کا فارسی ترجمہ شیخ ابو الفضل کا کیا ہوا ہے، لیکن برٹش میوزیم کے فہرست نگار نے اس کی بقیہ عبارت اور اس ترجمہ کی عبارت مین تطبیق نہین پائی۔ جو اکبر کے عہد مین کیا گیا تھا[۵۲] اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری مین بھی ہے، اس کے فہرست نگار نے اس نسخہ کے ترجمہ کو داراشکوہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ بھی واضح طور سے بتایا ہے کہ برٹش میوزیم کے نسخہ کو ابو الفضل کی طرف منسوب کرنا درست نہین[۵۳]، لاہور سے آرٹ پیپر پر نہایت

---

[۵۱] معارف نمبر ۶ جلد ۱۴ مین سر اکبر کے موضوع پر ایک بہت ہی مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے جس کا مطالعہ ناظرین کے لیے مفید ثابت ہوگا [۵۲] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد اول ص ۵۹ [۵۳] انڈیا آفس کیٹلاگ جلد اول کالم ۱۰۸۹۔

ایک مذہب کی ملکیت نہین، اپ سے بہت پہلے یہ رسالہ مع اردو ترجمہ کے مطبع مجیب ہند دریا گنج دہلی سے چھپ گیا ہے، اس کا اردو ترجمہ ایک ہندو لالہ رنجی لال نے کیا ہے،

۲جوگ بشست : یہ سنسکرت کی مشہور کتاب "یوگ واسی شست" کا فارسی ترجمہ ہے، جو دارا شکوہ کے حکم سے اس کے ایک درباری نے ۱۰۶۶ھ مین کیا، ترجمہ کی وجہ دارا نے یہ بتائی ہے:

اس کتاب کے انتخاب کا ترجمہ جو شیخ صوفی کے ساتھ منسوب ہے ہم نے مطالعہ کیا تو رات کو خواب مین دیکھا کہ دو بزرگ قبول صورت ایک اونچے پر اور دوسرے کسی قدر اس سے نیچے کھڑے معلوم ہوئے، جو اونچے پر کھڑے تھے، بشسٹ تھے، اور دوسرے رام چندر ...... مین بے اختیار بشسٹ کی خدمت مین حاضر ہوا بشسٹ نے نہایت مہربانی سے ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا، اور فرمایا کہ اے رامچندر یہ سچا طالب ہے، اور سچی طلب مین تیرا بھائی ہے اس سے بغلگیر ہو، رامچندر کمال محبت کے ساتھ مجھ سے ملے، اس کے بعد بشسٹ نے رامچندر کے ہاتھ مین مٹھائی دی، تاکہ مجھے کھلاوے، مین نے وہ شیرینی کھائی، اس خواب کے دیکھنے پر ترجمہ کی خواہش ازسرنو زیادہ ہوئی، اور دربار عالی کے حاضرین مین سے ایک شخص مقرر اس خدمت پر ہوا، اور ہندوستان کے پنڈتون سے ...... اس کتاب کے لکھنے مین اہتمام وانصرام کیا،[۱]

اس ترجمہ کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی مین ہے، اس کا اردو ترجمہ منہاج السالکین کے نام سے مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے، جو نولکشور پریس لکھنؤ مین طبع ہوا ہے، اوپر کی عبارت سے معلوم ہوگا، کہ دارا ہندوون پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی رامچندر

[۱] بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیری مرتبہ نجیب اشرف ندوی رفیق دارالمصنفین،

پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مجمع البحرین کے دیباچہ مین مختلف ماخذون سے دارا کی تین اور تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ پیرس کے قومی کتب خانہ مین ایک مخطوط **نگارستان منیر** ہے جس کے آخر مین ایک مرقع کا دیباچہ ہے، کتب خانۂ ہذا کے فہرست نگار کا بیان ہے کہ اس دیباچہ کی تحریر دارا شکوہ کی ہے، پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ شاید دیباچہ اس **مرقع** کا ہو جو دارا نے اپنی محبوب بیوی نادرہ بیگم کو ۱۰۵۱ھ مین بطور تحفہ دیا تھا، مخزن ستمبر ۱۹۰۶ء مین دارا کی ایک فارسی **مثنوی** اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل (جلد دوم نمبر ۱) مین دارا کی ایک **تزک** کا ذکر ہوا ہے، مگر ان کتابون کے نام کسی تذکرہ اور تاریخ مین نہین پائے جاتے،

ان تالیفات کے علاوہ حسب ذیل کتابین دارا کے حکم سے لکھی گئین،

۱۔ **مکالمۂ دارا شکوہ و بابا لال**، بابا لال بیراگی ذات کا کھتری اور قصور کا باشندہ تھا لیکن اس کا استھان دھیان پور (بٹالہ) مین تھا، میان جیو کا دوست تھا، اس لیے دارا شکوہ کو بھی اس سے عقیدت تھی، اپنی کتاب شطحیات مین بابا لال کے متعلق لکھتا ہے:

بابا لال ہندیہ کہ در کمال عرفانست و در ہنود بغیر مانند متانت وے کسے دیدہ نشد، مرا گشت، در ہر قوسہ عبادت و کاملی بی باشند کہ حق سبحانہ تعالیٰ برکت او آن قوم را نجات می دہد، و تو منکر ہیچ قوسے مباش۔ (صفحہ ۸۸ مطبع مجتبائی)

مجمع البحرین مین بابا لال بیراگی کا نام مسلمان صوفیۂ کرام کے ساتھ آیا ہے، (صفحہ ۲۶) دارا شکوہ ۱۰۶۳ھ مین قندھار کی مہم سے واپس آیا تو لاہور مین بابا لال سے ملا، اور دونون کی گفتگو سات مجلسون مین ختم ہوئی، ان مکالمون کو دارا شکوہ کے حکم سے اس کے میر منشی چندربھان برہمن نے قلمبند کر لیا تھا، مکالمے دلچسپ ہین جن مین یہ دکھلایا گیا ہے کہ حق و صداقت کسی

دارا کا دیوان نایاب تھا، مگر کچھ دن ہوئے کہ خان بہادر ظفر الحسن صاحب (محکمۂ آثار قدیمہ) کو اس کے ایک دیوان کا نسخہ ملا ہے، موصوف نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک ماہانہ جلسہ (جولائی ۱۹۳۹ء) کے مضمون میں یہ بتایا ہے کہ اس دیوان میں دارا کی ۱۴۳ غزلیں اور ۲۸ رباعیاں ہیں، اور یہ نسخہ دارا کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا، اب تک شاید اس دیوان کی طباعت نہ ہو سکی ہے، مختلف تذکروں میں ہم کو دارا کے جو جستہ جستہ اشعار ملے ہیں، ان کو ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں، اس سے دارا کے ذوق شعری کا اندازہ ہوگا،

تذکرۂ سرخوش :-

ہر خم و پیچی کہ شد از تاب زلف یار شد — دام شد، زنجیر شد، تسبیح شد، زنار شد

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود — چون بزلفش اور سید آخر پریشانی کشید

بشکست دل اللہ از گردش پایم — در کار من ابنہم گرہی بود کہ وا شد

بقدر مال باشد سرگرانی — زوزن زر فزاید بار دستار

بخیہ بر خرقۂ فنا کیشان — موج آب حیات را ماند

ہمہ چیز تو خوب لیک این بہ — کہ تو بسیار دیر می آئی

تا دست رسیدیم چو از خویش گذشتیم — از خویش گذشتن چہ مبارک سفری بود

مخزن الغرائب : رباعی

معروف شدم تا کہ بعرفان گشتم — عارف شدم و در خویش عریان گشتم

پیدا کردی مرا ولیکن من ہم — پیدا کردم ترا و شرمان گشتم

دیگر

غارت دل زعین تو مزین سازد — خاریکہ بود باشش گلشن سازد

کی طرح ایک اوتار ہے،

۳- **تاریخ شمشیر خانی** : یہ شاہ نامہ کی گویا تلخیص ہے، جو دارا کے حکم سے کی گئی،

دارا کے وسیلہ سے جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں جناب پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے **قصص الانبیا** کا نام بھی گنایا ہے،

دارا کی علمی سرپرستی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بعض اہل قلم اپنی کتابیں لکھ کر اس کے نام سے منسوب اور معنون کرتے تھے، نورالدین محمد بن عبداللہ بن عین الملک نے ۱۰۵۶ھ میں طب پر ایک ضخیم کتاب لکھی، اور اس کا نام **طب داراشکوہی** رکھا، پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس کا نام **علاجات داراشکوہی** ہے، ابراہیم مسکین نے اپنی کتاب ترجمۂ **اقوال واسطی** میں ابوبکر بن محمد بن موسیٰ الواسطی کے اقوال کا فارسی ترجمہ کیا، اور اس کو داراشکوہ کے نام سے معنون کیا،

دارا نثر نگار ہونے کے علاوہ ایک ممتاز شاعر بھی تھا، اس کی شاعری کی داد اس کے مرشد نے "بے نظیر" اور "دلپذیر" کہکر دی تھی،[۱] کلمات الشعراء کے مصنف سرخوش نے لکھا ہے:

"طبع بلند و ذہنے رسا داشت، مطالب صوفیہ در رباعی و غزل منظوم می کرد بحسب اعتقادی کہ بسلسلۂ عالیہ قادریہ داشت، قادری تخلص می کرد .... دیوان مختصر از و جمع شدہ"

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے دیوان کا نام **اکسیر اعظم** تھا، اور وہ اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"سخنش دریائے توحید است کہ از زبان گوہر افشانِ او روان گشتہ و یا خورشید وحدت است کہ از افق بیان مطلع انوارش طلوع شدہ مغزی باید کہ سخنش را بفہمد و دلی باید کہ معانی آن در وی امکان پذیرد" (خزینۃ الاصفیا ص۱۷۵ جلد اول)

[۱] سکینۃ الاولیا ص۱۴۲

گر بندہ کسے بود خدا او باشد　　　　چون جملہ خداست خود نمائی نکند

توحید علم سے حاصل نہین ہوتی ہے لکھنا اور ہے اور ہونا کچھ اور ہے،

خواہی کہ شوی واصل ارباب نظر　　　　از قال بحال بایدت کرد گذر

از گفتن توحید موحد نشوی　　　　شیرین نشود دہان ز نام شکر

عارف کسی کی پیروی نہین کرتے ہین،

ہردم برسد بعارفان ذوق جدید　　　　خود مجتہد اند نے ز اہل تقلید

شیران نخورند جز شکار خود را　　　　روباہ خورد فتادۂ لحم قدید

دنیا کی تمام چیزون کو معرفت حاصل ہے، لیکن یہ راز صرف عارف کو معلوم ہوتا ہے،

توحید شناخت ہر کرا حالی نیست　　　　در راہ طلب ہمت او عالی نیست

خوش آنکہ میان خویش حق را بشناخت　　　　او در ہمہ جاست ہیچ جا خالی نیست

عرفان اپنے کو پہچاننے نہ کہ اپنے کو فنا کر دینے مین ہے۔

کے کار تو در شمار حق می آید　　　　قلبے تو در اعتبار حق می آید

باید کہ تو عین خویش دانی حق را　　　　فانی شدنت چہ کار حق می آید

بر عارف اطلاق مردن جائز نبود چہ جان بجانان پیوست آب آب شد و خاک خاک و

ہوا ہوا و آتش با آتش،

بیرون و درون کوزہ پر بود ہوا　　　　پیچید درون کوزہ آواز و صدا

کوزہ بشکست و گشت آواز آواز　　　　بشکست حباب و گشت عین دریا

خدا کا نام لے کر ذکر کرنا غفلت کا باعث ہے۔

ہستی وجود خویشتن کردم رد　　　　گر دید مساویم ہمہ نیک و بد

کامل ہمہ راز نقص بیرون آرد یک شمع ہزار شمع روشن سازد

حسنات العارفین میں دارا شکوہ نے شطحیات کی تائید و حمایت میں بکثرت اشعار نظمیں اور رباعیاں لکھی ہیں، ان میں جو اشعار اور رباعیاں اس نے اپنی طرف منسوب کی ہیں ان کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں. مثلاً وہ اس مضمون کو کہ ذاکر مذکور سے غافل ہو سکتا ہے. مگر اس کا غافل ہونا عوام کے غافل ہونے سے مختلف ہے، یوں ادا کرتا ہے،

خوش گرچہ بیاد خود نشستن ہمہ وقت این قید چہ لازم است بر من ہمہ وقت
غافل شدن خلق ز حق از حق ست خود را تعب است یاد کردن ہمہ وقت

یا توحید کی حقیقت خود توحید کو فراموش کرنا ہے،

توحید خموشی ست و فکر است مدام بحث آمد و شد ز دست توحید تمام
یک گفتن تو بر بین قوی ثابت کرد توحید، و وز نقطہ چون گیری نام

ابو عبد اللہ خفیف سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے، تو فرمایا "غفلت را ہم وجود اللہ دانستن"، دارا نے اس کو اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے.

ہر چند کہ خلق را گرفتہ کوبی غفلت شدہ است بر ہمہ مستولی
مشغول بحق ست بغفلت ہا نیز ہر کس کو بہر چیز کند مشغولی

جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے. اس کے لیے ایمان کا سوال باقی نہیں رہتا،

کافر گفتی تو از پے آزارم این حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم من مذہب ہفتاد و دو ملت دارم

منصور نے صرف اپنے میں خدا کو دیکھا لیکن عارف ہر چیز میں خدا دیکھتا ہے

عارف بجز اطلاق خدائی نکند از ذات لطیف خود جدائی نکند

شاہزادہ دارا شکوہ...... و بیا تربیت کلی فرمودہ از باعث قدر دانی شہزادہ

نہایت عزت و شہرہ بہندیافت"

مراۃ الخیال کے مولف کا بیان ہے، کہ رضی دانش کی مندرجۂ ذیل غزل پر دارا نے

ایک لاکھ روپے بطور انعام دیے[1]،

موسمے آن شد کہ ابر تر چمن پرور شود | نکہت گل مایۂ شور جنون در سر شود
تاک را سیراب سازد اے ابر نیسان در بہار | قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود
نالۂ بلبل نہان در پردۂ برگ گل است | بید ماغم کاش ازین یک پردہ نازک تر شود
مابذوق گریۂ مستی درین بزم آمدیم | مے بدہ ساقی بقدر آنکہ چشمم تر شود
راز پوشیدن نیاید دانش از بے تاب عشق | درمیان انجمن پروانہ خاکستر شود

مراۃ الخیال میں ہے کہ دارا کو مطلع بہت پسند آیا، لیکن سرخوش رقمطراز ہے کہ اس کو دوسرا شعر مرغوب ہوا، چنانچہ اس شعر کو مصرع طرح بنا کر شعرا کو غزلیں لکھنے کی فرمائش کی، اس نے بھی اس پر ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ ہے،

سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن | قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود[2]

دارا شکوہ اپنے میر منشی چندر بھان برہمن کی نثر و نظم کی سادگی کا بھی دلدادہ تھا، اور یہ مراۃ الخیال کے مولف کے لیے باعث تعجب ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"عجب کہ شاہزادہ باآن ہمہ مستعدان کہ در عرصۂ روزگار بہ رنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحۂ خاطر ارباب دانش را چون شگفتہائے موسم بہار بہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود، این معنی خالی از دو چیز نبودہ باشد، یا مذاق شاہزادہ

---

[1] مراۃ الخیال، کلکتہ اڈیشن ص ۳ [2] سرخوش مخطوطہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

اکنون نتوان نام خود و نامش برد　　　گر نام بگیرم ز من او می رنجد

فقیر اور عارف کا کوئی نام نہین ہوتا،

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید سوا　　　ہر قطرۂ آب ہست عین دریا

حق را بچہ نام کس تواند خواندن　　　ہر نام کہ ہست ہست از اسمائے خدا

داراشاہ دلربا کو ایک رقعہ مین لکھتا ہے، کہ اس کے دل سے اسلام مجازی محو ہوگیا، اور اب کفر حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے، اور اس کفر حقیقی کی قدر معلوم کرنے کے بعد وہ زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشین ہوگیا ہے، اور اس کے لیے کسی چیز کے اقرار و انکار کا سوال باقی نہین رہا ہے،

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست　　　بدانستے کہ دین در بت پرستی است

اگر کافر ز اسلام مجازی گشت بیزار؟　　　کرا کفر حقیقی شد پدیدار،

درون ہر بتے جانیست پنہان　　　بزیر کفر ایمانیست پنہان

تبرسازادہ دادم دل بیک بار　　　مجرد گشتم از اقرار و انکار[۱]

داراشکوہ نہ صرف شاعر تھا، بلکہ شاعرون کا سرپرست اور مربی تھا، میر رضی دانش مشہد سے ہندوستان آیا تو داراہی کے دامن دولت سے وابستہ ہوکر درجۂ عروج پر پہنچا، مرآۃ الخیال کا مولف میر رضی دانش کے ذکر مین لکھتا ہے:

"از تربیت کردہائے شاہ بلند اقبال سلطان دارشکوہ است و بدست یاری استعداد و بالمردی طالع محفل ہا بونش راہ دانست"

رضی دانش کے متعلق مخزن الغرائب مین ہے:

---

[۱] رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۲۲۳،

داراشکوہ فن خطاطی میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اس نے شاہجہانی عہد کے مشہور استاذ آقا عبدالرشید دیلمی سے سیکھا، اور وہ اس کا بہت ہی محنتی اور لائق شاگرد تھا، تذکرۂ خوشنویسان میں ہے،

داراشکوہ پسر شاہجہان بادشاہ شاگرد عبدالرشید آقاست باوجود اشتغال امور شاہزادگی

ودیگر علوم، بروبہ آقا عبدالرشید شاید کسے کم نوشتہ باشد[1]

دارا کو نستعلیق اور نسخ دونوں میں کامل مہارت تھی، پروفیسر محفوظ الحق نے اس کی خطاطی کے بہت سے نمونوں کا ذکر مجمع البحرین کے دیباچہ میں کیا ہے، مثلاً اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کلام پاک کا نسخہ عزیز باغ لائبریری حیدرآباد دکن میں ہے، جس کے حروف شروع سے آخر تک سنہرے ہیں، ایک مطلا مجموعہ کا نسخہ بخط نسخ اور ایک "دہ پندار سطو" کا نسخہ بخط نستعلیق وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ میں محفوظ ہیں، آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں اس کے خط کی دو کتابیں ہیں، رسالہ حکمت ارسطو اور شرح دیوان حافظ (فہرست کتب خانۂ آصفیہ جلد اول ص ۳۰۹) ان کے علاوہ اس کی لکھی ہوئی وصایان مختلف جگہوں میں پائی جاتی ہیں، بعض کتابوں پر اس کے دستخط اور مختصر تحریریں ہیں، جو خطاطی کے نادر نمونے کہی جاسکتی ہیں،

سپہر شکوہ | خزینۃ الاصفیا کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد جب اس کا نوسالہ لڑکا اورنگزیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اس بچہ کا حال پوچھا، بچے نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

بجرم دارا بردل من کمتر از یعقوب نیست   او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

عالمگیر یہ جواب پاکر رنجیدہ ہوا، اور بولا بھیڑیے کو مارنا اور اس کے بچہ کی پرورش کرنا عقلمندوں

---

[1] تذکرۂ خوشنویسان، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۹۵

بہمان طرز آشنائی داشت، یا او بزور طالع بدین پایہ رسید"

داراشکوہ کو برہمن کا یہ شعر بہت پسند تھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار　　بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

داراشکوہ نے برہمن سے شاہجہان کے سامنے بھی یہ شعر پڑھا یا، شاہجہان سنکر برافروختہ ہوا لیکن افضل خان نے اس کا غصہ سعدی کا یہ شعر پڑھ کر ٹھنڈا کیا،

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند　　چون بیاید ہنوز خر باشد [1]

چندر بھان برہمن کے علاوہ محمد علی ماہر اور بنوالی داس ولی بھی داراشکوہ کے ساتھ کچھ دنون وابستہ رہے، محمد علی ماہر کا ذکر پہلے آچکا ہے، داراشکوہ نے ان کو مرید خان کا خطاب دیا تھا، بنوالی داس [2] دارا کے منشیون میں سے تھا، ملا شاہ بدخشی کی صحبت مین فقر و درویشی سے متاثر ہوا، اور ترک و تجرید کی زندگی اختیار کرلی، اور دارا کی ملازمت سے کنارہ کش ہوگیا، دارا نے اس کنارہ کشی کو پسند نہین کیا، اور کچھ برہم ہوا، مگر ولی نے بطور معذرت یہ رباعی لکھ بھیجی،

بشنو ز ولی وفاے دنیاے شاہ　　مغرور مشو بدولت و حشمت و جاہ

ہرچند چو در ہمے نماید لکن　　آن قطرۂ شبنم ست بر نوک گیاہ [3]

مگر برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست [4] سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا رباعی بنوالی داس کی تاریخی تصنیف راجاولی کے آغاز مین مرقوم ہے، یہ تاریخ راجہ جدھشتر سے شاہجہان کے عہد تک کی ہے، بنوالی داس نے کچھ مثنویان بھی لکھین، مثنوی ولی رام کا ذکر کتبخانہ شاہ اودھ کی فہرست مین ہے۔ (ص ۵۸۹)

---

[1] مراۃ الخیال ص ۱۴۱، [2] روز روشن مین نوازی داس لکھا ہی مرقوم ہے بعض جگہ بھوانی داس بھی ہے۔
[3] روز روشن ص ۸۳۰، [4] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد دوم ص ۸۵۵۔

کے فضل وکمال سے فیضیاب ہونا چاہتا تھا، اس لیے ان کو اپنے دربار میں آنے کی ان الفاظ میں دعوت دی جس سے اس کے دل میں ان کی عزت واحترام کا اندازہ ہوتا ہے،

"افادت وافاضت پناہ فضائل وکمالات دستگاہ ملا محمود بعنایت بے غایت خسروانی ممتاز گشتہ بداند کہ چون بیامن برکات الٰہی خاطر فیض آثر ہموارہ متوجہ آن ست کہ ارباب علم و حکمت واصحاب دین وملت از ملتزمان محفل فیض منزل بودہ، دقائق علمی وحکمی را بموقف عرض می رسانیدہ باشند وآنچہ بر ضمیر الہام پذیر ما کہ آئینہ صور غیبی وگنجینۂ اسرار لاریبی است پرتو انداختہ باشد، بآن جماعت می فرمودہ باشیم تا کارہا بر وفق احکام الٰہی وسنت نبوی بعمل می آمدہ باشند بنابران از روے مہربانی یاد آن دانش آگاہ حقائق انتباہ نمودہ طلب فرمودہ ایم کہ بمجرد ورود الطاف سلطانی طریق سعادت پیمودہ خود را بشرف حضور تمام فیض سراسر سعادت معزز گرداند بعد ازان کہ شرف اندوز ملازمت گردد، وچندے فیض ظاہر وباطن از حضور معلّٰی برگیرد اگر خواہد بوطن معاودت نماید، او را مشمول عنایات ومورد توجہات فرمودہ رخصت انصراف ارزانی خواہیم داد، واگر خواہش بودن درین آستان سلطنت آشیان داشتہ باشد، بنوعے کہ باطمینان دل وذوق خاطر گذراند، درباب او توجہ میذول خواہم داشت، باید کہ بمجرد وصول این منشور کرامت وافضال بے توقف روانہ عتبہ بوس گردد ودر عہدہ شناسد"[1]

فارسی سخنگویوں میں شیخ منعم لاہوری[2]، اور ہندی شعراء میں چنتامن ساکن کوڑہ جہان آباد شجاع کے مقربین خاص میں تھے، چنتامن اپنے عہد کا بہت ہی مشہور سنسکرت کا عالم تھا، اسکی

---

[1] رقعات عالمگیری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۱۸۶ [2] ان کی شاعری کے نمونے کے لیے دیکھو مخزن الغرائب قلمی نسخہ ص ۸۰۰ بہ دار المصنفین اعظم گڑھ

کا کام نہین، چنانچہ اس بچہ کو مروا ڈالا۔[1] خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے نوسالہ بچے کا نام نہین لکھا ہے مصنف موصوف کی مراد شاید سپہر شکوہ سے ہو، مگر یہ روایت صحیح نہین، کیونکہ عالمگیر نے اپنے سولھوین سال جلوس ۱۰۸۳ھ مین اپنی لڑکی نواب زبدۃ النسا بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے حبالۂ عقد مین دیا تھا[2]

شجاع و مراد شاہجہان کے لڑکون مین تخت و تاج کے لیے جو خونریز جنگ ہوئی، اس مین مورخین شجاع اور مراد کا عبرتناک انجام دکھانے مین اس قدر محو ہوگئے، کہ ان دونون کے علمی فضل و کمال کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ شاہجہان کے دو لڑکے دارا اور اورنگزیب جس تعلیم و تربیت کی بدولت آسمان علم پر مہر و ماہ بن کر چمکے، ظاہر ہے کہ اس سے شجاع اور مراد بھی ضرور فیضیاب ہوئے ہون گے، مگر جس طرح وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے، اسی طرح ان کے علمی اوصاف بھی صفحۂ تاریخ سے گم کر دیے گئے۔ لیکن ان دونون کی علمی قابلیت ان کے رقعات سے اور ان کی علم نوازی کا حال ان کے درباری شعراء اور متوسلین سے معلوم ہو سکتا ہے، شجاع اور مراد کے رقعات مختلف کتابون مین جستہ جستہ ملتے ہین۔ ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اورنگزیب اور دارا کی طرح گو بلند پایہ ادیب اور انشاء پرداز تو نہ تھے، پھر بھی ان کی تحریرون مین اس زمانہ کے ذوق ادب کی پوری چاشنی ضرور ہے۔

شجاع اور مراد دونون شعراء اور ارباب کمال کے قدردان اور سرپرست تھے، ملا محمود جونپوری شاہجہانی عہد کے بہت بڑے عالم تھے، فلسفہ مین ان کی تصنیف شمس بازغہ اور معانی و بیان مین فوائد فی شرح الفوائد ایسی کتابین بلند پایہ سمجھی جاتی ہے، ۱۰۶۲ھ مین جب انکا انتقال ہوا، تو ان کے استاد مولانا محمد افضل جونپوری پر اتنا اثر ہوا کہ شاگرد کی وفات کے بعد ان کے لبون پر کبھی مسکراہٹ نہین دیکھی گئی اور کل چالیس روز کے بعد وہ بھی شاگرد سے جا ملے[3]، شجاع ملا محمود جونپوری

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۱۶۱ ج ۱۔ [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۸۳ دار الترجمہ حیدرآباد دکن۔ [3] تذکرۃ العلماء ص ۲۲۱،

نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

عید قربانست و می خواہم کہ قربانت شوم　　　　ہمچو چشم گوسپند کشتہ حیرانت شوم

ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر مراد کی سواری عید گاہ جا رہی تھی، سعید قریشی مجرا کے لیے حاضر ہوا، مراد نے اس سے دریافت کیا کہ عید الفطر کی تہنیت مین اس نے کچھ کہا ہے یا نہین، اتفاق سے سعید قریشی نے کچھ کہا نہیں تھا، اور پوچھنے کے بعد مراد نماز مین مشغول ہو گیا، سعید قریشی کو موقع مل گیا، اس درمیان مین اس نے ایک غزل تیار کر لی، مراد نماز پڑھ چکا تو سعید نے غزل پیش کی، مراد شراب کا بڑا دلدادہ تھا، اس غزل مین اس کی خاص رعایت رکھی ہے،

روز عید ست لب خشک بمی آلود کنید　　　　چارۂ کار خود اے تشنہ لبان زود کنید

دیر گاہیست کہ از دیر مغان دور تریم　　　　زود باشید بکف جام ز ر اندود کنید

شربت حب نبات لب جان بخش ایاز　　　　نوش دار وی دل خستۂ محمود کنید

حرف بے صرفۂ واعظ نتوان کرد بگوش　　　　گوش بر زمزمۂ چنگ و نے و عود کنید

ہست بہبود شما بندگی شاہ مراد　　　　بہتر آنست کہ اندیشۂ بہبود کنید

شیوۂ صدق چو سرمایۂ ہر سود بود　　　　ہست امید کزین شیوہ بسے سود کنید

پرورش یافتہ رہ از طالع مسعود سعید　　　　سعی در یافتن طالع مسعود کنید[1]

شاہزادہ مراد نہ صرف غزل سے محظوظ ہوا، بلکہ سعید قریشی کی اس بدیہہ گوئی پر حیرت کا اظہار کیا، مراد کی رندی اور اس کے دربار کی رنگینیون کی خبر شاہجہان کو پہنچی تو اس نے اپنے ایک ہوشمند اور زیرک امیر علی نقی کو مراد کی نگرانی کے لیے بھیجا، علی نقی سعید قریشی کو ناپسند کرتا تھا، اس کی وجہ سے دونون مین اتنا عناد بڑھا کہ سعید قریشی کی جان کے لالے پڑ گئے، چنانچہ ایک رات

[1] مراۃ الخیال ص ۲۶۳۔

ہندی کلام کا مجموعہ "کبت بچار" کے نام سے موسوم ہے، اس مین سلطان زین الدین محمد بن شاہ شجاع کی مدح مین بھی بہت سی کبتائین ہین[1]

شاہزادہ مراد کا سب سے محبوب شاعر سید قریشی تھا، جو ملتان کا باشندہ تھا، جب مراد کو گجرات کی نظامت تفویض ہوئی، تو سید قریشی بھی اس کے ساتھ گیا، اور اپنی بذلہ سنجی، شیرین بیانی، اور شعر گوئی کی بدولت مراد کی نگاہون پر اتنا چڑھا کہ دربار کے تمام امرا اس پر فریفتہ ہو گئے، مراۃ الخیال کا مصنف اس کی تعریف مین یون رطب اللسان ہے،

"بیان بزرگی صوری و شرح حالت معنوی وذکر وسعت مشرب و اظہار محاسن شیم و ابراز مکارم اخلاق و اداے کشادگی پیشانی و تقریب تعیین وقت و تحریر استعداد سخنش زبان قلم و قلم زبان بر نتابد"

اوائل ملازمت مین ایک روز سید قریشی مراد کے دربار مین جانا چاہا تو اوفہ غسلخانہ نے جو کیے "ز چیلہ ہا بود" اندر آنے کی اجازت نہ دی، سید قریشی نے فوراً یہ رباعی لکھ کر مراد کے پاس بھیجی:

اے شاہ جناب تو چو جناب اللہ است ۔۔۔ ہر حکم تو چون حکم کتاب اللہ است

این چیلہ دیو فعل مانع درست ۔۔۔ ابلیس صفت مانع باب اللہ است

مراد رباعی پڑھ کر بہت محظوظ ہوا، اور سید قریشی کو زنانخانے کے علاوہ ہر جگہ آنے جانے کی اجازت دیدی،

ایک بار عید اضحیٰ کے موقع پر مراد اپنے ہاتھون سے بکرا ذبح کر رہا تھا، بکرے کی آنکھون پر پٹی بندھی تھی، مراد نے بکرے کی آنکھ میں دیکھنا، اس کی نظر سید قریشی کی طرف اٹھی، سید قریشی

[1] مآثر الکرام جلد دوم ص ۲۲۴،

چه آن بلند اقبال تا لذت شکار یافته اند، از اکتساب کمالات از خواندن و نوشتن وماندن دست باز داشته، چندان رغبتے باین امور ندارند ایشان را چون خواهم گذاشت که بدین شغل از کسب کمال باز مانند"

سلطان محمد کو اورنگزیب کی خاص ہدایت تھی کہ وہ ترکی زبان سیکھ کر اس مین بول چال کی مہارت پیدا کرے، مغل فوج مین ترکی النسل سپاہی اور افسرون کی تعداد کافی ہوتی تھی اس لیے اس سے براہ راست تعلق رکھنے کے لیے ترکی زبان کا سیکھنا تیموری شاہزادون کے لیے ضروری تھا، مگر سلطان محمد کو اس زبان سے رغبت نہ تھی، چنانچہ جب وہ شمالی ہند کی ایک مہم پر روانہ ہوا تو ترکی کے استاد کو ساتھ نہ لے گیا، اورنگزیب کو یہ ناگوار ہوا، اس نے غصہ کی حالت مین ایک خط لکھا، کہ استاد کو اپنے پاس بلا کر ترکی مین گفتگو کرنے کی مشق جاری رکھے، سلطان محمد نے اپنے استاد کی پیری وناتوانی کا عذر کرکے اس سے اغماض کرنے کی کوشش کی، مگر اورنگزیب نے قبول نہ کیا، اور دوبارہ ایک غضب آلود رقعہ لکھا،

پیری وناتوانی او عذر نمی شود، واگر باشد، عذر بے فراست، آن جوان بخت در حضر نیز او را معدوم انگاشته درین یکسال که او نوکر است ومبلغہا در وجہ مواجب از سرکار ما یافته اصلا التفاتے بخواندن ترکی نداشتند وجہ بجہت عالی از تعین معلمان کسب کمالات ایشان است والا این ہمہ ممنونیت آن مردم چرا بایستے کشید؟ ہرگاہ آن والاگہر قدر این عواطف ندانسته وفرصت را مغتنم نداشته در تحصیل امورے کہ سبب آراستگی وکمال نفس انسانیت و ابنائے سلاطین را پیرایہ خوشتر ازان نیست رغبت نہ نمایند، ما را چہ زیان، الحال کہ بہوش آمدہ اند ونیک را از بد می شناسند، وآنچہ بہبود ایشان باشد خود کوتاہی نخواہند نمود"

اورنگزیب سلطان محمد کو فارسی تحریر وتقریر میں مہارت اور پاکیزہ لکھنے کی بھی برابر ہدایت کرتا رہتا تھا

مراد کو اطلاع کیے بغیر گجرات سے نکل بھاگا، مراد کو خبر ہوئی تو اس کی جدائی گوارا نہ کر سکا، اور اس کو واپس بلانے کے لیے قاصد دوڑائے، لیکن سعید قریشی نے واپس آنے کے بجائے یہ غزل معذرت میں لکھ بھیجی[1]

مشکل بود بکوی تو دیگر نشست ما ۔۔۔ پیچیدہ است زلف تو بر شکست ما

چون سبزہ دور تو بجز پا فتادگی ۔۔۔ اے سرو من بگو کہ چہ آید ز دست ما

در دم کہ با رقیب تو خود را نشان کند ۔۔۔ جز تیر بے خطا کہ برآمد ز شست ما

دل بستہ در خیال میان چاہ بند زلف ۔۔۔ سد سکندری شدہ این بند بست ما

فارغ ز دین و کفر شدہ بعد ازین سعید ۔۔۔ ما و سر نیاز و بت خود پرست ما

سلطان محمد یہ اورنگزیب عالمگیر کا سب سے بڑا لڑکا اور نواب بائی کے بطن سے تھا، اورنگزیب ایک شفیق اور دور اندیش باپ کی طرح اپنے لڑکوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا تھا کہ اسکے بعد اس کی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا جانشین لائق اور ہوشمند شخص ہو، مگر اسکی یہ کوشش بار آور نہیں ہوئی تو پہلے سلطان محمد کو مختلف رقعات میں سفر و حضر کی حالت میں سونے جاگنے نہانے دھونے، کھانے پینے، اور نماز و ذکر وظائف میں مشغول ہونے، لکھنے پڑھنے اور شکار کھیلنے دربار منعقد کرنے یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے، امراء سے ملنے جلنے اور فوجوں کے معائنہ کرنے وغیرہ کو لائحہ عمل لکھتا رہتا تھا، اس میں خاص اوقات میں کلام پاک کی تلاوت اور عربی زبان کے مطالعہ کی بھی تاکید ہے، مگر سلطان محمد کو تعلیم سے زیادہ شکار سے دلچسپی تھی، اس لیے اورنگزیب کبیدہ خاطر ہوکر اس کو لکھتا ہے:۔

"ما ازین کہ ایشان را پیش از وقت در خدمت خود شکار بردہ ایم تاسف داریم، چہ

---

[1] مراۃ الخیال ص ۲۶۲ ۔

محمد اعظم شاہ یہ عالمگیر کا بنجھلا لڑکا بائی اودے پوری کے بطن سے تھا، اور شہزادون کی طرح اس کی بھی اعلیٰ تعلیم ہوئی، مورخون اور تذکرہ نگارون نے اس کے علم و فضل کی تعریف کی ہے، اس زمانہ کے بعض مشہور شعراء، مرزا عبدالقادر بیدل، محمد حسین شہرت، میر محمد محمد زمان راسخ، اور حاجی اسلم سالم کی صحبت مین شریک رہنے کی وجہ سے خود بھی کبھی کبھی شعر موزون کر لیتا تھا، اس کی ایک رباعی ہے،

قدر سخن از دو عالم بیش است | با خیل خیال بادشہ درویش است
چو مصرع شوخ نیست فرزند عزیز | یک معنی بیگانہ بہ از صد خویش است[1]

اکبر و کام بخش شاہزادہ اکبر ملکہ ولرس بانو کے بطن سے تھا، ۱۰۹۱ھ مین راجپوتون کے خلاف جنگ مین مشغول تھا کہ ان کے ورغلانے پر باپ سے منحرف ہو کر باغی ہوگیا، اور جب اس کی بغاوت ناکام رہی تو ہندوستان سے بھاگ کر ایران چلا گیا، اور وہان ۴۸ھ جلوس عالمگیری مین فوت ہوا، عالمگیر اس کی دو باتون کا مداح تھا، ایک یہ کہ اس نے نماز با جماعت کبھی قضا نہین کی، دوسرے مذہب کا اتنا ولدادہ تھا کہ مذہبی جوش مین مخالفین ملت سے کبھی خوفزدہ نہین ہوا[2]،

کام بخش اودے پوری کے بطن سے تھا، عالمگیر کے ۲۰ وین سال جلوس مین حفظ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی، عالمگیر نے اس خوشی مین اس کو خلعت دو اسپ با ساز طلاء، دسر پیچ مرصع و مالائے مروارید و سپر باگل مرصع و ترکش با کمان عطا کیے[3]، مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے، کہ تحصیل علوم مین اپنے تمام بھائیون پر سبقت لے گیا تھا، اس کو ترکی زبان مین خاص مہارت حاصل تھی، اور مختلف اقسام کے خطوط کی کتابت مین استاد زمانہ تھا[4]،

---

[1] تذکرہ روز روشن ص ۵۱ [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ عثمانیہ ص ۲۹۳ [3] رر ص ۱۰۱ [4] رر ص ۲۹۳

اور اس کیلئے خاص خاص کتابوں خصوصاً اکبرنامہ کے مطالعہ کی تائید کرتا تھا، ایک رقعہ میں ہے،

"اگر در نوشتن احتیاط نمود و عبارت مطابق آداب و قاعدہ نباشد جاے انفعال است

در اوقات فرصت بمطالعۂ کتب نیز علی الخصوص اکبرنامہ پرداختہ از مشق انشاء غافل نگردند،

و ہمگی جہد مصروف آن سازند کہ تقریر و تحریر پاکیزہ و پسندیدہ شود تا معانی الفاظ

و ربط مناسب آن بواقعی خاطرنشان نگردد، در گفتن و نوشتن بکار نبرند و ہرچہ گویند و

بنویسند باید کہ فہمیدہ و سنجیدہ باشد"

چنانچہ سلطان محمد نے اکبرنامہ کا مطالعہ شروع کیا، اور جب اورنگزیب کو خط لکھا تو اکبرنامہ کے مصنف کی تقلید میں بسم اللہ کے بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" تحریر کیا، اورنگزیب کو ناگوار ہوا تو اس نے تنبیہ کی،

"مقصود از خواندن اکبرنامۂ شیخ ابوالفضل تتبع عبارت آن کتاب است نہ اتباع مذہب

مصنف کہ از روے بدعت اسلوب مسنون را تغیر دادہ........"

اسی طرح سلطان محمد نے اکبرنامہ کی تقلید میں اپنے عریضہ کو "نشان والا" اور مہر کو "مہر خاص" لکھا تھا، اورنگزیب نے اس پر بھی فہمائش کی، کہ یہ الفاظ شاہی رقعہ اور مہر کے لیے خاص ہونے چاہیئں،

ایک بار سلطان محمد نے اورنگزیب کو لاپروائی میں خراب کاغذ پر برے سطر میں رقعہ لکھدیا، اورنگزیب نے اس کو ڈانٹ کر لکھا،

"ہرچہ بنویسند دست گاہ داشتہ بر کاغذے لائق می نوشتہ باشند بے پروائی

حسن خط را برہم نزنند"

مگر افسوس ہے کہ اورنگزیب کی یہ ساری تربیت رائگان گئی، اور سلطان محمد عنفوان شباب ہی میں دنیا سے چل بسا،

بیگم کا نواسہ تھا، ۱۱۷۲ھ مین قلعۂ معلی دہلی مین پیدا ہوا، اور وہین تعلیم و تربیت پائی، یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، بادشاہ وقت اور شہزادے ایک غیر اسلامی حکومت کے وظیفہ خوار اور نظر بند ہوکر رہ گئے تھے، اظفری بھی قلعہ معلی دہلی مین ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، مگر کچھ عرصہ کے بعد خفیہ طور سے وہان سے فرار ہوگیا، اور جے پور، جودھپور وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچا، نواب آصف الدولہ نے اس کی پذیرائی کی، اظفری لکھنؤ مین سات سال تک رہا، وہان سے مدراس پہنچا، اور وہین ۱۲۳۴ھ مین سپرد خاک ہوا،

اظفری کو عربی فارسی اردو اور ترکی چارون زبانون مین مہارت تھی، آخر عمر مین مدراس پہنچکر انگریزی بھی سیکھ لی تھی، مختلف علوم و فنون مثلاً طب، رمل، عروض، قافیہ اور خصوصاً فن شاعری مین دسترس رکھتا تھا، فارسی اردو اور ترکی مین صاحب دیوان بھی تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کا فارسی اور ترکی دیوان مفقود ہے، اس کا اردو دیوان مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہونے والا ہے، یہ سطور لکھتے وقت اس کی ایک کتاب واقعات اظفری پیش نظر ہے، جس کا اردو ترجمہ مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے، اس مین اظفری نے اپنے سفر کے علاوہ قلعہ معلی کے بہت سے حالات لکھے ہین، اس لیے یہ کتاب تاریخی اور جغرافی حیثیت سے بھی اہم ہے، اس مین شاہ عالم کے زمانہ کے بہت سے ایسے حالات درج ہین، جو عام سیاسی تاریخون مین نہین ملتے، نظر بند شہزادون کے عادات و اطوار، رسم و رواج، جادو منتر اور عملیات کے متعلق بھی بہت سے معلومات ہین، پھر قلعہ سے فرار ہونے کے بعد اس نے جن جن مقامات کی سیر کی، وہان کی عجیب عجیب چیزون، رسم و رواج اور معتقدات کا بھی ذکر کیا ہے، آخر مین اپنی مختلف تالیفات کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے:-

اپنے قیام لکھنؤ کے زمانہ مین مین نے ایک سال کم اندر ایک ترکی چغتائی لغت کی

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کی تاریخ جنگ وجدل اور انتشار و اختلال کی ایک داستان ہے مورخین اس دور کے خون آشام واقعات کو قلمبند کرنے میں ایسا محو ہوگئے، کہ ان کی ساری توجہ بادشاہ وقت اور امرار کی سیاست اور ریشہ دوانیوں میں الجھ کر رہ گئی، اس لئے شاہزادوں کے علمی حالات پر تاریکی کے پردے پڑ گئے، حالانکہ اورنگزیب کے پوتے شہزادہ عظیم الشان کے بارے میں عام طور سے مشہور ہے کہ جب اس نے اشوک کے دار السلطنت پاٹلی پتر یعنی شہر پٹنہ کو عظیم آباد کے نام سے مستقر حکومت بنایا تو وہ شاہجہان آباد دہلی ہی کی طرح سیاسی اور علمی حیثیت سے نمایاں ہوگیا، مگر اس زمانہ کی علمی مجلسوں کے غلغلے مستند متداول تاریخوں میں بند نہیں ہوئے، اس لیے شہزادہ عظیم الشان کے علمی کارناموں پر اعتبار و وثوق کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی جا سکتی،

آخری شاہان تیموریہ سے اکبری جاہ وجلال، شاہجہانی سطوت و شہامت اور عالمگیری تدبر و ہوشمندی رخصت ہو چکی تھی، اسی کے ساتھ وہ اپنی زبان بھی کھو بیٹھے تھے، محمد شاہ کے زمانہ سے دربار میں عام چرچا اردو زبان ہی کا رہنے لگا، اور زمانہ کے عام مذاق کے مطابق دربار کے شہزادے اسی زبان میں غزل گوئی کی مشق کرنے لگے. غزل گو شہزادوں کی تعداد بہت ہے، لیکن ہم مثال کے طور پر صرف دو چار ایسے شہزادوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کی سخنگوئی اور علم نوازی کا حال بعض مستند تذکرہ نویسوں نے بھی لکھا ہے لیکن ان کے علمی ذوق پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک ایسے باکمال شہزادہ کا ذکر ضروری ہے، جو اگرچہ تخت و تاج کے وارثوں میں نہ تھا لیکن علمی حیثیت سے تیموری خاندان کا نہایت ممتاز شہزادہ تھا،

مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی	یہ مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی ہے، یہ شاہ عالم بادشاہ کا ہم جد اور اورنگزیب عالمگیر کی پوتی نواب عفت آرا

مرزا جہاندار شاہ | شاہ عالم ثانی کے جن لڑکون نے باپ سے شعروشاعری کا ذوق ورثہ مین پایا، ان کے نام حسب ذیل ہین،

مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ، مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ،

شاہ عالم نے مرزا جہاندار شاہ کو ولی عہد بنایا تھا، مگر اس نے عالم شباب مین سفر آخرت کیا، واقعات اظفری، طبقات الشعرا، مجموعۂ نغز، تذکرۂ ہندی اور گلزار ابراہیم اور گلشن بیخار مین اس شاہزادہ کا ذکر شاعرون کی فہرست مین اچھے الفاظ مین کیا گیا ہے، واقعات اظفری کے مصنف کا بیان ہے کہ شاہزادہ جہاندار شاہ بہت بذلہ سنج، ظریف اور شوخ طبع تھا، اس کے اردو اشعار مین بڑی شوخی تھی، موسیقی سے بھی ذوق رکھتا تھا، فارسی اور اردو دونون زبانون مین جہاندار تخلص کرتا تھا،

طبقات الشعرا، مولفہ قدرت اللہ شوق سنبھلی مین ہے۔

جوانی بود مجمع قابلیت...... جدت ذہن وجودت طبع وفہم رسا وفکر بجا داشت واشعار فارسی وہندی ہر دو را موزون می ساخت"

قدرت اللہ قاسم نے اس کو "شیرین گفتار" لکھا ہے، گلزار ابراہیم کے مصنف نے اس سکھوج دوسخا کے بیان مین بڑی تر زبانی دکھائی ہے، یہ شاہزادہ ۱۱۹۶ھ مین دہلی سے لکھنو آیا اور یہان آکر اس نے جو علمی بزم سجائی اُس کا حال گلزار ابراہیم مین اس طرح ہے:

اس شاہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر راغب تھی کہ مہینے مین دو مرتبہ مشاعرہ کی اپنے دولت خانہ مین ٹھہرائی تھی، شعراے باوقار کو اپنے چوبدار بھیجکر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر ایک سے نہایت التفات اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے، چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا تو اس ہیچمدان نے یہ عذر کہہ بھجوایا کہ

کتاب تالیف کی جس مین قدیم مؤلفین کے طرز کے خلاف تفصیل کے ساتھ آسان طریقے پر نئے نئے فوائد لکھے ہین۔

ایک مہینہ مین نسخہ "محبوب القلوب" کا مقفیٰ نثر مین فارسی زبان مین ترجمہ اور کچھ اُس پر اضافہ کیا ہے، اصل کتاب میر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائی کی تصنیف اور ترکی زبان مین ہے۔

ایک ہفتہ مین "نصاب ترکی" صنعت مقلوبات مین مرتب کین، جس مین دو سو شعر ہین، تین روز مین امیر خسرو کی "خالق باری" کے جواب مین اسی وزن پر ایک مختصر رسالہ ترکی اور ہندی زبان مین مرتب کیا، اس مین ساڑھے چھ سو شعر ہین، اور اسکا نام مین نے تنکری تار رکھا ہے۔

حکیم حسین رضا خان کی استدعا پر جو ہماری سرکار کے ملازم ہین، چند ہفتون کے اندر بقراط کے "رسالہ قبریہ" کا فارسی مین ترجمہ کیا، پھر اسے نظم کا لباس پہنایا، یہ رسالہ عربی زبان مین مریضون کی ردی علامتون کے بیان مین ہے۔

اس کے بعد نسخہ "سانحات" کی تالیف مین مشغول ہوا جسمین میری اکثر نصیحتین تنبیہین مذکور ہین، اب تک اس مین ایک سو نو سانحے درج ہو چکے ہین۔

جس وقت مین عظیم آباد پہنچا تو رائے ٹیکا رام کی خواہش پر سات دن کے اندر ایک اور کتاب "نصاب ترکی چغتائی" تصنیف کی جس مین چار سو باون اشعار ہین۔ رائے ٹیکا رام ہمارا موروثی خانہ زاد ہماری سرکار کا بخشی .... ہے۔

جب مین مقصود آباد مین وارد ہوا تو .... مرزا جان طپش کی خواہش پر اپنے واقعات کی تالیف شروع کی (واقعات اظفری مراد ہے)

طبقات الشعراء:-

زلف آسیختہ جو رخ پہ صنم رکھتے ہین　　روز اور شب کو باعجاز بہم رکھتے ہین

میرا دل انگار بھی کچھ گل سے کم نہین　　منظور ہو جو گوشہ دستار کے لیے

جز جیب و آستین نہین مونس جہان مین کوئی　　دیکھا تو اپنے دیدۂ خونبار کے لیے

اس زلف عقدہ گیر کا کیتا رلے صنم　　بس ہے جہان کے سبحہ و زنار کے لیے

گلزار ابراہیم مین ہے:-

نہ پوچھو دہر مین کیا کر چلے ہم　　اسی ہی آرزو مین مر چلے ہم

رہے اک شب جو اس ماتم کدے مین　　بسان شمع رو رو کر چلے ہم

تذکرۂ ہندی:

کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی　　پر جفا جو یہ تری حت کی لڑائی نہ گئی

قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے　　وضع نالہ کی مری اس سے اڑائی نہ گئی

بیمار عشق ابتک جانبر بھی کوئی ہوا ہے　　تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے

پچھتائیگا تو اک دن سنتا ہے اے جفا دار　　دیتا تو ہے دل اس کو لیکن برا کرے ہے

کون مسکش ہے جہاندار آج گذرا باغ مین　　ہاتھ مین ہر شاخ گل کے مے کا پیالہ دکھیا

مرزا احسن بخت قدرت اللہ شوق سنبھلی نے اپنے تذکرہ طبقات الشعراء مین شہزادہ کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے:

> از راہ قابلیت ذاتی برائے تفنن طبع گاہے متوجہ فن شعری شود و سال وماہے غزل فارسی و ہندی ہم می رساند این چند ابیات آن احسن بخت کہ بزبانی بعضے نقرا و منصب داران او بسمع رسید تحریر می آید، اگرچہ نومشق است فاما ذہن صاحب فکر

کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بس کہ ان صحبتون مین مناظرہ ہی کو یاران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی مین حاضر ہون اور اس تخم ناکاشتنی بے مغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض مین بوؤن، پذیرانہ ہوا، اور پھر چوبدار آیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا حاضر ہونا مشاعرے مین نہایت ضروری ہے، مناظرہ کا مطلق ہمارے یہان نہین دستور ہے، غرض دیا سے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا، اور شرف سعادت بلازمت کا حاصل ہوا، مکرر غزلین اس دن ازراہ تفضلات کے پڑھوائین، اور ہر شعر پر کیا کہون کہ کیا کیا عنایتین فرمائین، پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا، اور سامعین کو مورد عنایت و امداد فرمایا۔[1]

اس شہزادہ کا انتقال ۱۲۰۰ھ مین بمقام بنارس ہوا، مختلف تذکرون مین اس کے اشعار منقول ہین، نمونہ کے طور پر ہم یہان اس کے کچھ اشعار درج کرتے ہین،

واقعات اظفری :-

تری جب سے الفت کے پالے پڑے ہین
ہمین اپنے جینے کے لالے پڑے ہین

پھرے ڈھونڈتے پا برہنہ تجھے
یہانتک کہ پاؤن مین چھالے پڑے ہین

فارسی کلام

فتاد مشکل دیگر ز عشق جان مرا
کہ کس نمی شنود شرح داستان مرا

فزودہ ام غرورت ز غرض بیتابی
باین گناہ برآرد کسے زبان مرا

دلم ز سینہ برآرید و پیش او ببرید
زنام ما بہ رسانید این بیان مرا

[1] گلزار ابراہیم، انجمن ترقی اردو ص ۹۔ گلشن بے خار مین اس شہزادہ کے متعلق یہ الفاظ ہین:-
"بفہم و فراست و عقل و کیاست ممتاز اقران و امثال خود بود۔"

جلسے رہتے تھے، جو محفل ایسے گلشن فصاحت کے گلدستون سے سجائی جائے وہان کی رنگینیان کیا کچھ ہون گی، جی چاہتا تھا کہ ان کی باتون سے گلزار کھلا دون، مگر اکثر پھول ایسے فحش کانٹون مین الجھے ہوئے ہین، کہ کاغذ کے پرزے ہوتے جاتے ہین، اس لیے صفحہ پر پھیلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، پہلے مرزا سلیمان شکوہ مصحفی سے اصلاح لیا کرتے تھے، جب سید انشا پہنچے، تو مصحفی کا مصحف طاق پر رکھا گیا، بزرگون سے سنا، اور طرز کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادہ موصوف کے سر دیوان کی غزل اور اکثر غزلین بھی سید ممدوح کی اصلاح کی ہوئی یا لکھی ہوئی ہین،

فحش کانٹون سے مراد شاید سلیمان شکوہ کے دربار کے اہل علم اور شعراء کا حسد اور رشک و رقابت ہو، مولوی عبد الحق صاحب (انجمن ترقی اردو) تذکرۂ ہندی مؤلفہ غلام ہمدانی مصحفی کے مقدمہ مین رقمطراز ہین :-

دلی کے شہزادے، شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ اس زمانہ مین لکھنؤ مین تھے۔ صاحب عالم نے لکھنؤ کی سرزمین پر چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی، اور سارا ٹھاٹھ وہی قائم کر رکھا تھا، دلی سے جو جاتا پہلے ان کی سرکار مین اپنا ٹھکانا ڈھونڈتا، شعر و سخن سے ذوق رکھتے تھے، اور شعراء اور اہل کمال کے قدردان تھے، انشاؔ، جرأتؔ، سوزؔ، مصحفیؔ وغیرہ انھی کے دربار مین ملازم تھے، یا انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے تھے، بارہ سو سات آٹھ ہجری مین مصحفیؔ بھی میر انشاء اللہ کی وساطت سے اس دربار مین داخل ہوئے، ہمارے دربارون مین حسد و رشک، رقابت و غمازی اور ساز و باز کی گرم بازاری ہمیشہ رہی ہے ....

انشاؔ، جرأتؔ، اور مصحفیؔ خواجہ تاش اور ہم پیشہ تھے، اول اول شاعرانہ چشمک رہی، بعد مین بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ و جدل اور فحش اور پھکڑ تک پہنچ گئی .... غرض ایک ہنگامہ برپا

مناسب وارد"

اس کے بعض اشعار یہ ہین :-

فرقت مین اسکی یارب کھینچین ہم آہ کبتک
آنکھین تو تھک گئی ہین دیکھینگے راہ کبتک

یاد ہے گلعذار کی صورت
گل ہے نظرون مین خار کی صورت

کیا قیامت ہوا اسکی نوک مژہ
خنجر آبدار کی صورت

مرزا سلیمان شکوہ | مغلون کے آخر زمانہ مین مرزا سلیمان شکوہ کا نام علمی حیثیت سے بہت نمایان ہے، اس شہزادہ کے متعلق قدرت اللہ شوق کا بیان ہے،

مخزن قابلیت وعلم ومعدن انسانیت وحلم ...... از بسکہ جودت طبع وحدت ذہن بسیار وارد، از راہ قابلیتِ ذاتی گاہے متوجہ فن شعری شود وغزل فارسی وہندی ہم می رساند واکثر درخدمت اومشاعرہ شعرا می شود،

گلشنِ بے خار مین ہے :-

مرزا سلیمان شکوہ ...... مدتے جلوہ فزائے لکھنؤ بود، اکثر شعرائے آنجا از خوان نعمتش بہرہ ور وکامیاب بودند، چند سال است کہ دہلی وارد شدہ بود، الحال تربیت شعرائے مستقر الخلافۃ اکبرآباد است" (ص ۱۴۶، مطبع دہلی اردو اخبار پریس)،

سلیمان شکوہ نے دہلی چھوڑنے کے بعد لکھنؤ مین جو علمی مجلس آراستہ کی تھی، آزاد نے اسکی تصویر اس طرح دکھائی ہے،

مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم کے بیٹے تھے، ...... شاعر بھی تھے، چنانچہ عام اہل دہلی کے علاوہ شعراء کا مجمع دونون وقت ان کے ہان رہتا تھا، سودا، میر ضاحک، میر سوز وغیرہ کا ورق زمانہ الٹ چکا تھا، مصحفی، جرأت، مرزا قتیل وغیرہ شاعرون اور شعر فہمون کے

نہوتا آفتاب عشق کا جلوہ اگر پیدا
تو کب ہوتا شب تاریک سے نور سحر پیدا

جلامت استخوان میری تجھے اے عشق کہتا ہون
ہوا ہے اس نیستان بیچ دل سا شیر نر پیدا

قمر اس بت نے جب سے صندلی پوشاک پہنی ہے
ہوا ہے ایک عالم کو تب ہی سے درد سر پیدا

کوئی بتے پر نہ آیا مجرمون کے غیر صبر
مفت میزان ستم مین ہم گئے قاتل کو تل

اے قمر دلگیر مت ہو کھول دینگے آن مین
حضرت مشکل کشا عقدے تری مشکل کی کل

بہادر شاہ کے زمانہ مین قلعہ معلی شعر و شاعری کا گہوارہ تھا، جیسا کہ "آخری شاہان تیموریہ کے ذکر" کے سلسلہ مین اوپر بیان کیا جا چکا ہے قلعہ معلی کے شہزادون مین شاید ہی کوئی ایسا شہزادہ ہوگا جس کو شعر و شاعری سے لگاؤ نہ رہا ہو، اور وہ مشاعرون مین حصہ نہ لیتا رہا ہو، لیکن اس کی تفصیلات طویل بھی ہین، اور اردو کی بعض مطبوعہ کتابون مین ان کے جستہ جستہ حالات بھی ملتے ہین، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین،

ہو گیا جس کے مزے صاحب عالم...... بھی لینے لگے، اور شہروالوں کو ایک دل لگی ہاتھ آگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ انشا، اپنی طراری، تیزی اور رسوخ سے بازی لے گئے، اور مصحفی کو خفت نصیب ہوئی، صاحب عالم کی نظریں ان کی طرف سے پھر گئیں۔"

طبقات الشعرا میں مرزا سلیمان کے اشعار کے جو نمونے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

کس سے سلیمان پوچھے اس کے مکان کا پتا — واقف حال کب کوئی اسکے ہے بود و باش سے

وفور اشک سے کیونکر ہوا اپنی چشم تر خالی — جو دریا جوش سے بہتا ہے سو ہوتا ہے کم خالی

بھرا آتا ہے دل جب دیکھتے ہیں شکل سائل کی — نہیں ہوتا ہے ظرف ہمت اہل کرم خالی

تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیمان — تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا

گلشن بے خزاں میں ہے :۔

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا — کہ شور نالہ ہر ایک خانۂ زنجیر سے اٹھا

گالیاں سیکڑوں ہر بات میں اب دینے لگے — دیکھو جھڑتے ہیں کیا منہ سے مرے یار کے پھول

مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ یہ بھی شاہ عالم کا لڑکا تھا، شاعری میں قمر تخلص رکھتا تھا، قدر اللہ شوق سنبھلی کا بیان ہے:

"جوانے بود وجیہ مجمع قابلیت و نیز عالی حوصلہ و خوش سلیقہ قدر دان انسان کامل بسیار قابل و خوش تلاش و خوش فکر بود، فاما اجلش مہلت نداد۔"

واقعات اظفری میں ہے:

"ہر علم و فن خاصکر خوشنویسی اور آداب و حکمت میں سارے تیموری خاندان میں منتخب تھے، آہ کہ پچیس سال کی عمر میں بعارضہ سرسام دنیا سے چل بسے" (ص ۱۹۴)

اس کے بعض اشعار یہ ہیں:

متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے لکھی گئی تھی، لیکن اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر ایک اہم تالیف ہوگئی، یہ کتاب عرصہ تک پردۂ گمنامی میں پڑی تھی، لیکن انگلستان کی ایک علم دوست خاتون نے اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے، اور اس کو بڑی محنت و کاوش سے اڈٹ کرکے ۱۹۰۲ء میں لندن سے شائع کیا اس کے دیباچہ میں خاتون مذکور نے گلبدن بیگم کی مفصل سوانحعمری لکھی اور کتاب میں بیگمات کے جتنے نام آئے ہیں، ان سب کے بھی حالات قلمبند کئے۔ اس کے علاوہ جابجا جو ترکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، ان کی تحقیق کی، اور پھر فارسی متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی منسلک کیا، اس کتاب کی اشاعت پر مولانا شبلی مرحوم کو بڑی خوشی ہوئی تھی، اور اس پر الندوہ جلد ۵ نمبر ۲ میں ایک مفصل ریویو لکھا تھا جس سے بہتر ریویو آج بھی کوئی اہل قلم نہیں لکھ سکتا ہے۔ مولانا مرحوم نے اس کتاب کی جو خصوصیات اور خوبیاں بتائی ہیں، ہم اس مضمون میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ایک عدیم المثال ادیب اور مورخ کی تحریر کی روشنی میں اس کتاب کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوسکے۔

اس کتاب کی انشاء پردازی کے متعلق مولانا مرحوم رقمطراز ہیں،

"فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں، اور اس میں شبہہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خان ان پر نثار کردی جائیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایون نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اسکے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ کی عام بول چال، طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے۔"

عبارت کی سادگی اور طرز ادا کے بے ساختہ ہونے کی مثالیں بکثرت ہیں، ہم طوالت کے

شہزادیان

ہندوستان کے شاہان تیموری کی علم دوستی اور حسن مذاق کا یہ نمایان ثبوت ہے کہ جہان انھون نے حکومت کا نظم ونسق سنبھالنے اور ملک داری کے لیے اپنے شہزادون کو اعلی تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، وہان انھون نے شہزادیون کو بھی اس سے محروم نہ رکھا، اور نہ صرف ان کے دربار مین علم وفن کی مجلسین قائم تھین، بلکہ ان کے خلوت کدون مین بھی علم وادب کی بزم آراستہ تھی، یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ فتوحات کی معرکہ آرائیون اور جنگ جانشینی کی خون آشامیون کے باوجود تیموریون نے جلوت اور خلوت دونون کو علم وہنر کی شمع سے منور رکھا، چنانچہ علمی حیثیت سے تیموری شاہزادون کے ساتھ ایسی تیموری شاہزادیان بھی ملتی ہین، جن کی ذات پر ارباب علم وفضل کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے،

گلبدن بیگم تیموری شاہزادیون کی علمی بزم مین سب سے پہلے گلبدن بیگم پر نظر پڑتی ہے جو بابر کی بیٹی تھی، بابر کے لڑکون مین ہمایون کامران، ہندال اور عسکری نے میراث مین علم، ادب و شعروشاعری کا ذوق پایا، اسی دودمان فضل وکمال کے گہوارہ مین گلبدن بیگم نے بھی پرورش پائی اور اپنی اعلی تعلیم وتربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابل قدر انشا پرداز اور شاعر ہوئی، فارسی زبان مین اس کی ایک مستقل تصنیف ہمایون نامہ ہے، جو اپنے طرز انشاء کے لیے ایک بے مثل کتاب اور بابر و ہمایون کے عہد کے تمدنی، معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لیے ایک قیمتی ماخذ ہے،

یہ کتاب دراصل اکبر کے حکم سے اکبرنامہ کی ترتیب وتدوین کے وقت بابر اور ہمایون کے

اور ہر قسم کے امور مین ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ، مولانا شبلی مرحوم نے اس کتاب کی ایک اور تاریخی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ گلبدن بیگم تاریخی واقعات لکھنے مین اس بات سے بخوبی واقف ہے، کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہیے، وہ خوب جانتی ہے کہ کونسا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے، اور اس لیے اس کے اسباب و علل سے کہان تک بحث کرنی چاہیے،

ریاض الشعرا، (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) اور مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین گلبدن بیگم کا نام بھی شعرا، کی فہرست مین درج ہے، لیکن دونون تذکرون مین اس کا صرف مندرجہ ذیل ایک شعر منقول ہے اور مسز بیورج نے اسی شعر کو ہمایون نامہ کے دیباچہ مین میر مہدی شیرازی کے تذکرۃ الخواتین سے نقل کیا ہے،

ہر پریروے کہ او با عاشق خود یار نیست   تو یقین میدان کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

اکبر نامہ (جلد سوم ص ۸۱۰) مین ہے کہ گلبدن بیگم کے عالم نزع مین مریم مکانی اس کے سرہانے کھڑی تھی، دونون مین بڑی محبت تھی، مریم مکانی گلبدن بیگم کو بیگم جیو کہکر بار بار پکار رہی تھی، گلبدن بیگم نے آخری بار آنکھین کھولین، اور مریم مکانی کی طرف دیکھ کر یہ مصرع پڑھا،

من نہ مردم عمرت بادا ارزانی

گلرخ بیگم بابر کی ایک دوسری لڑکی گلرخ بیگم صالحہ سلطان بیگم کے بطن سے تھی، وہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتی تھی، اور اشعار موزون کرتی تھی، صبح گلشن مؤلفہ نواب علی حسن خان مرحوم مین اس کی شاعری کا ذکر ان الفاظ مین کیا گیا ہے،

"بگلرخی و شگفتہ روئی و سلیقۂ شاعری سرآمد زمرۂ نسوان، غنچۂ دہانش بہ نسیم اشعار لطیف می شگفت"

ریاض الشعرا، مخزن الغرائب اور صبح گلشن مین اس کی طرف یہ شعر منسوب ہے:۔

ہیچگہ آن شوخ گل رخسار بے اغیار نیست   راست بود است اینکہ در عالم گل بے خار نیست

خیال سے ان کو یہان پر نقل نہین کرتے، مولانا شبلی نے نمونے کے طور پر چند اقتباسات پیش کیے ہین، جو مقالات شبلی جلد چہارم مین پڑھے جاسکتے ہین، البتہ مولانا مرحوم نے جو روزمرہ کے محاورے کتاب سے چن کر جمع کیے ہین، ان مین سے بعض ملاحظہ ہون:

پائے می داد (ہار جاتا تھا)، ظرافت‌ها می کرد (شوخیان کرتا تھا)، بیائید تا یکدیگرم را دریا بیم (آؤ گلے لگین)، خفتن شد (سونے کا وقت آیا) سر حضرت شوم (آپ پر قربان ہون) روستائی گری (گنوار پن) وغیرہ وغیرہ، مولانا شبلی کا بیان ہے کہ اس قسم کی روزمرہ کی زبان اس عہد کی تصنیفات مین بہت کم ملے گی،

مولانا شبلی رقمطراز ہین کہ تاریخی حیثیت سے اس کتاب کی قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس مین اس عہد کے تمدن، شائستگی، معاشرت اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤن کو روشن کرکے دکھایا گیا ہے، مثلاً وہ کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے۔ تو اس کی ہوبہو تصویر کھینچ دیتی ہے، عورتون کے متعلق وہ بہت سے نئے معلومات فراہم کرتی ہے، مثلاً عورتین لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنون سپہگری سے بھی خوب واقف ہوتی تھین، سفر اور سیر و شکار مین عموماً گھوڑے پر سوار ہوتی تھین، بعض اوقات وہ مردانہ لباس بھی پہنتی تھین، مہر انگیز بیگم (یعنی مظفر حسین مرزا بیگمرہ کی بیٹی) کے بارہ مین لکھتی ہے، کہ وہ مردانہ لباس مین ملبوس رہتی تھی، اور مختلف ہنر مثلاً نیزہ بازی، چوگان بازی، تیر اندازی اور ساز بجانے مین ماہر تھی، ہمایون جب ایران گیا تو اس کی ایک بہن ہمیشہ ایک گھوڑے پر سوار اس کے عقب مین چلتی تھی، خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے، تو عورتین بھی گانے مین شریک ہوتی تھین، لیکن یہ احتیاط رہتی تھی، کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہ ہو، عورتون کا نہایت احترام کیا جاتا تھا، بابر کی بیوی ماہم بیگم کابل سے ہندوستان آئی تو بابر دو کوس تک پیدل استقبال کو گیا، ملکی معاملات مین عورتون سے بھی مشورے لیے جاتے تھے،

یعنی اکبر بادشاہ کی مرضعہ تھی، اس لیے اس کا ذکر اس سلسلہ مین بیجا نہ ہوگا، ماہم بیگم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھی، اسی لیے علم و فضل کی ترویج کی خاطر اس نے دہلی مین ایک اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ خیر المنازل کے نام سے قائم کیا، سر سید احمد خان نے آثار الصنادید مین اس کا ذکر کیا ہے، یہ مدرسہ پرانے قلعہ کے پاس واقع تھا، اس کی عمارت اب منہدم ہو گئی ہے، اس پر جو کتبہ منقوش تھا، اس کو سر سید احمد خان نے اپنی کتاب (باب اول صلا) مین نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہے:-

بدوران جلال الدین محمد | کہ باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی | بنا کرد این بنا بہر افاضل
دلے شد ساعی این بقعہ خیر | شہاب الدین احمد خان باذل
زہے خیریت این بقعہ خیر | کہ شد تاریخ او "خیر المنازل"

اس مدرسہ کے ساتھ طلبہ کے لیے ایک بہت ہی حسین مسجد بھی تھی، ایک انگریز ماہر آثار قدیمہ نے اس مسجد کو دیکھکر اس کا دلکش نقشہ ان الفاظ مین کھینچا ہے:-

"مسجد پانی سے گھسے ہوئے نوکدار پتھرون کی بنی ہوئی ہے، جہان نقش و نگار ہین، وہان سرخ پتھر اور گرانیٹ لگائے گئے ہین، پھاٹک گو اب مسمار ہو چکا ہے، لیکن بہت ہی خوبصورت ہے، مسجد کا اندرونی حصہ رنگین پلاسٹر اور چمکدار اینٹون سے مزین ہے، عمارت کا رخ اور پھاٹک رنگین تمغون اور ترشے ہوئے پتھر کے پھولون سے منقش ہین، ان مین رنگ نیلے، زرد، سرخ، ارغوانی، سپید اور سیاہ استعمال کیے گئے ہین، اس مسجد مین صرف ایک گنبد ہے، جس کی گردن نیچی ہے، اس کا کنگرہ بہت ہی عجیب و غریب ہے، جو مسجد قلعہ کہنہ کے کنگرے سے مشابہ ہے، مسجد کی دیوارین عمودی ہین، لیکن منارے ڈھلوان ہین، موتی مسجد کی طرح چھجے سامنے نکلے ہوئے ہین، اس مین حجرے ہین جو اور مسجد مین نہین دیکھے گئے،

سلیمہ سلطان بیگم | یہ بابر کی نواسی اور گلرخ بیگم کی بیٹی تھی، پہلے خانخانان بیرم خان سے بیاہی گئی، اس کے انتقال کے بعد اکبر کے حبالۂ عقد مین آئی، سیاسی واقعات مین اس کا نام نمایان اس وقت ہوا، جب شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، سلیمہ سلطانہ ہی کی مساعی جمیلہ سے اکبر اور سلیم مین مصالحت ہوئی، اس سلسلہ مین اکبرنامہ، منتخب التواریخ اور لب التواریخ مین اسکا ذکر بار بار آتا ہے، جہانگیر اس کی علمی قابلیت کا معترف ہے، اس کے انتقال پر تزک جہانگیری (ص۴۱۱ نولکشور پریس) مین لکھتا ہے :-

"بہ جمیع صفات حسنہ آراستگی داشتند، در زنان این مقدار ہنر و قابلیت کم جمع می شود"

اس کو شعروشاعری سے بھی زیادہ مناسبت تھی، آئین اکبری، اقبال نامۂ جہانگیری، اور مآثرالامرا (جلد اول ص۳۶۷) مین ہے کہ اس کا تخلص مخفی تھا، لیکن مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ اسکا تخلص مخلص تھا، تذکرون مین صرف اس کا ایک شعر نقل کیا گیا ہے :

کاکلت را من زمستی رشتۂ جان گفتہ ام مست بودم زین سبب حرف پریشان گفتہ ام

مخزن الغرائب (ورق ۳۶۰) مین فیضی کے مرثیہ پر حسب ذیل رباعی درج ہے، جو ایک خاتون کا ملہ بیگم کے ذکر مین نقل کی گئی ہے، کاملہ بیگم کے حال مین کسی قسم کا کوئی تعارف نہین، مگر تذکرہ نگار نے رباعی لکھنے سے پہلے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بعض نسخون مین رباعی سلیمہ بیگم کی طرف بھی منسوب ہے۔

فیضی مخور این غم کہ دلت تنگی کرد با پای امید عمر لنگی کرد

میخواست کہ مرغ روح بیند رخ دوست زین واسطہ از قفس شب آہنگی کرد

مورخین سلیمہ بی بی کی کتب بینی کے شوق کے بھی معترف ہین، اس شوق کی تکمیل کے لیے اس کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔

ماہم بیگم | یہ بیگم دودمان تیموری کی چشم و چراغ تو نہ تھی، لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے تیموری بادشاہ

سارا مذاق ہی بدل دیا، پہننے اوڑھنے، بناؤ سنگار، فرش فروش اور زیور و آرایش کی چیزون مین اتنی جدتین پیدا کین، کہ سارے ملک مین یہی رنگ غالب آگیا، اس حسن مذاق کے ساتھ قدرت نے نورجہان کو علم و ادب کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا، ایک علم پرور باپ کی بیٹی اور ایک اعلیٰ ادیب و انشاء پرداز اور شاعر کی بیوی تھی، اس لیے باپ کی وراثت اور شوہر کی رفاقت سے اس کی علمی صلاحیت اور لیاقت کو اتنی جلا ہوئی کہ اب تک اس کی استعداد علمی اور سخن سنجی کی داد دیجاتی ہے، مراۃ الخیال کے مولف کا بیان ہے:-

"در بذلہ سنجی و سخن گوئی و شعر فہمی و حاضر جوابی از نساے زمان ممتاز بود" (ص ۲۱)

ید بیضا مولفہ آزاد بلگرامی (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین ہے،

"نورجہان شعر بسیار خوش سلیقہ است"

اس کی تصدیق منتخب اللباب اور مآثر الامراء سے بھی ہوتی ہے، نورجہان کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے لطیفے آج کل کی علمی مجلسون مین مشہور ہین، مگر پھر بھی اس مضمون مین ان کا اعادہ شاید دلچسپی اور تفریح سے خالی نہ ہوگا،

ایک روز جہانگیر نے لباس تبدیل کیا جس کا تکمہ "لعل بے بہا" کا تھا، نورجہان نے اس کو دیکھتے ہی فوراً یہ شعر پڑھا:

ترا نہ تکمہ لعل است بر قباے حریر   شدہ است قطرۂ خون منت گریبان گیر

ایک موقع پر جہانگیر نے عید کا چاند دیکھکر یہ مصرع موزون کیا،

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نورجہان نے فی البدیہہ دوسرا مصرع پڑھا،

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد[1]

[1] تذکرۂ سرخوش قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال و خافی خان جلد اول ص ۲۷۰، و مراۃ الخیال ص ۲۹،

(ارکیالوجی آف دلی، مولفہ سی اسٹیفن بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ مرتبہ ان لاؔ ص۱۶۶)

یہ مسجد جس فیاضی اور فراخدلی سے طلبہ کے لیے بنائی گئی تھی، وہ ماہم بیگم کی تعلیمی دلچسپی کی بڑی دلیل ہے،

جانان بیگم بیرم خان کی لڑکی، عبد الرحیم خانخاناں کی بہن اور اکبر کے لڑکے شاہزادہ دانیال کی بیگم تھی، بڑی حسین وجمیل، عاقلہ اور تعلیم یافتہ خاتون تھی، اس کی فیاضی اور مکارم اخلاق کا بڑا شہرہ تھا، علما، وفضلاء کی قدر دان اور فقرا، ومشائخ سے عقیدت رکھتی تھی، شاہزادہ دانیال کے انتقال بعد شاہزادہ سلیم اس کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگیا، لیکن اس کی آرزو برنہ آئی، اکبر کے بعد جب وہ خود تاج وتخت کا مالک ہوا تو جانان بیگم کو نکاح کا پیام دیا، اس وفاشعار وعفت مآب خاتون نے اس کے جواب میں کل دانت نکلوا کر اور زلفیں ترشوا کر جہانگیر کے پاس بھجوا دیں، وہ عفت و حیا کا یہ نمونہ دیکھ کر دنگ رہ گیا، اور پھر کبھی نکاح کی خواہش نہیں کی، جانان بیگم زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئی، اور کلام مجید کی تفسیر لکھنے کی سعادت بھی حاصل کی، شاعرہ بھی تھی، کلام کا نمونہ یہ ہے

خیز تا رہ بہ گذار کنیم　　خویش را چشم انتظار کنیم
زرہ امن وسلامت کیسے باور برسد　　غبارے تا نشود خاک پا بار نرسد[1]

نورجہان بیگم نورجہان بیگم بھی نسلاً تیموری نہ تھی، لیکن ایک تیموری حکمران کی بیوی بن کر شاہی حرم اور حکومت کے لیے باعث رونق وزینت بنی، اس لیے اگر اس کا ذکر ان صفحوں میں نہ کیا جائے گا تو ہماری یہ کتاب نامکمل رہے گی،

نورجہان نے شاہی محل میں داخل ہوتے ہی اپنے جمالیاتی ذوق سے حرم کی عورتوں کا

---

[1] مراۃ العالم ورق ۵۰۳

دل بصورت ندہم تا شدہ سیرت معلوم — بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم

زاہدا ہول قیامت مفگن در دل ما — ہول ہجران گذرانیدیم قیامت معلوم

مفتاح التواریخ میں یہ دو رباعیاں بھی نورجہاں کی طرف منسوب ہیں؛

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار است — کلید قفل دل ما تبسم یار است

نہ گل شناسد و نہ رنگ و بونہ عارض و زلف — دل کسے کہ بحسن و ادا گرفتار است

دیگر

چو بردارم ز رخ برقعہ ز گل فریاد برخیزد — زنم بر زلف اگر شانہ ز سنبل داد برخیزد

باین حسن و کمالاتے چو در گلشن گذر سازم — ز جان بلبلان شور مبارکباد برخیزد[1]

نورجہان شعرا کی بھی سرپرست تھی، مراۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے کہ "دانش آموز سخن دان نواب قاسم خان" شاعر کی حیثیت سے نورجہان ہی کی سرپرستی اور قدردانی سے ممتاز ہوا۔ نواب قاسم خان نورجہان کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کا شوہر تھا، نورجہان کی وساطت سے جس طرح قاسم خان کو شعر و شاعری میں فروغ حاصل ہوا، اسکا حال مؤلف تذکرہ مراۃ الخیال اس طرح لکھتا ہے:-

"نورجہان بیگم را قاسم خان مناظرہ و مشاعرہ بسیار دست می داد، اگر در فن شعر مسلم نمی داشت تا آنکہ طرح غزلے تازہ درمیان آمد و شعرائے پائے تخت از ان در ماندند و قاسم خان این سہ بیت نوشتہ نزد بیگم فرستاد، و از ان ہنگام زود طبعش در سخنوری قبول نمود، ابیات این است؛

[1] یہ رباعیاں کسی اور تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گذریں، تعجب ہے کہ مفتاح التواریخ میں ذیل شعر نورجہان کا بتایا گیا ہے،

نورجہان گرچہ بصورت زن است — در صف مردان زن شیرافگن است

مفتاح التواریخ (مولفہ سر طامس ولیم بیل) مین نورجہان کی بدیہہ گوئی کی کچھ اور مثالین منقول ہین، ایک مرتبہ جہانگیر نورجہان سے کئی روز کے بعد ملا، ملنے کی خوشی مین نورجہان کی آنکھون سے آنسو روان ہوگئے، جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھکر یہ مصرع پڑھا،

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نورجہان نے فوراً دوسرا مصرع فی البدیہہ کہا،

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

ماہ محرم ۱۰۲۳ھ مین ایک دم دار ستارہ نظر آیا، نورجہان نے اس کو دیکھکر یہ شعر موزون کیا:

ستارہ نیست بدین طول سر بر آوردہ ۔۔۔ فلک بشاطری شہ کمر بر آوردہ

ملک الشعراء طالب آملی ایک بار شاہی عتاب مین پڑکر محبوس ہوگیا، حالت حبس مین نورجہان کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجا،

ز شرم آب شدم آب را شکستے نیست ۔۔۔ بحیرتم کہ مرا آبروے از چہ شکست

نورجہان نے فوراً یہ لکھکر جواب دیا، "یخ بست و بشکست"[1]،

مآثر الامراء[2] کے مؤلف کا بیان ہے کہ نورجہان کا تخلص مخفی تھا، مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ تیموری شہزادیون مین جس کسی نے شعر و شاعری مین طبع آزمائی کی، اس کی طرف یہی تخلص منسوب کردیا گیا، مراۃ الخیال[3]، منتخب اللباب[4] اور مآثر الامراء[5] کے مؤلفین نے نورجہان کے یہ اشعار اپنی کتابون مین نقل کئے ہین،

---

[1] یہ تمام روایتین میری نظر سے مفتاح التواریخ (ص ۲۴۱) کے علاوہ کسی اور تاریخ اور تذکرہ مین نہین گذرین [2] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۴۳، [3] مراۃ الخیال ص ۲۳۲ [4] منتخب اللباب از خافی خان جلد اول ص ۲۷۰ [5] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۲۴،

مین انعام دیا،[1]

ممتاز محل شاہجہان کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل بھی زیور علم و فضل سے آراستہ تھی، اور وہ نہ صرف سخن فہم، بلکہ سخن سنج بھی تھی، اس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ ایک بار شاہجہان جمنا کے کنارے بیٹھکر دریا کے مناظر دیکھ رہا تھا، کہ اس کی موجون کی طرف اشارہ کر کے ممتاز محل سے کہا

آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگہا

ممتاز محل نے اس کا دوسرا مصرع فوراً موزون کیا،

از ہیبت شاہجہان سر می زند بر سنگہا[2]

جہان آرا بیگم شاہجہان اور ممتاز محل کی بیٹی تھی، جو سیاسی واقعات کے لیے بھی اپنے عہد مین بہت نمایان رہی، ممتاز محل کی گود اور نور جہان کی صحبت اور شاہجہانی عہد کی اعلیٰ علمی فضا مین رہ کر علم و فضل کے لحاظ سے بھی مشہور ہوئی، بچپن مین تعلیم ستی النساء خانم سے حاصل کی

---

[1] مرآۃ الخیال ص ۳۲۳، مخفی کی ایک غزل ملاحظہ ہو،

حل ہر نکتہ کہ بہ پیر خرد مشکل بود ——— از مودیم بیک قطرۂ مے حاصل بود
گفتمش از سر پرسم سبب آخر سخنے ——— در ہر کس کہ زدم ہمچو خودش مائل بود
خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع ——— دفتت او خود زبان انجمن او دل بود
درچمن صبحدم از گریہ و زاری من ——— نالہ سوختہ خون در دل ہا در گل بود
آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند ——— سحر چشم تو بیکدم ہمہ را شامل بود
دولتے بود تماشای رخت مخفی را ——— حیف و صد حیف کہ این دولت مستعجل بود

[2] یہ روایت بعض اردو کی کتابون مین منقول ہو، مگر فارسی تذکرون مین اور تاریخون مین میری نظر سے نہین گذری تھا

گر شوی سایہ نشین رو نبیخت باغبان ... سایہ بر خورشید انداز دو درخت باغبان
فاختہ چون دید بے گل باغ را نالید و گفت ... از چہ رو با گل نرفت این جان سخت باغبان
جشن نوروز است و فراش بہار از فیض طبع ... طرح کرد از سبزہ و گل تاج و تخت باغبان

نورجہاں نے مے کلال کو جس طریقہ سے شاہی دربار میں روشناس کرایا، اس کا ذکر جہانگیر کے سلسلہ میں آچکا ہے، نورجہاں کی مصاحبت میں بعض ایسی عورتیں بھی تھیں جو شاعری میں کافی دسترس رکھتی تھیں، ان ہی میں ایک مہری ہروی تھی، جس کے بارے میں مراۃ الخیال کا مولف لکھتا ہے:

"مسماۃ مہری ہروی خورشید طلعتی بود کہ کرشمہ جمالش عروسان بہشت را جلوہ گری آموختے واز تاب عذارش آفتاب عالم تاب در آتش غیرت سوختے، با این ہمہ حسن و رعنائی بالماس فکر بکر درہاے مضامین آبدار سفتے و سخن را بسیار نازک گفتے"

مراۃ الخیال میں مہری ہروی کا ایک دلچسپ لطیفہ درج ہے، نورجہاں مہری ہروی کے ساتھ محل کے بالانشین پر بیٹھی تھی، کہ مہری ہروی کا شوہر خواجہ حکیم نیچے نظر آیا، نورجہاں نے ہروی کو اس کے شوہر کو اوپر بلا لینے کا حکم دیا، حکم پاکر خواجہ حکیم نے اضطراب اور عجلت میں حاضر ہونے کی کوشش کی، مگر گھبراہٹ میں اس کے پاؤں لڑکھڑائے، اس اضطراب، عجلت اور گھبراہٹ کی حالت کو دیکھکر نورجہاں نے مہری ہروی کو ان کیفیات پر اشعار موزوں کرنے کی فرمایش کی، مہری ہروی نے خواجہ حکیم کو مخاطب کرکے کہا:

مرا با تو سر یاری نماندہ ... بسر مہر و وفاداری نماندہ
ترا از ضعف پیری قوت نماندہ ... چنانکہ پائی رفتاری نماندہ

نورجہاں ہنس پڑی، اور مہری کو اس صلہ میں نقد و جنس کی صورت

خسرو ملک فنا بے تخت و تاج — از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا — از خودی بیگانہ با حق آشنا
کردہ مرغ همتش ز اوج کمال — بیضۂ افلاک را در زیر بال
اختر برج سپہر لم یزل — گوہر درج کمال بے بدل
آن معین دین و ملت بے نظیر — فارغ از دنیا بملک دین امیر
در ثنائے او زبانم را چہ حد — فیض او باید کہ فرماید مدد

وہ جب حضرت معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئی تو وہاں کے جن تاثرات کو قلمبند کیا ہے، ان سے بھی اس کی والہانہ عقیدتمندی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے،

"می گوید فقیرۂ حقیرہ جہان آرائے کہ چون از یاوری بخت و فیروزی طالع از دار الخلافہ اکبرآباد در خدمت والد بزرگوار خود متوجہ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر شدم از تاریخ ہژدہم ماہ شعبان المعظم سنہ یکہزار و پنجاہ و سہ ہجری تا تاریخ جمعہ ہفتم ماہ رمضان المبارک کہ داخل عمارات کنار تال اناساگر گشتم، موفق شدم باین معنی کہ ہر روز و ہر منزل دو رکعت نماز نافلہ ادا می کردم و یکبار سورہ یٰسین با فاتحہ از کمال اخلاص و عقیدتمندی خواندہ و ثواب آنرا بر روح پر فتوح مطہر منور حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ نثار می نمودم و چند روز کہ در عمارات مذکورہ توقف واقع شد، از نہایت ادب شبہا بر پلنگ نخوابیدم و بطرف روضۂ منورہ حضرت پیر دستگیر پا دراز نکردم، بلکہ پشت بآنجانب نکردم و روزہا در زیر درختان می گذرانیدم.......... و در مسجد سنگ مرمر کہ پدر بزرگوار حق شناس این حقیرہ راست کردہ اند، رفتہ نماز ادا کردہ و باز در گنبد مبارک نشستہ سورہ یٰسین

جو ملک الشعرا طالب آملی کی بہن اور حکیم رکنا کاشی کے بھائی کی بیوی تھی۔ یہ خاتون حافظ تھی، اور زبان دانی، ادب شناسی اور علم قرأت و تجوید میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی، ممتاز محل اور شاہجہان دونوں اس کے قدردان تھے، ممتاز محل کی مہر دار تھی، اور اس کے انتقال کے بعد محل کی "صدارت" اسی کے سپرد ہوئی، اس کی وفات کے بعد شاہجہان نے تیس ہزار روپے خرچ کر کے اس کا مقبرہ بنوایا، جو روضۂ تاج گنج میں ہے، جہان آرا بیگم نے اسی خاتون کے زیر تعلیم رہکر قرأت اور تجوید سیکھا،[۱] اور یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جہان آرا بیگم نے اعلیٰ قسم کی تعلیم پائی، کیونکہ وہ مصنف بھی ہوئی اور شاعر بھی جب صرف ۲۷ سال کی تھی تو اس نے ۱۰۴۹ھ میں مونس الارواح لکھی، جس میں حضرت معین الدین چشتیؒ اور ان کے سلسلہ کے اکابر خلفا مثلاً شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت قطب الدین کاکیؒ، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، اور حضرت چراغ دہلویؒ کے بہت ہی عقیدتمندانہ احوال مندرج ہیں، جس سے اس کے مذہبی اور صوفیانہ ذوق کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب کی تالیف میں اس نے بڑی احتیاط کی ہے، چنانچہ ایک جگہ وہ رقمطراز ہے۔

"احوال این بزرگان که مقربان درگاہ صمدیت اند از کتب و رسائل معتبرہ باحتیاط تمام بیرون آوردہ بقید تحریر آوردہ شد، و اعتقاد این ضعیفہ آنچہ درین رسالہ ثبت گردیدہ صحت تام دارد، امید کہ خوانندگان را فیض و بہرۂ تمام ازان حاصل آید۔"

اس احتیاط کے علاوہ کتاب کی دو اور خصوصیات ہیں، ایک تو یہ کہ یہ بہت ہی ادب اور احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے، حضرت معین الدین اجمیریؒ کے ذکر کی ابتدا ان اشعار کے ساتھ کرتی ہے،

آن شہنشاہ جہانِ معرفت ذات او بیرون ز ادراک و صفت

[۱] مآثر الکرام جلد دوم ص ۹۲-۹۵۔

اُن سے جہان آرا کی عقیدت و ارادت سنِ کہولت مین بھی بدستور قائم تھی، اس قلمی نسخہ کا سائز ۱۷ × ۲۲ ہے، ہر صفحہ مین گیارہ سطرین ہین، اور کل صفحات کی تعداد ۴۴ ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اس کو ایک بڑی رقم مین خریدا تھا، اور اپنی قلمی کتابون کے ذخیرہ مین اس کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے، (الندوہ، اپریل سنہ ۱۹۱۱ء) یہ کتاب خطاطی کے اعلیٰ نمونہ کے طور پر لندن کی نمایش منعقدہ مئی سنہ ۱۹۱۱ء مین بھی بھیجی گئی تھی،

جہان آرا کے علمی مشاغل مین زیادہ تر صوفیاے کرام کے حالات کا مطالعہ ہی رہا کرتا تھا، مونس الارواح مین ایک جگہ لکھتی ہے،

این ضعیفہ راجیہ از اداے فرض و واجبات و تلاوت قرآن مجید ہیچ امرے شریف تر از ذکر حالات و مقامات اولیاے کرام قدس اللہ ارواحہم نمی داند، بنا بران خلاصۂ اوقات خود را بمطالعہ کتب و رسائلے کہ مشتمل بر احوال سعادت مآل بزرگان دین واکابر صاحب یقین ست صرف می نماید[1]

[1] جہان آرا بیگم کے ایک سوانح نگار نے اس کی تالیفات مین ایک سیاحت نامہ اور ایک مثنوی بھی بتائی ہے، مگر میری نظر سے ان دونون کتابون کے نام کسی مستند تذکرہ اور تاریخ مین نہین گذرے، سنہ ۱۹۳۱ء مین لندن سے ایک انگریزی کتاب ایک انگریز خاتون Andrea Butensch نے Mogul princess. Jahan Ara Begum کے نام سے شائع کی ہے، خاتون مذکور نے اس کتاب کے دیباچہ مین لکھا ہے کہ وہ آگرہ کے قلعہ کو دیکھنے مین مصروف تھی کہ ثمن برج کے ایک شکستہ پتھر کے نیچے سے کچھ مسودے ملے، مسودے کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ جہان آرا کی خود نوشتہ تحریرین ہین، جن کو اس نے شاہجہان کے معزول ہونیکے بعد قلمبند کیا تھا، وہ بھی شاہجہان کے ساتھ قید تھی، اس لیے قید ہی کے زمانہ مین اس نے اپنی پچھلی زندگی کے واقعات

(باقی صفحہ ۴۵۲ پر)

فاتحہ بروح پرفتوح خواندم تا وقتِ نماز مغرب در آنجا بودم و شمع بارواح آنحضرت روشن کردہ، روزہ باب جہالرہ افطار کردم عجب شامی دیدم آنجا کہ بہتر از صبح بود، اگرچہ اخلاص و محبت این فانیان تقاضاے آن نمی کرد کہ باین قسم جاے متبرک پرفیض گوشۂ عافیت رفتہ باز بخانہ بیایید اما چہ چارہ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار رسیداشتم ہمیشہ در روضۂ حضرت کہ عجب گوشۂ عافیت است و من عاشق گوشۂ عافیت ہستم بسر می بردم و بسعادت طواف نیز مشرف می شدم ناچار بچشم گریان و دل بریان بصد ہزار افسوس ازان درگاہ رخصت شدہ بخانہ آمدم و تمام شب طرفہ بیقراری در من بود۔"

مونس الارواح کا سنہ تالیف ۱۰۴۹ھ ہے، لیکن یہ عبارت ۱۰۵۳ھ مین بطور ضمیمہ لکھی گئی ہے، جو دار المصنفین کے قلمی نسخہ مرقومہ ۱۰۶۸ھ مین ہے،

اس کتاب کی دوسری خصوصیت اس کا طرز انشا ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اس کی عبارت کو نہایت "صاف اور شستہ"[1] بتایا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بھی معلوم ہوگا،

مونس الارواح چھپ گئی ہے، مگر اس کا ایک بہت ہی خوشخط نسخہ دار المصنفین مین ہے، یہ نسخہ جہان آرا نے دربار کے مشہور خوشنویس عاقل خان سے وصلیون پر لکھوایا تھا، اور پوری کتاب کو طلائی نقش و نگار اور زرین افشان سے مزین کرایا تھا، اس پر سنہ کتابت ۱۰۶۸ھ مرقوم ہے، یعنی تصنیف کے اونیس سال کے بعد اور جہان آرا کی عمر کے ۵۴ وین سال مین یہ نسخہ لکھ گیا جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب مین جن بزرگون کے حالات ہین،

[1] الندوہ اپریل ۱۹۱۱ء،

جہان آرا بیگم کے اردو سوانح نگار منشی سیل چند، مصنف تاریخ آگرہ کے حوالہ سے اس کا ایک مرثیہ بھی نقل کرتے ہیں، جو اس نے اپنے باپ کی وفات کے موقع پر کہا تھا، اسکے تین اشعار یہ ہیں:

اے آفتاب من کہ شدی غائب از نظر — آیا شب فراق ترا ہم بود سحر؟

اے بادشاہ عالم، وی قبلۂ جہان — بکشائے چشم رحمت و بر حالِ من نگر

نالم چنین زغصہ و با دم بود بدست — سوزم چو شمع در غم و دود دم ز دو زسر

جہان آرا بیگم کے ذوق شعری اور اس سلسلہ میں اس کے جود و سخا کی متعدد روایتیں تذکرون

(بقیہ حاشیہ ص۴۵۲) راجپوت سردار، دارا کی حمایت میں اورنگزیب کے خلاف لڑتا ہے، جنگ میں راجپوت جہان آرا کے ایک دوسرے عاشق کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، مگر اس کا ایک بار کسی طرح سے جہان آرا کو مل جاتا ہے جس کو وہ تھیلی پر نگار کھکر اپنے پاس محفوظ رکھتی ہے، اس کتاب میں اسی قسم کے اور بھی خرافات ہیں۔ سب سے مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ جہان آرا بیگم کا اس ساری دکھایا گیا ہے، اور وہ ہندو دیوتاؤں سے مثلاً شیوجی اور وشنو وغیرہ سے بڑی عقیدت رکھتی تھی، اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں جو محض اورنگزیب اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی گذشتہ تاریخ کو بدنام کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں، برنیئر منوکی اور اسمتھ وغیرہ جیسے حسب یوروپین مورخین نے جہان آرا بیگم کی ذات کے ساتھ بہت ہی نازیبا حکایتیں منسوب کر دی تھیں لیکن سنجیدہ مورخوں نے حقائق کی روشنی میں ان کی تردید کر دی ہے، اب ایک اچھوتے انداز میں پھر اس شہزادی کی ذات پر نارواحملے کیے گئے ہیں، مگر یورپین مورخوں کی ہرزہ سرائی اور دشنام طرازی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ ان کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

اورنٹیل کالج میگزین (اگست ۱۹۳۶ء) میں جہان آرا کے ایک انیس ورق کے رسالہ صاحبیہ پر ایک مضمون شائع ہوا ہے، مضمون نگار کا بیان ہے کہ جہان آرا بیگم نے اس رسالہ میں اپنے پیر و مرشد ملا شاہ بدخشی کے سوانح کے ساتھ اپنے حالات بھی قلمبند کیے ہیں، آخر میں کچھ اسکے اشعار بھی ہیں، یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا ہے اس لیے اس پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔

جہان آرا شاعرہ بھی تھی، مونس الارواح مین جابجا اس کے اشعار درج ہین، نمونہ کے طور پر حمد کے اشعار ملاحظہ ہون:-

آنجا کہ کمال کبریاے تو بود | عالم نمے از بحر عطاے تو بود
ماراچہ حد حمد و ثناے تو بود | ہم حمد و ثناے تو سزاے تو بود

دیگر

اے بوصف بیان ما ہمہ ہیچ | ہمہ آن تو آن ما ہمہ ہیچ
ہرچہ بیند خیال ما ہمہ ہیچ | ہرچہ گوید زبان ما ہمہ ہیچ
ما بکنہ حقیقتت نرسیم | اے یقین و گمان ما ہمہ ہیچ

(بقیہ حاشیہ ۴۵۱) لکھنے شروع کیے، اور انکو ثمن برج کے ایک پتھر کے نیچے رکھکر چھپا دیا کہ ثمن برج کا پتھر جب خستہ ہوجائیگا تو یہ تحریر لوگون کے ہاتھ آئے گی جس سے اس کے اصلی خیالات، جذبات اور حالات روشن ہون گے، تحریر مین رومانی اور تخیلی رنگ بہت غالب ہی، اور اسلوب بیان بہت ہی دلکش اور موثر ہے، چنانچہ اس تحریر کا انگریزی ترجمہ دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ لندن سے ۱۹۳۱ء مین شائع کردیا گیا ہے، ہم نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک بہت ہی غور سے پڑھا، اور اس کو سراسر جعلی اور نقلی پایا، یہ محض ایک نئے اور دلنشین انداز مین جہان آرا بیگم کے اخلاق اور کیرکٹر کو مسخ کرکے دکھانے اور اورنگزیب کی ذات سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش مین لکھی گئی ہے، اس کتاب مین بعض لغو اور لاطائل واقعات ایسے ہین، جن کی تردید کرنا محض تضییع اوقات ہے، مثلاً جہان آرا بیگم راجپوتون کی بہت ہی مداح ہے، وہ ایک راجپوت سردار پر عاشق ہوگئی ہے، وہ شادی اس لیے نہیں کرسکتی ہے کہ اکبر نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ مغل بادشاہون کی لڑکیان رشتہ ازدواج سے محروم رہین، چنانچہ جہان آرا چھپ چھپ کر اپنے محبوب راجپوت سے ملتی ہی عشق و محبت کی باتین کرتی ہے، اور اپنی یاد تازہ رکھنے کیلیے اسکو کئی تحفے دیتی ہے، جب دارا اور اورنگزیب مین خانہ جنگی شروع ہوتی ہی، تو جہان آرا کی محبت اور عشق مین

تذکرہ مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ مرزا محمد علی ماہر نے نو سو اشعار کی ایک مثنوی زیب النساء کی شان میں لکھی جس میں مذکورہ بالا شعر زیب النساء کو بیحد پسند آیا، واللہ اعلم بالصواب

جہان آرا کی علم پروری اور اسکے ساتھ مذہبیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اس نے مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو بہت دنوں تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا،

جہان آرا بیگم نے مرنے کے بعد بھی خواجگان چشتیہ سے اپنی عقیدت قائم رکھی، یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پرانوار کے ٹھیک پائین میں اپنی خواہش کے مطابق دفن ہوئی، اس کی پرہیزگاری، نیکی، انکساری اور ذوق شعری اسکے حسب ذیل شعر سے بھی ظاہر ہے، جو اس کی معمولی اور سادہ قبر پر مکتوب ہے، اس مزار کا کٹہرا تو سنگ مرمر کا ہے، لیکن تعویذ بالکل خام ہے، جو ہمیشہ سبزہ سے ڈھکا رہتا ہے،

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا　　　　کہ قبر پوش غریبان ہمین گیاہ بس است

زیب النساء بیگم | تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گل سرسبد زیب النساء بیگم ہے، یہ اورنگزیب عالمگیر کی سب سے پہلی اولاد دلرس بانو بیگم کے بطن سے تھی، دستور کے مطابق اس کو سب سے پہلے کلام پاک پڑھایا گیا، جس کیلئے عالمگیر کے ایک درباری امیر کی ماں مریم کو مقرر کیا گیا، جو کلام پاک کی حافظ تھی[۱]، زیب النساء نے بھی کلام پاک حفظ کیا، مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ اس سعادت کے صلہ میں عالمگیر نے زیب النساء کو تیس ہزار اشرفیاں لیطور انعام مرحمت فرمائیں[۲]، زیب النساء نے عربی اور فارسی کی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، عالمگیر نامہ مآثر عالمگیری اور مرآۃ العالم میں ہے:-

"از تحصیل علوم عربی و فارسی بہرۂ تمام اندوختہ"

[۱] آثار الامراء ج ۲ ص ۸۲۹　　[۲] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی ص ۳۹۰

مین پائی جاتی ہین، کلمات الشعرا (سرخوش) ریاض الشعرا، اور خزانۂ عامرہ مین ہے کہ جہان آرا بیگم ایک دفعہ باغ کی سیر کو ہاتھی پر برقعہ ڈالے نکلی، میر صیدی طہرانی چھپ کر تماشا دیکھنے لگا، جب ہاتھی اس کے پاس سے گذرا تو اس نے بے ساختہ یہ مطلع پڑھا،

برقع برخ افگندہ بردناز بباغش تانکہت گل بیختہ آید بدماغش

جہان آرا نے حکم دیا کہ شاعر کو کشان کشان سامنے لائین، وہ آیا تو اس سے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچہزار روپے دلوائے، لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کو شہر سے نکال دیا جائے، کیونکہ جہان آرا بیگم کو شعر تو پسند آیا، لیکن گستاخی پسند نہ آئی، مولانا شبلی مرحوم اپنے مقالہ "زیب النسا" مین اس روایت کو نقل کر کے رقمطراز ہین کہ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیگمات کے لیے کس قسم کے آداب مقرر تھے،

کلمات الشعرا، (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) مین جہان آرا بیگم کی علمی فیاضی کی ایک اور مثال درج ہے، مرزا حسن بیگ رفیع قزوینی نے جو شاہجہانی دربار کا ایک معزز منصیدار اور شاعر تھا، شاہجہان آباد پر ایک مثنوی لکھی، اس شہر کے باغ حیات بخش کی تعریف مین جو اشعار کہے وہ جہان آرا کو پسند آئے، اس کے صلہ مین اس نے پانچ سو روپے انعام اسکے پاس بھجوا دیے،

ید بیضا (قلمی نسخہ دار المصنفین) مولانا غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ مرزا محمد علی ماہر نے جہان آرا کی مدح مین ایک مثنوی لکھکر اس کی خدمت مین پیش کی، مثنوی کے اس شعر پر جہان آرا نے اس کو پانچسو روپے انعام دیے،

بذاتِ تو صفات کردگار است کہ خود پنہان و فیضش آشکار است

مگر مولانا غلام علی آزاد اس روایت کو سرو آزاد (ص۱۱۰) مین نقل کر کے لکھتے ہین کہ شعرائکی نظر سے نعمت خان عالی کی اس مثنوی مین بھی گذرا ہے جو اس نے زیب النسا کے خرگاہ پر لکھی تھی،

نہان بود آنچہ در آثار قدرت   بفعل آوردہ دستِ او ز قوت

ملازم دارد آن علامة العصر   ز اہل فضل وحق چون ابو النصر

سوال قسمہ را حاضر جوابی   ز تحقیقاتِ دانش انتخابی

مقولاتی عشر، عشری ز گفتار   ز علم ظاہر و باطن خبردار

گہے بتفتیش علم صرف می شد   سخن از اسم و فعل و حرف می شد

گہے در مجلسش از نحو مذکور   ز مرفوع و ز منصوب و ز مجرور

گہے از ہندسہ می کرد تعداد   ز قدر خط و سطح و جسم و ابعاد

گہے می رفت حرف از علم تنجیم   ز اسطرلاب و استخراج و تقویم

گہے می کرد وصفِ علم اعداد   صحیح و کسر و زوج و فرد و تعداد

گہ از علم بیان کردی حکایت   ز تلمیح و ز تشبیہ و کنایت

گہ از علم معانی بود گفتار   ز اسناد و ز مسند با خبردار

گہ از آثار علوی یاد می کرد   حدیث ابر و برق و باد می کرد

بہیئت مطلع از طبع درّاک   ز تسکین زمین، تحریکِ افلاک

شد از علم مرایا بسکہ آگاہ   بذات شخص برد از سایش راہ

اس دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیب النسا بیگم طب روحانی میں بھی حاذق تھی،

بعلم طب روحانیہ حاذق   بہ تہذیب است اخلاقش موافق

اور وہ علم موسیقی سے بھی واقف تھی۔

ز موسیقی و از الحانش آگاہ   بگوش استماعش لیک اکراہ

بیگم کی انشا پردازی اور علمی کمال کے بارے میں لکھتا ہے:

زیب النساء کے معلمون مین صرف ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی کا نام تاریخون مین مذکور ہے، جو اس کی عمر کے اکیسوین سال مین درسی کتب کے علاوہ، فقہ، اصول فقہ اور علم حدیث کی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے، زیب النساء نے شعر و شاعری مین بھی انہی سے اصلاح لی[1]، اس نے علم کی تکمیل کے لیے فن خطاطی مین بھی کمال حاصل کیا، ماثر عالمگیری کا مولف رقمطراز ہے کہ وہ ہر قسم کے خطوط یعنی نسخ، نستعلیق اور شکستہ نہایت خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی[2]، یہ فن شاید اس نے ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی ہی سے سیکھا تھا کیونکہ وہ نہ صرف ایک ممتاز شاعر اور عالم تھے، بلکہ خطاط اور خوشنویس بھی تھے، زیب النساء کے علم و ہنر کی بنا پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اسکی علمی کاوش اسکی علمی و ادبی تصنیفات مین بھی ظاہر ہوگی، مگر وہ اب ناپید ہین، مخزن الغرائب کے مولف نے اس کی صرف ایک کتاب **زیب المنشآت** کا حوالہ ان الفاظ مین دیا ہے۔

"زیب المنشآت کہ از تالیف آنجناب است فقیر آن را زیارت نمودہ، (قلمی نسخہ دار المصنفین)

"زیب المنشآت" زیب النساء کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ تھا، اس کی ایک بیاض خاص بھی تھی، جس کی ایک خاص ارادت فہم نامی کے ہاتھ سے حوض مین گر کر ضائع ہوگئی، ملا سعید اشرف ماژندرانی نے اسکی معذرت مین ارادت فہم کی طرف سے ایک طویل قطعہ لکھکر زیب النساء کی خدمت مین پیش کیا،

زیب النساء کے نام سے ایک مرقع بھی منسوب ہے جس مین قطعات، مشہور کاتبون اور خطاطون کے کمالات کے نمونے، ماہر نقاشون اور مصورون کے ہاتھ کی بنائی ہوئی انواع و اقسام کی تصویرین تھین، یہ مرقع ناپید ہے، لیکن اسکا دیباچہ جس کو ایک شاعر و نثار طاہر رضا راشد نے لکھا تھا، خدا بخش خان لائبریری مین موجود ہے، یہ دیباچہ بھی نظم و نثر مین لکھا گیا ہے، اس سے زیب النساء کی علمی مجالس کا حال معلوم ہوتا ہے، شاعر ذکر کرتا ہے کہ بیگم کی علمی مجلسون مین نظم و نثر، صرف و نحو، ہندسہ و نجوم، معانی و بیان اور ہیئت و مرایا پر علماء و فضلاء جمع ہو کر بحث و مباحثہ اور تحقیق و تفتیش کیا کرتے تھے۔

۳۹۴

[1] ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی پر ایک مفصل مضمون معارف نمبر ۳ ج ۱۲ مین ملاحظہ ہو، نیز دیکھو مآثر الکرام ج ۲ ص ۱۱۲ [2] مآثر عالمگیری

کا لفظ ہوتا تھا، چنانچہ مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ ملا صفی الدین اردبیلی نے بیگم کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا اور زیب التفاسیر نام رکھا گیا (ص ۲۲۰) مآثر کے مولف کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کتاب کے علاوہ اور دیگر رسائل بھی بیگم کے نام سے موسوم ہوئے، (ص ۴۹۴) مگر ان رسائل کے نام کہین اور راقم حروف کی نظر سے نہین گذرے، زیب التفاسیر کا پانچوان حصہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ مین موجود ہے، یہ حصہ ۱۱۶ صفحون مین ختم ہوا ہے، اور خاتمہ کی تاریخ ۱۰۸۱ھ مرقوم ہے، فہرست نگار کا خیال ہے کہ یہ نسخہ خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہے،

زیب النسار نے اپنے بیت العلوم کے علمار و فضلا کے استفادہ کے لیے ایک اعلیٰ قسم کا کتبخانہ بھی قائم کیا تھا، مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ ہنرپرور اور علم شناس شہزادی ہمیشہ کتابون کے جمع کرنے اور نیز جدید تصنیف و تالیف کو جاری رکھنے مین کوشان رہتی تھی، اسکا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادرالوجود تھا، (ص ۴۹۴)

زیب النسار شاعرہ بھی تھی، مگر اس کی شاعری کے متعلق بہت سی بے سرو پا اور بے بنیاد باتین منسوب ہو گئی ہین، جن کی تشہیر غیر مسلم مصنفون نے زیادہ کی ہے، "وزڈم آف دی ایسٹ سیریز" مین لندن سے دیوان زیب النسار کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس مین زیب النسار کی اول پچاس فارسی غزلون کا انگریزی ترجمہ مگن لال اور جیسی ڈنکن ویسٹ بروک نے کیا ہے، شروع مین ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے، جو موخر الذکر انگریز خاتون ڈنکن ویسٹ بروک کا لکھا ہوا ہے، یہ مقدمہ بظاہر بہت ہی پر از معلومات ہے، اس مین زیب النسار کے معاشقہ اور اس ضمن مین اس کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے بہت سے ناپسندیدہ قصے اور واقعات درج ہین، مگر ان کی تکذیب اور تردید ایک دوسرے غیر مسلم مورخ سر جادو ناتھ سرکار کے ایک مضمون سے ہو چکی ہے[۱]، جادو ناتھ سرکار اورنگزیب عالمگیر کے سب سے بڑے ہجو نگار ہین، اس لیے

---

[۱] اسٹڈیز ان مغل انڈیا ص ۹۰ - ۹۹،

بلفظ مختصر معنی مطوّل | عبارت مجمل و معنی مفصل
بعلم اولی تر از ہر چیز دانی | نہ در اعمال گنجد حرف ثانی

ایک دوسری جگہ رقمطراز ہے :-

با ہل فضل شامل جود خاصش | بعلم و شرع دایم اختصاصش
سخن سنجان معنی آفرینان | ز خرمنہائے فضلش خوشہ چینان
سخن فہم و سخن سنج و سخن دان | سخنور را نسنجد جز بمیزان[۱]

شعر و شاعری کی زبان کے علاوہ شاعر مذکور دیباچہ کی نثر میں بھی بیگم کی انشا، خوشنویسی اور شاعری کا ذکر بڑے شاندار اور باوقار الفاظ کے ساتھ کرتا ہے، مورخین اور تذکرہ نویس بھی اسکی علمی سرپرستی اور قدردانی کے بیان میں رطب اللسان ہیں، مآثر عالمگیری میں ہے، کہ علما و فضلا اور خوشنویسوں کا ایک گروہ زیب النسا بیگم کی سرکار سے فیضیاب ہوا کرتا تھا (ص ۵۳۹) غلام علی آزاد ید بیضا میں لکھتے ہیں :-

ہمت بہ ترفیہ حال ارباب فضل و کمال مصروف می داشت، و جماعت کثیر از علما، و شعرا، و منشیان و خوشنویسان بسایۂ قدردانی او آسودہ بود و کتب و رسائل بسیار بنام او بہمت تالیف پذیرفتہ (ید بیضا قلمی نسخہ، دار المصنفین)

بقول مولانا شبلی مرحوم زیب النسا کا دربار حقیقت میں ایک اکاڈیمی (بیت العلوم) تھی، اس بیت العلوم میں ہر فن کے علما، و فضلا، نوکر تھے، جو ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے، کتابیں عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھیں یعنی ان کتابوں کے نام کا پہلا جز زیب

[۱] پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج، کلکتہ) نے مرقع کی نقل رسالہ شمع آگرہ، بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں شائع کی تھی، یہ اشعار اسی سے لیے گئے ہیں،

اسی سلسلہ میں احمد علی سندیلوی نے زیب النسا کے قریب پندرہ ایسے اشعار نقل کئے ہیں، جو بعض تذکروں میں زیب النسا کی طرف منسوب ہیں لیکن یقین کیساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اشعار واقعی اسی کے ہیں، مولانا شبلی مرحوم کا خیال ہے کہ اس کا سارا کلام شاید اس بیاض میں جمع ہو جو ارادت فہم سے ایک حوض میں گر کر ضائع ہو گئی، بہر حال زیب النسا کے شاعر ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے

مرقع کا دیباچہ نگار اس کی شاعری کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے:

زخیل طبع و نفس اندیشہ کردہ　　　پری و دیو را در شیشہ کردہ

ز طبعش موجزن بحر معانی　　　بہ بحر شعر آب زندگانی

ز نطقش نشۂ معنی زند جوش　　　شود سامع چو صورت محو و مدہوش

ز نظم و نثر نطقش آنچہ گفتہ　　　درنا سفتہ گوہرہا ے سفتہ

مولانا شبلی مرحوم نے بعض تذکروں کے اسناد پر صرف مندرجۂ ذیل رباعی کو زیب النسا بیگم کی طرف منسوب کیا ہے،

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد　　　کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد

صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت　　　غنچۂ باغ دل ما زیب دستارے نشد

مگر پروفیسر محفوظ الحق نے معارف کے مضمون ہذا میں اس رباعی کو بھی مشکوک بتایا ہے،

زیب النسا کا ذوق شعری اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت میں شعرا اپنے معروضات اشعار ہی میں پیش کرتے تھے، اوپر یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ زیب النسا کی بیاض اسکی ایک کنیز کے ہاتھ سے حوض میں گر گئی تھی، زیب النسا کے استاد ملا سعید اشرف ماژندرانی نے کنیز کی طرف سے ایک طویل معذرت نامہ لکھ کر زیب النسا کی خدمت میں پیش کیا، یہ قطعہ مخزن الغرائب میں درج ہے، جسکی پوری نقل مقالات شبلی حصہ پنجم کے مضمون زیب النسا میں بھی ہے، ہم یہاں اس کے صرف چند اشعار

اورنگزیب کی لڑکی زیب النسار کی حمایت مین ان کا کچھ لکھنا بجز دا کراہ حق وصداقت کا اظہار کرنا ہے،
مولانا شبلی مرحوم نے بھی زیب النسار سے متعلق جو مہمل اور لغو روایتیں مشہور ہو گئی تھین ان کی
تردید اپنے مضمون "زیب النسا" مین کر دی ہے،[1]

زیب النسار کے عشق ومحبت کی طرح اس کا دیوان بھی محض افسانہ بن کر رہ گیا ہو، زیب النسار
کا ایک مجموعۂ کلام "دیوان مخفی" کے نام سے مختلف مطابع سے چھپ کر بازار مین فروخت ہوتا ہے،
مگر ارباب نظر ان متداول نسخون پر اپنے خیالات ظاہر کر کے بتا چکے ہین کہ دیوان کی اندرونی شہادت
کی بنا پر اس کو کسی طرح زیب النسار کا دیوان نہین کہا جا سکتا ہے، پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج
کلکتہ) نے معارف نمبر ۵ جلد ۱۱ مین یہ بتایا ہے، کہ دیوان مخفی دراصل مخفی رشتی کا دیوان ہو جسکا وطن
باصطرخ تھا، وہ شاہجہان کے عہد مین خراسان سے ہندوستان جلب منفعت کے لیے آیا، مگر
یہان کی ہوا راس نہین آئی اور دشمنون کی ریشہ دوانیون سے قید کر دیا گیا، چونکہ شاہی دربار
مین اس کی رسائی نہ ہو سکی، اس لیے اس کا کلام اورون کی طرح مشہور نہ ہو سکا، اور ایک مدت تک
مخفی مگر محفوظ رہا، اس کا دیوان بعض غیر محقق مصنفون کے ہاتھ لگا اور اسے دیکھے اور سمجھے بغیر
غالباً محض مخفی کی رعایت کی بنا پر بیگم کی جانب منسوب کر دیا،

مستند تذکرہ نویسون مین احمد علی سندیلوی بھی مخزن الغرائب مین زیب النسار کے
ذکر مین لکھتے ہین:-

اما دیوان اشعارش جاے بنظر نیامدہ، اگر در تذکرۂ انتخابش بنظر آمد لیکن اعتبار را نشاید
بسبب آنکہ اکثر شعرا اساتذہ صاحب آن تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"

---

[1] مقالات شبلی ج ۵ ص ۱۱۰ - ۱۰۶ ملاحظہ ہو اور مثل پبلک لائبریری کٹیلاگ ج ۳ ص ۱ - ۱۵۰، اور پروفیسر
محفوظ الحق کا مضمون زیب النسار اور دیوان مخفی، معارف نمبر ۵ ج ۱۱،

پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند | گو خدمت حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چه دہلی چہ اصفہان | دل پیش تست تن چہ بہ کابل چہ قندھار

(مآثر الکرام ص ۱۱۶ جلد دوم)

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) مین زیب النساء کی خدمت مین شاعرانہ معروضات کے سلسلے کا ایک اور واقعہ منقول ہے، نعمت خان عالی نے جو اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا، زیب النساء کے پاس ایک مرصع کلغی فروخت کے لیے بھیجی، زیب النساء نے اس کی قیمت بھیجنے مین دیر کی تو نعمت خان نے یہ رباعی لکھکر پیش کی،

اے بندگیت سعادت اختر من | در خدمت تو عیان شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من | ور نیست خریدنی بزن بر سر من

اس رباعی کے صلہ مین زیب النساء بیگم نے پانچہزار روپے دلوائے، اور کلغی بھی واپس کر دی، مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو خزانۂ عامرہ سے نقل کیا ہے،

سنہ ۱۰۹ھ مین زیب النساء نے ابرک کا ایک بڑا خیمہ بنوایا، جو تمام تر شیشہ کا معلوم ہوتا تھا، نعمت خان عالی نے اس کی تعریف مین ایک چھوٹی سی مثنوی کہی، اس کے کچھ اشعار مولانا شبلی نے اپنے مضمون زیب النساء مین بھی نقل کیے ہین، (دیکھو مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۶) زیب النساء کے دربار کے شعر و شاعری کے اسی چرچے کی بنا پر مولانا شبلی لکھتے ہین کہ عالمگیر کی خشک مزاجی سے شاعری اور شعراء کو جو نقصان پہنچا تھا، اس کی تلافی زیب النساء کے حسن مذاق سے ہو گئی تھی،

اورنگزیب کی دوسری لڑکیان اورنگزیب کی دوسری لڑکیون کا علم و ہنر زیب النساء کی علمی شہرت کے سامنے ماند پڑ گیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ زیب النساء کی طرح آسمان علم و ادب کی مہر و ماہ تو نہ بن سکین، مگر مختلف قسم کے علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ تھین، مآثر عالمگیری کے مولف

ناظرین کے لیے پیش کرتے ہین :-

اے اوا قمے کہ پیشت فاضلان عصر را ... شستن مجموعۂ اندیشہ بآب افتادہ است

درخم افلاطون زیادہ دانشت سرخوش بود ... ہیچو مخمورے کہ در فکر شراب افتادہ است

ذہن صافت تا علم گردید در دانشوری ... طبع افلاطون زبس در اضطراب افتادہ است

دفتر فرہنگ در چنگش مجزا گشتہ است ... از کفش مجموعۂ دانش در آب افتادہ است

آن بیاض خاصۂ شاہی کہ در اطراف آن ... جاے افشان نقطہاے انتخاب افتادہ است

آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر ... درّ الفاظش بسے باآب و تاب افتادہ است

مآثر الکرام مین غلام علی آزاد بلگرامی ، ملا سعید ماژندرانی کے ذکر مین لکھتے ہین، کہ ایک بار زیب النسا بیگم نے استاد کی خدمت کے لیے ایک کنیز بھیجی ، مگر ملا سعید اس سے خوش نہ رہ سکے، اور اسکی ہجو مین ایک قطعہ لکھکر زیب النسا بیگم کے پاس بھیجا ، غلام علی آزاد نے اس قطعہ کا صرف پہلا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے ،

قدر دانشور شناسا! نور چشم عالما ... اے کہ ہرگز قدرت ہم حیثیت حور انداشت

اس کے بعد وہ لکھتے ہین کہ اس ہجو مین ملا سعید نے کلام پاک کے الفاظ قابَ قوسَین اَو اَدنیٰ کو بہت ہی فحش طریقہ پر استعمال کیا ، مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے لیکن ان کو تعجب ہے کہ ملا سعید نے اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت کس طرح کی ، کیونکہ شاہی بیگمات کے آداب اور زیب النسا کا زاہدانہ مذاق اس قسم کی جرأت کا متحمل نہین ہو سکتا تھا ،

ملا سعید کو زیب النسا کی ملازمت مین جب کافی مدت گذر گئی، تو وطن واپس جانیکی خواہش کی اور رخصت کی درخواست ایک مدحیہ قصیدہ مین لکھکر دی ، اس قصیدہ کے آخر مین لکھتے ہین :-

یکبار از وطن نتوان برگرفت دل ... در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار

غلط نامہ بزم تیموریہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱۱	بیری	بیردی	۳۷	۴	خواستہ شود	خواست شود
۶	۹	جا بجا ذکر ہے	جا بجا ذکر کیا ہے	۳۹	۴	از ایجاز	ز ایجاز
۷	۱۸	پنج	پا پنج	"	۸	ابو الواجد	ابو الوجد
۱۹	۵	ز افعال	از افعال	۴۰	۵	مہمل	محمل
۲۷	۱۳	بنگر ہما	بنگر بہ ہما	"	۶	است کنون	رست کنون
۲۸	۱۷	وردست اجل بے	وز دستِ اجل بسے	۴۴	۴	سوانح حیات	سوانح عمری
۲۹	۱۳	نشینم	نشینیم	۴۵	۱۹	تین اور تالیفات	دو اور تالیفات
۳۱	۱۴	وائے آنست	وائے آنکس	۴۸	۱	ہیئت	تو ہیئت
۳۳	۳	جبین تن	جبین من	۴۹	۵	مباحث	مباحثہ
"	۵	کین	کمین	۵۳	۱۵	خوانی جو	خوانی نے جو
"	۱۳	زمھوشے	از مھوشے	۵۶	۱۴	لکھ نہین سکتا تھا	لکھ نہین سکتا تھا!
۳۴	۴	غمزدہ است	غمزدہ ات	۵۸	۳	مجنون را	مجنون زار
"	۱۰	ابزد	ایزد	۶۰	۵	من یا ردلم	من بار دلم
"	۱۱	ہم سیرت ہم آنکہ	ہم سیرت آنکہ	۶۳	۱	جس سے	اس سے
"	"	ہم صورت آنکہ ترا	ہم صورت آنکہ او ترا	۸۶	۱۱	ازاو دنے ملا	ازاو دنے جو ملا
۳۵	۲	گر دست	گرد دست	۹۹	۷	زین جامہ	زین تامہ

بیان ہے کہ اورنگزیب کی لڑکیوں مین زینت النسا بیگم نے بھی باپ کی توجہ اور فیض تربیت سے علمی کمالات حاصل کیے، وہ عقاید مذہبی، احکام دینی اور مسائل شرعی سے بخوبی واقف و آگاہ تھی، (مآثر عالمگیری ص ۵۳۹)، صبح گلشن مین زینت النسا بیگم کا ذکر ایک شاعرہ کی حیثیت سے بھی کیا ہے، مولف کے الفاظ یہ ہین: (ص ۱۹۲-۱۹۱)

زینت النسا بیگم ہمشیرۂ زیب النسا بیگم از بنات اورنگزیب عالمگیر بادشاہ است عالمہ و شاعرہ و حافظۂ کلام اللہ بود، زینت المساجد بنا کردہ اش الی الآن در شہر شاہجہان آباد موجود و معمور و بر سنگ مزارش کہ در صحن ہمان مسجد ست این شعر خودش منقوش و منقور، ؎

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است ۔۔۔ سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

مآثر عالمگیری کے راوی کا بیان ہے کہ اورنگزیب کی لڑکی بدر النسا بیگم حفظ کلام اللہ کی سعادت اور علوم دینیہ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی، اور ہمیشہ قرآن کے ساتھ مشغول رہتی ملحوظ رکھا، عالمگیر کی ایک دوسری لڑکی زبدۃ النسا بیگم کے بارے مین مولف مذکور لکھتا ہے کہ ہمیشہ طاعت و عبادت و تحصیل علم مین عمر بسر کی، اور ذخیرۂ سعادت فراہم کرتی رہی،

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۶	۱۱	شدت	شدست
۱۹۸	۱۹	اذ چہ	ارچہ
۱۹۹	۳	شنید	سپند
"	۶	کم وکاست	کم کاست
"	۸	نشیند	نشینند
"	۱۱	بردلہا	تردلہا
۲۰۰	۱۱	این مصرع	این دو مصرع
۲۰۲	۱۱	زیرتسبیح	زہرتسبیح
۲۰۳	۱۲	بزیان	بزبان
"	۱۳	پنان	بیان
"	۱۵	یدلی	بیدلی
"	۱۶	گلشن	بگلشن
"	۱۸	دہلی	زلی
۲۰۵	۱۴	غزل کے شعر	غزل کے کچھ شعر
"	۱۸	عرق	غرق
۲۱۱	۱۴	بڑی دیک حاصل تھا	بڑا درک حاصل تھا
۲۲۸	۸	یہ سعادت تیموری بادشاہوں میں	یہ سعادت ڈواول کے تیموری بادشاہوں میں
۲۳۰	۱۱	مصحف لکھکر بھیجا	مصحف لکھ کر مدینہ منورہ بھیجا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۳۹	۱۰	مقرب خان کو سرفراز فرماکر	مقرب خان کے خطاب سے سرفراز فرماکر
۲۴۰	۱۳	بعی	ربعی
۲۴۱	۴	سرچشمہ پھوٹا	وہ سرچشمہ پھوٹا
"	۷	نالی معاوضہ	مالی معاوضہ
۲۵۱	۲	جہانگیر	عالمگیر
۲۵۶	۷	زاری	رازی
۲۶۰	۱	دریاکنان	دریاکشان
"	۱۲	محی الدین	محی الدینؒ
۲۶۲	۱۰	رکھو مطالعہ	رکھکر مطالعہ
۲۶۳	۱۹	حشم	چشم
۲۶۵	۵	باب	باپ
۲۶۷	۱۲	برہ	براہ
۲۶۹	۶	لاس	برلاس
۲۸۲	۵	گرفت	ریخت
۲۸۷	۴	اس کے نظم ونثر	اس کی نظم ونثر
۲۹۰	۴	جن میں	ان میں
۳۰۲	۱۰	مبرسم	میرسیم
"	۱۱	میاذر	میازار
۳۱۵	۱۶	چلے تھے	چلے تھا
"	۱۸	فرے	فرے میں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۰	۷	حیات آنی	حیات ثانی	۱۲۱	۵	بکشود قفل	نکشود قفل
۱۰۱	۲	برورش	پرورش	"	۹	عرق	غرق
"	۱۵	محو	ہجو	"	"	کزعیب	کزجیب
۱۰۳	۱۹	بسیارند	بسپارند	۱۲۲	۱۵	ہرکر	ہرگز
۱۰۷	۱۳	نشاندہی	نشاندہ	۱۲۳	۷	نگرا اپنے	نگروہ اپنے
۱۰۹	۱۰	این است	این ست	۱۳۶	۱۳	دلاسا نامر	دلاسا نامہ در نہایت شفقت
۱۱۰	۱۸	گری	گرمی	۱۴۳	۲	کردے	گردے
۱۱۰	۱۹	من دل بادل	من و دل بال	۱۵۳	۴	رادھائے	زادھائے
۱۱۲	۱۴	خود حیثانی	خود چشانی	۱۵۷	۱۸	خاک	کز خاک
۱۱۳	۲	طبقات اکبری جلد سوم	طبقات اکبری جلد دوم	۱۵۸	۱۱	بگلاہی	بگلاہے
۱۱۳	۴	از خاک	ز خاک	۱۷۱	۱۰	بصحرا	گر بہ صحرا
۱۱۷	۲	ساتھ اپنے ساتھ اپنے	ساتھ اپنے	۱۷۴	۱۳	تذکرہ	مذاکرہ
۱۱۸	۸	یاختم	یافتم	۱۸۰	۱۳	گرمی گفت	گرمی سفت
"	حاشیہ	جلد سوم	جلد دوم	۱۸۱	۱۷	فنونی	فنون
۱۱۹	۴	مجتہم	مجتیم	۱۸۴	۱۱	حاکم اور	حاکم بناکر
"	۱۲	جلد سوم صـ ۲۹	جلد دوم صـ ۲۹۶	۱۸۵	۱۷	بیاران	یاران
۱۲۰	۱	جلد سوم صـ ۲۱۸	جلد سوم صـ ۲۵۸	۱۸۶	۸	حشم	چشم
"	۵	ندیدم	ندیدیم	"	"	مژدہ	مژہ
"	۱۰	نزد	بہ نزد	۱۸۸	۱۲	نکرد	نگرد
"	۱۹	و انکہ	وز انکہ	۱۸۹	۴	مدقرین	کامد قرین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲۹	۱۸	شرارہ	شرر	۳۶۶	۱۱	میرا	میر
۳۳۱	۴	آنسو ہے جو	آنسو جو	۳۶۷	۱	پنہا	پنہان
״	۱۰	آہین	آہن	۳۶۹	۷	زنگ سرخ	سنگ سرخ
۳۳۵	۳	نہ مے	نے	۳۷۱	۱۰	ساغرے	ساغرے
۳۳۷	۱	شکوے	شکوے سے	״	۱۵	کل	گل
״	۲	ہے تو پھر	ہے پھر	۳۷۲	۱۶	زیناکر	زیناکہ
۳۳۸	۹	یائین	یان آئین	۳۷۷	۱۳	بزہ ای	بزدای
۳۴۲	۱۲	وہی	وہ ہی	۳۷۸	۶	بکشاید	نکشاید
۳۴۴	۱۰	خواب تھا	یہ خواب تھا	۳۸۲	۱۳	دیدہ واست	دیداست
۳۴۷	۸	عاشق!	عاشقو	۳۸۴	۴	نیاخت	نباخت
۳۵۵	۱۴	بھرے	پھرے	״	۱۷	شے	شبے
۳۵۶	۵	نکلے ہین	نکلے ہے	״	۱۸	اڑ	اد
״	۹	مادیہ	مارسیہ	۳۹۳	۱۳	اس	اس کے دیوان
״	۱۸	اس	اوس (بمعنی شبنم)	״	۱۸	ناکشش	تاکشش
۳۵۷	۸	دل اوپر	دل آویز	۳۹۶	۲	دستور نفصحار	دستور الفصحاء
״	۱۴	دھوکے	دھوکے گر	۴۰۱	۱۹	کھایا	دکھایا
۳۶۰	۳	نگاہین ہین	نگاہین بھی سحر ہین	۴۱۳	۴	عافل	غافل
״	״	سرمہ	سرمہ کی	۴۱۳	۲	کہتا اور	کہتا اور
״	۲۰	مشکل بندی	مشکل پسندی	۴۱۶	حاشیہ	لکھا کام توم ہے	مرقوم ہے
۳۶۲	۲	کہتے تھے	یہی کہتے تھے	۴۴۸	۱۳	ثبب	ثبت
۳۶۳	۵	چھوڑ دون	چھوڑون	صفحہ ۴۲۴ کے بعد ۴۲۸، اور ۴۲۹ کے بجاے ۴۲۸			
۳۶۴	۱۹	دل	کیا دل	۴۲۹ ہونے چاہئین			

تاریخ ہند پر دوسری کتابین

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہی جس سے اسلامی فنِ انشا، اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا، کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہی قیمت للعہ حجم، ۲۹ صفحے،

(از سید نجیب اشرف ندوی)

رقعاتِ عالمگیر

اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات، جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک [illegible] اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور اُن سے علم ادب، سیاست [illegible] تاریخ کے سیکڑون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: ے ر، ۴۰۰ صفحے، (مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی)

تاریخ سندھ

اس مین سندھ کا جغرافیہ، اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافتِ راشدہ کے زمانہ سے لے کر آٹھوین صدی ہجری تک کی حکومتون کی پوری تاریخ، اور اُن کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، (مؤلفہ مولانا سید ابوظفر ندوی) قیمت :- چھ روپے،

ضخامت :- ۴۰۰ صفحے،

(طالب دعا) مسعود علی ندوی

"منیجر"

(مطبع معارف) مطبوعہ صدیق احمد

Borrower No.	Date of Issue	Date of Return

P. T. O.